یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
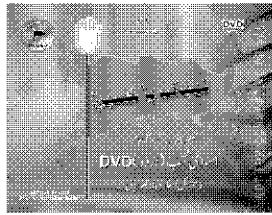
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

نواسۂ نبی
حسینِ ابنِ علیؑ
سیّد علی اکبر رضوی
نواسۂ نبی
حسینِ ابنِ علیؑ
سید علی اکبر رضوی
JAWEDAN
جاودان
Presented by www.ziaraat.com
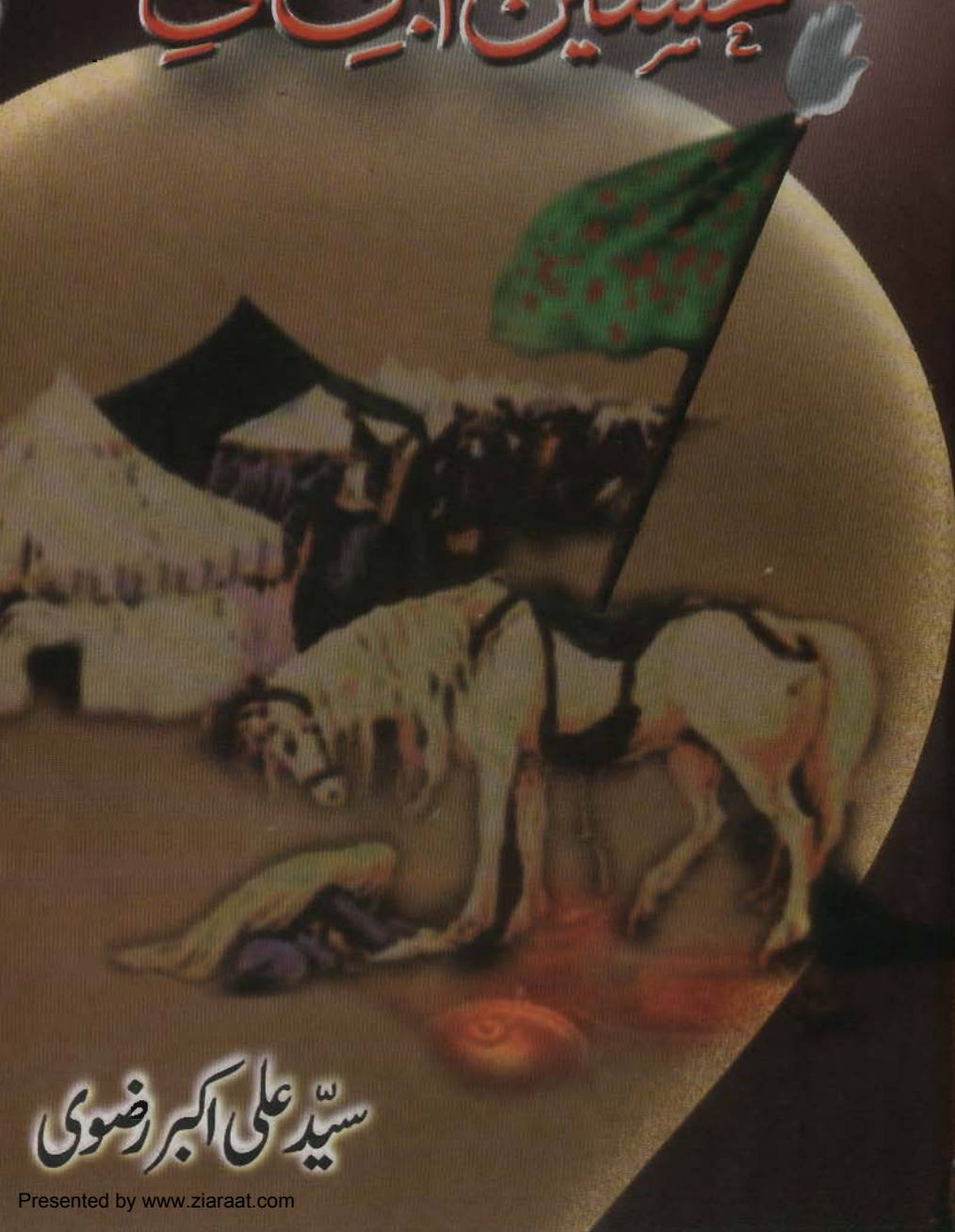
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۙ

(سورۂ آل عمران ۳، آیت ۱۶۹)

(جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے اُنھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں
اپنے پروردگار کے یہاں سے رزق پاتے ہیں)

نواسۂ نبیؐ

حسینؑ ابنِ علیؑ

زِ آنہا کہ خواندہ ام ہمہ از یادِ ما برفت
اِلاّ "حدیثِ دوست" کہ تکرار می کنم

(جو کچھ میں نے اب تک پڑھا وہ سب بھول گیا سوائے اپنے ممدوح
(حسینؑ) کی باتوں کے جس کا ذکر میں بار بار کرتا ہوں)

سیّد علی اکبر رضوی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم.

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا ہے۔

اللّٰہ لا الٰہ الاّ ھو الحیّ القیّوم

اللہ وہ زندہ و پائندہ ذات ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

لا تا خذہ سنۃ ولا نوم لہ مافی السموات و ما فی الارض

نہ وہ سوتا ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے۔ ایسا کون ہے جو

من ذا الّذی یشفع عندہٗ الّا باذنہٖ

اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے؟

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم

جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے چھپا ہوا ہے اس سے بھی واقف ہے۔

ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الّا بما شآء

اور اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی لوگ احاطہ نہیں کر سکتے سوا اس کے کہ وہ خود اس میں سے کسی چیز کا علم ان کو دے دے۔

وسع کرسیّہ السّمٰوٰت والارض

اس کی کرسی (حکومت) سب آسمانوں اور زمین پر پھیلی اور چھائی ہوئی ہے۔

ولا یؤدہ حفظھما وھو العلیّ العظیم

اور ان سب کی حفاظت اور نگرانی اس کے لیے (کوئی مشکل یا) تھکا دینے والا کام نہیں۔ (کیونکہ) وہ ذات ہی بہت بڑی بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہے۔

(سورۃ بقرۃ ۲، آیت ۲۵۵)

خاتم النّبیین افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّکُمْ سَتُبْتَلُوْنَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ. ☆

تم عنقریب میرے اہلِ بیت کے متعلق آزمائش میں ڈالے جاؤ گے کہ تم ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔

اَشَدُّ غَضَبِ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ اٰذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ.☆

جو مجھے میرے اہلِ بیت سے متعلق ستائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا شدید ترین غضب نازل ہوگا۔

☆☆ اسعاف الراغبین، ص ۱۱۳، جامع الصغیر، ص، ۱۰۱۔

امیر ، اپنا دلِ پُرداغ سُوئے کربلا لے چل
یہ گلدستہ ہے نذرِ روضۂ شبیرؑ کی خاطر
(امیر مینائی)

ترتیب

نواسۂ نبیؐ حسینؑ ابنِ علیؑ — سیّد علی اکبر رضوی

انتساب

بندۂ ناچیز اپنی اس حقیر و ادنیٰ لیکن پُرخلوص قلمی کاوش کو بصد ہزار عجز و نیاز منسوب کرتا ہے:

حضرت محمد مصطفیٰؐ، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نامِ نامی سے جو باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات اور افضل الانبیاء ہیں:

انتہا یہ کہ ابتداء ہی سے
پیشوا سارے انبیاءؑ کا ہے

آپؐ کے محترم آبا و اجداد سے جو بارِ نبوّت کے حامل و امین رہے اور آپؐ کے طیّب و طاہر اہلِ بیتؑ سے جنھوں نے راہِ حق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا حتیٰ کہ کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں تین شب و روز بھوکے پیاسے رہ کر اپنی جانیں تک نثار کر کے اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ خاص طور پر سیدالشہداء امام حسینؑ سے جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بِنائے لا الٰہ گردیدہ است
(علّامہ اقبالؒ)

امّید ہے حقیر کا ہدیہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم،

شہداء کربلا اور اسیرانِ کربلا میں شرفِ قبولیت پائے گا اور اسے اس حقیراور اہلِ خاندان کے لئے ذخیرۂ عاقبت بنا دے گا:

جو خاک کو نگاہ سے کرتے ہیں کیمیا
اے کاش ہم پہ بھی وہ کبھی اک نظر کریں

امّید ہے کہ رسالت مآبؐ اوراہلِ بیتؑ کے صدقے میں اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بخش دے گا کہ وہ الرّحمٰن الرّحیم ہے:

ہرچند کہ گناہگارم شب و روز
(اگرچہ دن رات مجھ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں)

امّید بہ رحمتِ تو وارم شب و روز
(لیکن اے اللہ! میں تیری رحمت کادن رات امیدوار ہوں)

از خلقِ جہاں ندارم امّید
(دنیا والوں سے کوئی امید نہیں رکھتا)

از بخششِ تو امید وارم شب و روز
(لیکن تیری بخشش کادن رات امّیدوار رہتا ہوں)

رحمتِ بے پناہ کے صدقے
اعتمادِ نجات باقی ہے

یارب، مجھے ایثار و نکوکاری دے
بے اس کے نمود و نام و شہرت بیکار

احقرالعباد
سیّدعلی اکبر رضوی عفی عنہٗ

درود وسلام

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نامِ نامی سے ابتداء کرتا ہوں جو خالقِ کائنات ہے اورربّ العالمین بھی۔ درود و سلام بھیجتا ہوں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آلِ محمد علیہم السلام پر:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶)

(یقیناًاللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبرؐ پر۔تو اے ایمان والو!تم بھی ان پردرود بھیجواورسلام جو حق ہے سلام بھیجنے کا)

جب مندرجۂ بالاآیۂ مبارک نازل ہوئی تومتعدد اصحابؓ نے سوال کیاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے! اس کے جواب میں حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو الفاظ سکھائے وہ مندرجۂ ذیل ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کما صَلَّیْتَ عَلٰی اِبرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(اے اللہ پاک! رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اور آل محمد علیہم السلام پرجس طرح تُو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر، بے شک تُو ہرقسم کی تعریف کا مستحق اور بزرگ و بالاتر ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اور آل محمد علیہم السلام پرجیسے تو نے برکت نازل فرمائی ہے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر، بے شک توہرقسم کی تعریف کا مستحق اور بزرگ و بالاتر ہے)

مناجات

خدایا خدایا توئی آں حمید
کہ نامد کسے از درت ناامید

(یا اللہ ، یا اللہ ! تُو ہی وہ قابلِ ستائش ذات ہے کہ تیرے در سے کوئی محروم واپس نہیں ہوا)

بہ بخشی اگر ایں گنہگار مرد
کہ از بس ندامت رخِ اوست زرد

(براہِ کرم تُو اس گنہگار آدمی کو بخش دے جس کا چہرہ ندامت سے زرد ہے)

بروی شود نارِ دوزخ حرام
تقاضائے لطفِ تو گردد تمام

(تو اس پر نارِ دوزخ حرام ہو جائے گی اور تیرے لطف کا تقاضا پورا ہو جائے گا (کیونکہ تُو موصوف بہ صفتِ لطیف ہے)

نہ تنہا توآں بےچگونی بہ ذات
حریفے نداری ہم اندر صفات

(تُو صرف اپنی ذات ہی میں بےمثل نہیں ہے بلکہ تُو اپنی صفات میں بھی کوئی مقابل نہیں رکھتا)

چہ تسبیحت آید ازیں مشتِ خاک
بجز ایں کہ ہستی زہر عیب پاک

(اس مشتِ خاک سے تیری کیا تسبیح ہو سکتی ہے ! سوائے اس کے کہ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے)

زمائی تو با ذاتِ خود گرچہ دور
بمائی تو نزدیک(۱) از ما بہ نور

(اگرچہ تُو باعتبارِ ذات ہم سے دور ہے لیکن اپنے نورِ علم کے اعتبار سے ہماری اپنی ذات سے بھی ہم سے نزدیک تر ہے)

ثنائے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حبیبا ! ثنائے تو گویم چساں
کہ بالا تراستی ز حدِ بیاں

(اے محبوبؐ! میں آپ کی تعریف کیسے کر سکوں کہ آپؐ حدِ بیان سے بالا تر ہیں)

بمدح تو باشد چو اثمار ذوق
بہ اثمار دارد دلِ خلق شوق

(آپؐ کی تعریف میں میوے کی سی لذّت ہے اور میوہ جات کا ہر شخص شائق ہوتا ہے)

ثنائے تو خواہد دلم ہر زماں
ملو لست ازاں روئے قاصر زباں

(میرا دل ہر وقت ہی آپؐ کی تعریف چاہتا ہے اس وجہ سے میرا دل رنجیدہ اور زبان قاصر رہتی ہے)(۲)

---

(۱) وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۂ ق ۵۰، آیت ۱۶)
(اور ہم رگِ گردن سے بھی زیادہ اُس (انسان) کے قریب ہیں)

(۲) یعنی دل تو چاہتا ہے کہ زبان ہروقت مدحِ حبیبؐ میں رہے لیکن چونکہ زبان اس سے قاصر ہے اس لئے دل زبان سے ناراض رہتا ہے۔

توئی شمع در محفلِ اصفیاء
کہ بے تُست ہر محفلے بے ضیاء
(آپؑ شمعِ محفلِ اہلِ صفاء ہیں کیونکہ آپؑ کے بغیر ہر محفل بے نور ہے)

درودِ خداباد بر جانِ تو
بر آل و بر آں جملہ یارانِ تو
(اللہ کا درود ہو آپؑ کی روحِ پاک پر اور آپؑ کی آل اور جملہ رفقاءؓ پر)

چلپؔی ست سرگرم در عشقِ آل
چو در عشقِ سردارِ خوباںؐ بلالؓ
(چلپی آلِ رسولؐ کے عشق میں سرگرم ہے جس طرح سردارِ خوباںؐ کے عشق میں بلالؓ سرگرداں تھے)

چو یاد آورم روزِ خونِ حسینؑ
شود پُشتم از رنج نُونِ حسینؑ
(جب مجھے شہادتِ حسینؑ کا دن یاد آجاتا ہے تو میری کمر خم ہو کر لفظ حسین کے "ن" کی طرح بن جاتی ہے)

بروئیم شود آب جوئے رواں
تر و تازہ گردد بہ آں آب جاں
(اس دن کو یاد کر کے میرے رخسار پر نہر رواں ہو جاتی ہے اور اسی پانی سے میری روح تر و تازہ ہوتی ہے)

نہ یم عاشقِ یک گُلِ تازہ تر
کہ ہریک گُلے راست رنگِ دگر
(میں فقط ایک گلِ تازہ کا شیدائی نہیں ہوں (بلکہ سب کا عاشق ہوں) کہ ہر پھول کا رنگ جدا ہے)

گرم در جناں بینی اے ذی شرف
بہ بینی ز اعزازِ حُبِّ سلف
(اے شریف آدمی، اگر تو مجھے جنت میں دیکھے گا تو سلف صالحین کی محبت کی وجہ سے ہی دیکھے گا)

رہِ عاصیاں سوئے آں باغ نیست
کہ آں بوستاں در خورِ زاغ نیست
(گنہگاروں کا راستہ اس باغ کی طرف نہیں ہے کیونکہ وہ باغ زاغ و زغن کے لیے نہیں ہے)

منم درجہاں چوں قلم رُوسیاہ
بریزم قلم وار اشک از گناہ
(میں دنیا میں قلم کی طرح روسیاہ ہوں اور ندامتِ گناہ سے قلم کی طرح آنسو بہاتا ہوں)

اگرنامِ مالک نہ بودے غفور
زبس بیم من مُردے بالضرور
(اگر میرے مالک کا نام غفور یعنی بخشنے والا نہ ہوتا تو میں فرطِ خوف سے لازماً مر جاتا)

تو اے طوطیٔ طبع من مرحبا!
دل از وجہِ تو شد چمن مرحبا!
(اے میری طوطیٔ طبع مرحبا! تیری وجہ سے میرا دل باغ باغ ہوگیا مرحبا!)

سخن گو کہ محفل خیاباں شود
رُخِ ہمدماں ماہِ تاباں شود
(ہاں! سخن سرا ہو کہ محفل پھلواری بن جائے اور ہمدموں کے چہرے چاند کی طرح چمک اٹھیں)

تو اے آنکہ گوئی بہ قرآن اُجیبؐ☆
کُنَش مرجعِ خلق مثلِ زبیب
(اے وہ ذات! جس نے قرآن میں اُجیبُ دعوت الداعی فرمایا ہے اس شخص
کو کشش کی طرح مرجع خلائق بنا دے)

درِ تو زند تا ابد ایں سوال
کنی مستجاب اے احَدَ ایں سوال
(غلام نصیر چلاسی)
(میری دعا تا ابد تیرا دروازہ کھٹکھٹائے گی اے خدائے واحد! میری یہ دعا قبول فرما لے)

☆اشارہ ہے قرآنِ مجید کی اس آیت کی طرف:
اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ. (سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۸۶)
(میں پکارنے والے کی صدا پر لبیک کہتا ہوں)

در معنیٔ حریّتِ اسلامیہ و سرِّ حادثۂ کربلا

ہر کہ پیماں باھو الموجود بست
گردنش از بندِ ہر معبود رَست
(جس کسی نے ربّ العالمین سے لَو لگائی اس کی گردن دنیا کے تمام آقاؤں کی
قید سے آزاد ہوگئی)

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکنِ ما ممکن است
(مومن کی پہچان عشقِ الٰہی ہے اور عشق کا وجود مومن سے ہے عشق وہ (جذبہ) ہے
جو ہمارے ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے)

عقل سفّاک است و اُو سفّاک تر
پاک تر ، چالاک تر ، بیباک تر
(عقل سفّاک ہے اور وہ (عشق) سفّاک تر، پاک تر، چالاک تر، بیباک تر ہے)

عقل در پیچاکِ اسباب و علل
عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
(عقل سبب و علّت کی زلفوں کی اسیر ہے (جبکہ) عشق میدانِ عمل کا
مردِ میدان ہے)

عشق صید از زورِ بازو افگند
عقل مکّار است و دامے می زند
(عشق زور بازو سے شکار کو گراتا ہے جبکہ عقل مکّار ہے اور
جال بچھاتی ہے)

عقل را سرمایہ از بیم وشک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است
(عقل کی دولت خوف اور شک ہے جبکہ عشق یقینِ محکم اور پختہ عزم کا نام ہے)

آں کند تعمیر تا ویراں کند ایں
کند ویراں کہ آباداں کند
(عقل تعمیر کرتی ہے لیکن مقصود کسی کی بربادی ہوتا ہے جبکہ عشق آباد کرنے کی خاطر ویران کرتا ہے)

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہاے او گراں
(عقل ہوا کی طرح دنیا میں کم قیمت ہے جبکہ عشق کمیاب اور گراں بہا ہے)

عشق محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند
(عقل کی بنیاد کیوں اور کتنے پر قائم ہے جبکہ عشق چون و چند سے آزاد ہے)

عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن
(عقل کہتی ہے کہ ہر جگہ اپنے کو پیش کرو جبکہ عشق کہتا ہے کہ پہلے اپنا امتحان لے لو)

عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است وبا خود درحساب
(عقل امورِ نامعلوم کو ذاتی کوشش سے معلوم کرنے کا نام ہے جبکہ عشق فضل خدا سے اپنا احتساب خود کرتا ہے)

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو
(عقل راحت، آرام اور آبادی طلب ہے عشق کہتا ہے اللہ کا بندہ بنو اور آزاد ہو جاؤ)

عشق را آرامِ جاں حریت است
ناقہ اش را سارباں حریت است
(عشق کے لیے حریت ہی آرامِ جاں ہے اور حریت ہی اس کی سواری کی ساربان ہے)

آں شنید ستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق باعقلِ ہوس پرور چہ کرد
(کیا تُونے سنا ہے کہ حالتِ جنگ و نبرد آزمائی میں عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا کیا؟)

آں امامِ عاشقاں پُورِ بتول
سروِ آزادے زبستانِ رسولؐ
(وہ عاشقوں کا امام، وہ بتولؑ کا جگر بند جو رسالتمآبؐ کے باغِ حیات کا سرو آزاد ہے)

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیِ ذبحِ عظیم☆ آمد پسر
(اللہ اللہ والد بسم اللہ کی ب کا نقطہ ہے اور بیٹا خود آیۂ ذبحِ عظیم کی حقیقت و تفسیر ہے)

☆ وَ فَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیت ۱۰۷)

بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلینؐ نعم الجمل

(امتوں میں بہترین امت کے اس شہزادے کے لیے رسالتمآبؐ کا دوش بہترین اونٹ بن گیا)

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او
شوخئ ایں مصرع از مضمونِ او

(اس کے خون سے عشقِ غیور سرخ رُو ہے اور اس کے مضمون سے اس مصرع کی رنگینی ہے)

درمیانِ امّت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

(اس کا مقام و مرتبہ اس امّت کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا قرآن مجید میں قل ھو اللہ)

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوّت از حیات آید پدید

(یادرکھو) موسیٰؑ و فرعون اور شبیرؑ و یزید، حق و باطل کی دو ایسی قوتیں ہیں جو ابتداء سے متواتر چلی آرہی ہیں)

(اورہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا)

زندہ حق از قوّتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

(آج جو حق زندہ ہے وہ قوتِ حسینیؑ سے زندہ ہے، باطل کو تو آخر کار داغِ حسرت لے کر مر جانا ہے)

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حرّیت را زہر اندر کام ریخت

(جب خلافت نے اپنا رشتہ قرآن سے توڑ لیا (تو گویا) حرّیت و آزادی کے حلق میں (غلامی) کا زہر انڈیل دیا)

خاست آں سرِجلوۂ خیر الامم
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم

(تو وہ سردارِ خیرالامم اٹھا سحاب قبلہ کی طرح جس میں بارانِ رحمت ہوتی ہے)

بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

(کربلا کی زمین پر اپنے لہو کے پھول کھلا کے چلا گیا)

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

(اس نے) قیامت تک کے لیے ظلم وستم کی جڑیں کاٹ دیں اور اس کے لہو کی موج نے چمن پیدا کردیئے)

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہٰ[☆] گردیدہ است

(حق کی بقا کی خاطر اس نے اپنا سرکٹوا دیا اورکلمۂ طیبہ کی محکم بنیاد بن گیا)

☆ مراد کلمۂ طیبہؔ لا الٰہ الاّ اللہ محمد الرّسول اللہ ہے۔ یہاں اقبالؒ کا اشارہ اس مشہور رباعی کی طرف ہے جو خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب ہے:

شاہ است حسین باد شاہ است حسین — دین است حسین و دینِ پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دستِ یزید — حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکر دے باچنیں ساماں سفر

(اگر ان کا (امام حسینؑ کا) مقصد سلطنت و حکومت ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی کے ساتھ سفر اختیار نہ کرتے)

دشمناں چوں ریگِ صحرا لا تُعدّ
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد☆

(ان کے دشمنوں کی تعداد صحرا کے ذرّات کی طرح بے شمار تھی جبکہ انکے رفیقوں کی تعداد بہتر تھی جو یزداں کے ہم عدد ہیں)

سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(وہ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کے رازِ سربستہ تھے یعنی وہ اس اجمال کی تفصیل تھے)

عزمِ اُو چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیرد کامگار

(ان کا عزم و حوصلہ پہاڑوں کی طرح مضبوط، پائیدار، تیز رفتار اور کامیاب تھا)

تیغ بہر عزّتِ دین است و بس
مقصدِ اُو حفظِ آئین است و بس

(ان کی) تلوار صرف دین کی عزت کے لیے میان سے نکلی ان کا مقصد فقط دین کی حفاظت تھا)

☆''یزداں'' کے اعداد ابجد کی رو سے ''۷۲'' ہوتے ہیں،اس طرح:
ی = ۱۰، ز=۷، د= ۴، ا=۱، ن=۵۰، یزداں = ۷۲

ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

(انہوں نے بتایا کہ) مسلمان غیر اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا اور کسی فرعونِ وقت کے آگے اس کا سر نہیں جھک سکتا)

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملّتِ خوابیدہ را بیدار کرد

(ان کے خون نے ان اسرار کو کھول کر بیان کیا انہوں نے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا)

تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

(جب انھوں نے ''لا'' کی تلوار میان سے نکالی تو باطل پر کاربند لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑ لیا)

نقشِ الّا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

(انھوں نے صحرائے کربلا پر الا اللہ کا نقش ابھار دیا (گویا) ہماری نجات کا پروانہ لکھ گئے)

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

(ہم نے قرآن کے رمز کو حسینؑ سے سیکھا ہے اور اس کی گرمی سے حرارتِ ایمانی حاصل کی ہے)

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

(شام و بغداد کے شان و شوکت کے قصے اور غرناطہ کی عظمت کے افسانے
اب حافظے سے مٹ چکے)

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

(لیکن)ہمارے دل کے تارحسینؑ کی مضراب سے اب تک لرز رہے ہیں اور
ان کی تکبیر سے ہمارا ایمان آج تک تازہ ہے)

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں

(اے بادِ صبا، اے دور افتادوں کے قاصد، ہمارے آنسو حسینؑ کی پاک قبر
پر پہنچا دے) (علامہ اقبالؒ)

اظہارِ تشکّر

بندۂ ناچیز کی یہ نویں تصنیف ہے جو مجھ ایسے دانش جو کے لیے جوئے شیر نکالنے سے کم نہ تھا کیونکہ میری عملی زندگی کا بیشتر حصہ صنعت و تجارت میں گزرا۔ ۱۹۹۲ء میں اس خاردار میدان میں داخل ہوا جب متّر کی دہائی میں داخل ہو چکا تھا۔ ایسے میں چند دانش ورانِ محترم کی کرم فرمائیوں سے منزلیں سر ہوتی رہیں اور ان شاءاللہ تعالیٰ ہوتی رہیں گی۔ میں ان تمام حضرات کا ممنون و متشکّر ہوں۔

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر سیّد علی رضا نقوی صاحب ابتداء ہی سے میرا حوصلہ بڑھاتے اور اعانت فرماتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خواہ پاکستان (اسلام آباد) میں ہوں یا کینیڈا، امریکہ یا کہیں اور لیکن دل سے ہمیشہ قریب رہے:

من بظاہر گرچہ دور از گلشنِ کوئے توم
ہر کجا باشم، بجان و دل خریدار توم

ڈاکٹر شکیل نوازش رضا صاحب سے ادبی تعلق میرے پہلے سفرنامہ 'کوہِ قاف کے اِس پار' (۱۹۹۲ء) سے ہوا اور اب تک قائم ہے۔ ان کی نوازشیں اضافہ کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔

محترم حسین انجم صاحب نہ صرف میرے ادبی مشیر ہیں بلکہ میری

ساری کتابوں کو صوری اور معنوی لحاظ سے خوب سے خوب تر کرتے ہیں ، خود بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر اور ادیب ہیں اور ماہنامہ ' طلوعِ افکار ' کے مدیرِ اعلیٰ بھی۔

میں اپنے کارکنانِ ادارہ محمد یوسف اور امیر عباؔس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی خدمات کی قدر کرتا ہوں۔

میں ایک بار پھر تمام حضرات کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری اعانت فرمائی:

یہ احترامِ روایت تو کم نہیں ہوگا
ہمارے خون میں شامل ہے ، کیا کیا جائے

اب آخر میں ان تمام اہلِ دانش و بینش اور صاحبانِ قلم کے لیے جو مالکِ حقیقی سے جا ملے ہیں ، جن کے اسمائے گرامی اس کتاب میں جگہ جگہ مندرج ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے ، عالمِ برزخ میں امن و سکون اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے ، آمین یا الٰہ العالمین۔

احقر العباد
سیّد علی اکبر رضوی عفی عنہ

حصۂ تصاویر
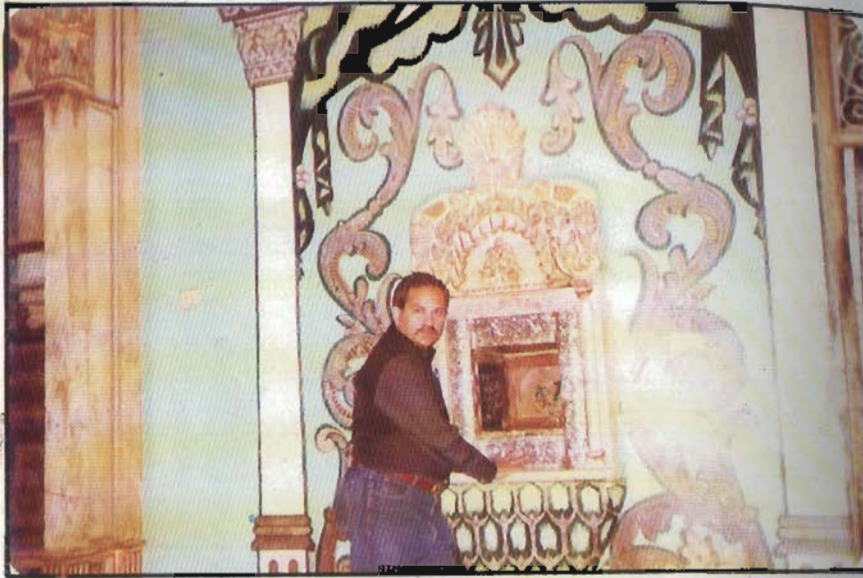
قید خانہ کا وہ طاق جہاں امام حسینؑ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا۔

وہ خون آلود پتھر جس پر امام حسینؑ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا۔

امام حسینؑ کے سر مبارک کا مقامِ مقدس۔
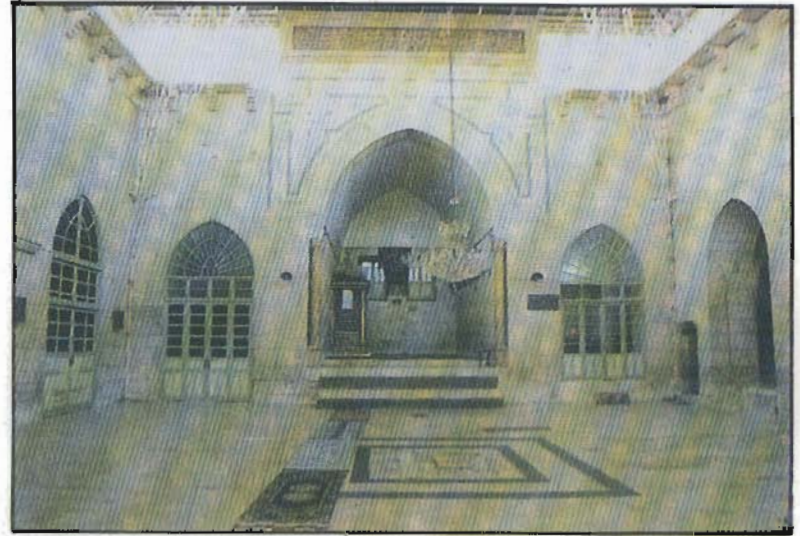
بہ روایتے وہ مقام جہاں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک دفن ہے۔
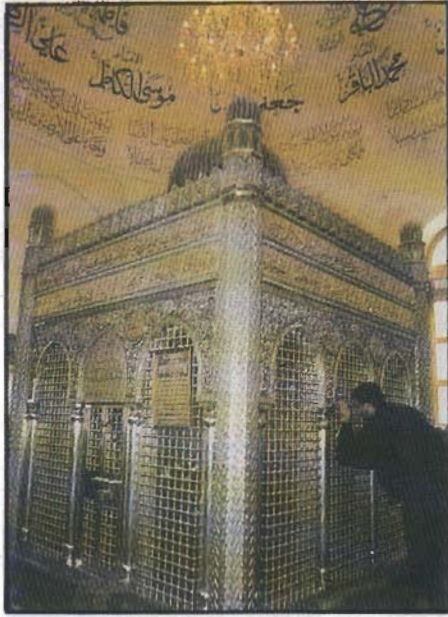
شہدائے کربلا کے سرہائے مبارک جہاں دفن ہیں وہاں استادہ چاندی کی ضریح کا منظر۔
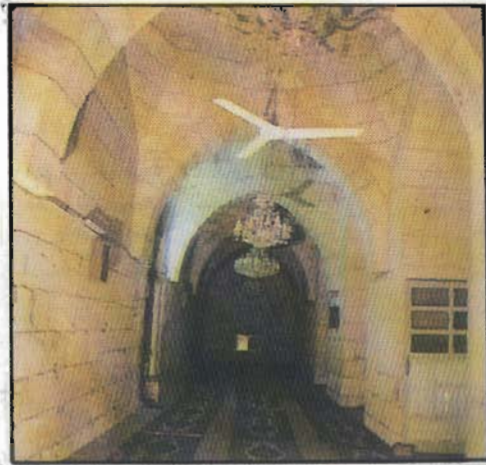
مصلائے امام حسینؑ کا اندرونی منظر۔

مسجد حسینی، قاہرہ کی دیوار کا وہ حصہ جہاں امام حسینؑ کے متعلق رسول اللہ کی ایک مشہور حدیث درج ہے۔

مسجد حسینی، قاہرہ کا بیرونی منظر۔
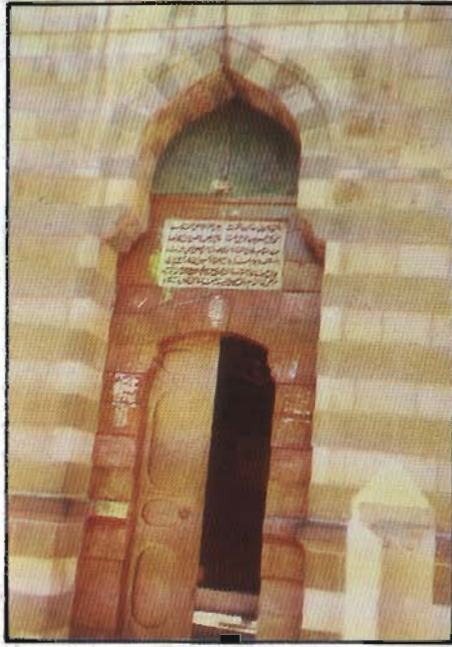
اس عمارت کا صدر دروازہ جہاں سولہ (۱۶) شہیدوں کے سر دفن ہیں۔
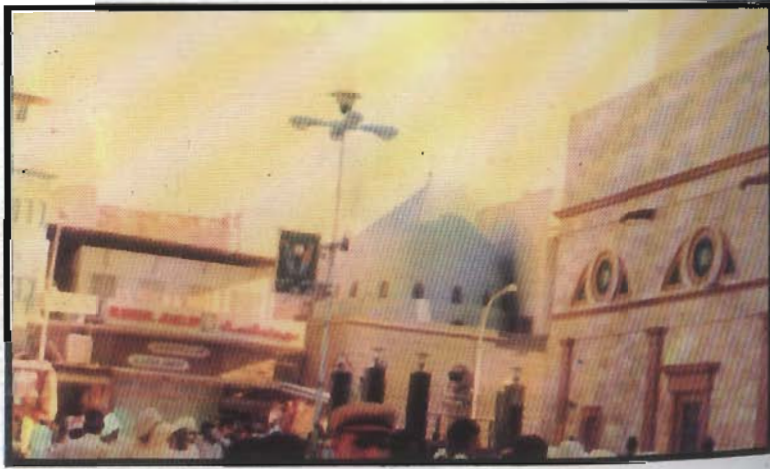
حسینؑ سے منسوب سرئی گنبد والا کمرہ جو روضۂ رسولؐ کے سامنے تھا۔ اب یہ مسمار کر دیا گیا ہے۔

جنت البقیع کا قبرستان (مدینۂ منورہ) جب مقبرے موجود تھے۔ (قبلِ انہدام)

جنت البقیع - بعد انہدام
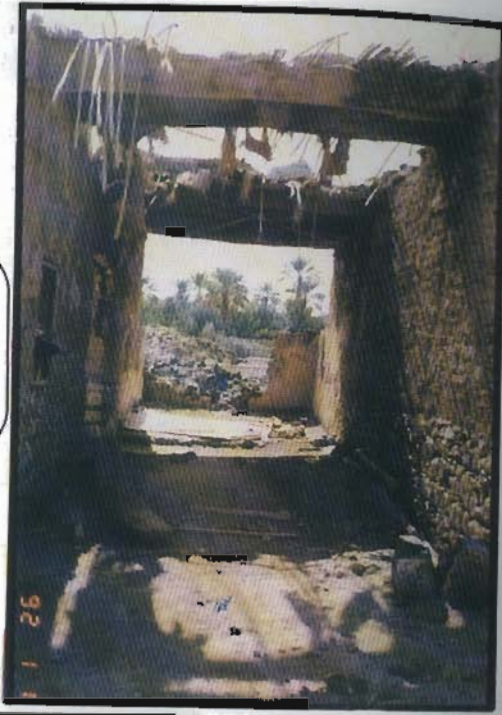
بیت الشرف (مدینۂ منورہ): واقعۂ کربلا کے بعد
حضرتِ امام زین العابدینؑ تاحیات
یہاں عبادتِ خدا فرماتے اور
مصائبِ آلِ محمدؐ بیان کرتے رہے۔
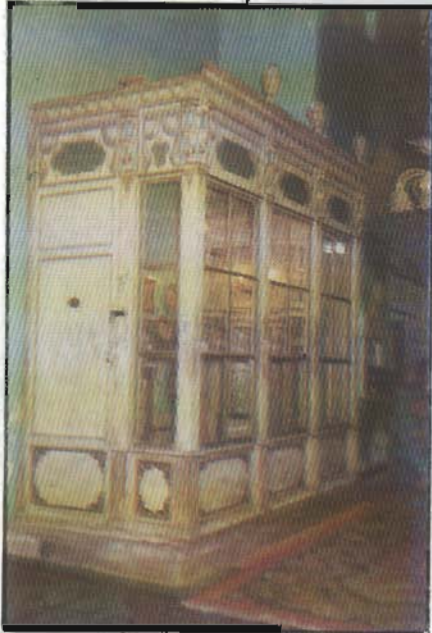
قید خانہ کا وہ مقام جہاں امامِ زین العابدینؑ
عبادت کرتے تھے۔

مقامِ امام زین العابدینؑ جو شہر حماہ میں پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔
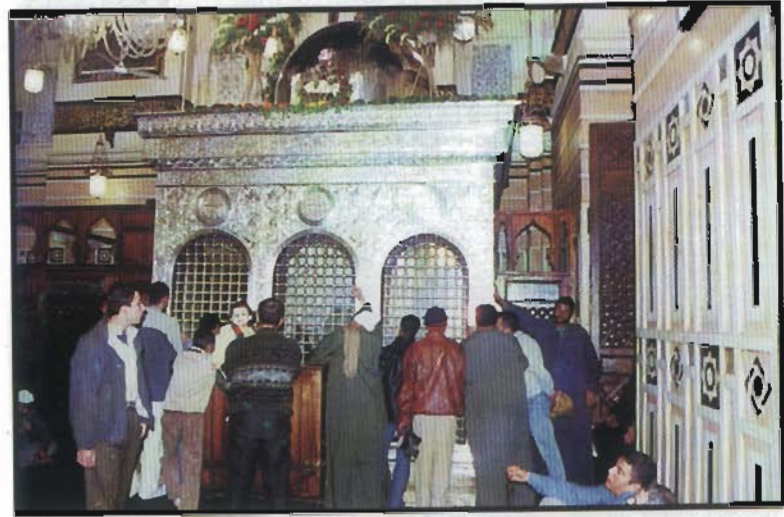
قبرِ مطہر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا مصر (قاہرہ) تصویر بشکریہ جناب نعمان حسن۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الاّ اللّٰہ واللّٰہ اکبر. ولاحول
ولاقوّۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم ۔

حرفِ آغاز

اے کارساز قبلۂ حاجات و کارہا
آغاز کردہ ام تو رسائی بہ انتہا

(اے کاموں کے بنانے والے ، (اے) حاجتوں کو پورا کرنے والے
میں نے کام کی ابتداء کر دی ہے تو اس کو انتہاء تک پہنچا)

کائنات کب خلق ہوئی ، صرف خالقِ کائنات جانتا ہے۔ موجودہ دور کے سائنس دان اربوں اور کھربوں سال کی بات کرتے ہیں لیکن یقینی بات وہ بھی نہیں کرتے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات خلق نہ کی ہوتی تو وہ خود ہوتا اور کچھ نہ ہوتا:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا ، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

تو پھر پہچانا کیسے جاتا ! کیوں ، کب اور کیسے پر بحث یہاں مقصود نہیں اس کے لئے "تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک" کا ابتدائی حصہ مطالعہ فرمایئے۔

جب خالقِ کائنات نے اپنے کو پہچنوانا چاہا تو سب سے پہلے "نور" پیدا کیا جسے ہم "نورِ ازل" کہتے ہیں۔ نبیؑ آخرالزماں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: " اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی " (حدیثِ قدسی)[1]

کہ خلقتِ نور ہو چکی تھی وجودِ کون و مکاں سے پہلے

علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں:

نے ابتداء کوئی ، نہ کوئی انتہاء تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیاء تری

انبیاءؑ تشریف لاتے رہے (ابتداء حضرتِ آدمؑ سے ہوئی) ، خالقِ کائنات کا ذکر فرماتے رہے اور اس کی تعلیمات پھیلاتے رہے۔ آخر وہ وقت آ پہنچا کہ نورِ ازل کا ظہور ہو[2] کہ وہی منتہائے نبوّت و رسالتؐ ہے اور اسی کے ساتھ دینِ اسلام کامل و اکمل ہو جاتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

(سورۃ المائدہ ۵ ، آیت ۳)

(آج میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمھارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا آخری حج ، ۱۱ ہجری ، غدیرِ خم کا میدان ، ذی الحجہ کی ۱۸ مبارک تاریخ تھی جبکہ مندرجۂ بالا آیت کا نزول

---

(۱) تفصیل کے لیے "تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک" از سیّد علی اکبر رضوی ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدہ ای
ہرچند کہ آخر بظہور آمدہ ای

(ہرچند کہ آپؐ آخر میں عالمِ ظہور میں آئے (مگر اصلاً) آپؐ تمام غیور شاہوں (مراد رسولوںؑ) سے پہلے عالمِ وجود میں آ چکے تھے)

ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد نہ تو کوئی نبیؑ آئے گا اور نہ رسولؑ ، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النّبیین ہیں[1]۔ ہاں ، کچھ ولی و امام جو خاندانِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں پیدا ہوتے رہے ہیں وہ دنیا کو اسلام کی صحیح راہ دکھاتے رہے اور دکھاتے رہیں گے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کائنات کو جابروں اور ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا[2]۔ ایسے رہبروں کی تعداد بارہ ہوگی۔ آخری امام کا نام حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نامِ نامی پر محمد المہدیؑ ہوگا[3]۔

یاد رہے کہ ظلمت کے ساتھ نور ، رات کے ساتھ دن اور کفر کے ساتھ اسلام چلا آ رہا ہے۔

جہاں فرعون ہے ، وہیں موسیٰؑ ہیں۔ جہاں ابوجہل اور ابولہب ہیں ، وہیں ان سب کی سرکوبی کے لئے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ جہاں یزید ہے وہیں حسینؑ ہیں۔

---

(۱) اے ختمِ رسلؐ ، قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ای ، از راہِ دور آمدہ ای

(اے سلسلۂ نبوّت کے خاتم ، آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے آخر میں آنے کا یہ سبب مجھ کو معلوم ہوا کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دور دراز کی راہ سے آئے اس لئے دیر سے تشریف لائے)

(۲) وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔

(سورۃ الانبیاء ۲۱ ، آیت ۷۳)

(ہم نے ہی انھیں ائمہ قرار دیا۔ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے اُن پر افعالِ خیر انجام دینے ، نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کو وحی کیا ، اور وہ صرف ہماری ہی عبادت کرنے والے ہیں)

(۳) حوالہ کے لئے صحاحِ ستہ ملاحظہ فرمایئے۔ ○ صحیح ترمذی ج ۲ ، ص ۸۶ ○ سنن ابنِ ماجہ جلد ۹ ص ۷۴/ ۷۵ ○ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۷ ○ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ، ص ۳۷۶ ، ج ۳ ص ۶۳ ○ مستدرک جلد ۴ ، ص ۵۵۷ ○ المعجم طبرانی ص ۱۷۲ ○ صواعقِ محرقہ ابنِ حجر العسقلانی جلد ۹ ، ص ۱۴۴ ○ فتح الباری ابنِ حجر العسقلانی ○ جلد ۷ ، ص ۳۰۵ ○ شرح المواحب اللدنیہ الزرقانی ، جلد ۵ ، ص ۳۴۸ ○ اللآلی ص ۳۶۳ ، ۴۹۷ ○ الحاوی السیوطی جلد ۲ ، ص ۱۶۵۔

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

(علامہ اقبالؒ)

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے اور اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد آخر مقصد اور تصوّرِ اسلام کو کون بزرگ حضرات پورا کرتے رہے اور ہمیں راہِ راست دکھاتے رہے اور وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے اسلام اور حکومتِ الٰہیہ کی دھجیاں اڑائیں، اسلام کا نام لیتے رہے اور اسلام کو برباد کرتے رہے اور خود کو خلیفۃ المسلمین کہلاتے رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھول گئے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَۃِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

(سورۃ البقرہ۲، آیت۳۰)

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا جب کہ ہم تیری حمد و ثناء اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔)

خلیفہ وہی ہوتا ہے جو منشائے الٰہی کو پورا کرے، نائب وہی ہوتا ہے جو نیابت کا حق ادا کرے۔ بے وجہ اور بے سبب درخت کی ایک پتّی بھی نہ توڑے، پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ کرے۔ خاک کا ایک ذرّہ بھی برباد نہ کرے لیکن، اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو تو وہ سب کچھ کرے

جس کا حکم ہے:

؎ بے حکمِ شرع آب خوردن خطا است
وگر خوں بفتوٰی بریزی روا است

(خلافِ شرع پانی پینا حرام ہے اور فتویٰ ہو تو قتل کرنا درست ہے)

خاتم النّبیینؐ نے ہمیں تعلیماتِ اسلام سے آگاہ کیا اور درست راستے پر چلنے کے طریقے بتائے، مسلمان اس راہ پر رواں دواں ہوئے لیکن ابھی تیس سال مشکل سے گزرے تھے کہ انقلابِ عظیم آیا۔ اسلام کے دعویدار[1] ابوسفیان کا پسرزادہ تختنشین ہوا اور کہنے لگا۔

"نہ تو کوئی وحی آئی اور نہ خبر، بنوہاشم نے اقتدار کے لئے کھیل کھیلا تھا"[2] تو نبیؐ کا نواسہ علیؑ کا بیٹا حسینؑ سامنے آتا ہے اور فرماتا ہے:

''ہم رہیں یا نہ رہیں اسلام رہے گا اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے''۔ (تفصیل اگلے صفحات میں پڑھیے۔)

امیرِ شام معاویہ ابنِ ابی سفیان ۴۱ھ میں از خود خلیفہ بن بیٹھے اور سنّتِ الٰہیہ کو پامال کیا۔ ستم بالائے ستم مرنے سے پہلے ۶۰ھ مطابق ۶۸۱ء میں اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا گویا سانپ کو دودھ پلایا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال نے ایک فرد کے اسوۂ حسنہ سے مقصدِ زندگی کا اصل درس

(۱) علامہ اقبالؒ نے فرمایا:
زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
ایسے ہی لوگوں کے لئے (سورہ الحجرات۴۹، آیت ۱۴) نازل ہوئی۔
(۲) یزید کے اشعار اور ترجمہ اگلے صفحات پر لکھے گئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں۔

پیش کر دیا۔ وہ فردِ فرید نبیؐ کا نواسہ حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ چنانچہ یہ کتاب انہیں کے حالات پر مشتمل ہے۔امامؑ عالی مقام کے حالاتِ زندگی ''ولادت سے شہادت تک'' تسلسل لیکن اختصار سے لکھے گئے ہیں تاکہ قارئین کو تمام واقعات یکجا مل جائیں۔ جگہ جگہ ان کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں جن سے استفادہ کیا گیاہے لیکن عبارت نقل کرنے کے بجائے مطالب سلیس اور رواں زبان میں لکھے ہیں تاکہ قارئینِ کرام کاذوقِ مطالعہ مجروح نہ ہو۔

ختمی مرتبت حضرت محمدصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سوانحِ حیات ''تاریخِ اسلام حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک''میں لکھی جا چکی ہے ، ساتھ ہی ساتھ علیؑ مرتضٰی ، عم زاد و دامادِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حالاتِ زندگی وصالِ نبی اکرمؐ تک اُسی کتاب میں مرقوم ہیں۔ ان ذواتِ مقدسہ کا ذکر یہاں مقصود نہیں بلکہ علیؑ و فاطمہؑ کے نورِ نظر جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہمیشہ اپنا فرزند کہا اور نواسہ کہہ کرنہیں بلکہ ہمیشہ بیٹا کہہ کر پکارا یعنی شہیدِ اعظم حضرت امام حسین علیہ السّلام کے حالاتِ زندگی لکھے جارہے ہیں۔

حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ جزوِ جانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ہیں۔ ان کا جزوِ جانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالٰی فرماتاہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَآءَ كُمْ
وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰذِبِيْنَ.

(سورۂ آلِ عمران ۳،آیت ۶۱)
(میرے حبیب! نجران کے پادریوں سے)فرمادیجئے کہ ہم اورتم بلائیں اپنے بیٹوں کواوراپنی عورتوں کواوراپنے جانوں کوپھرمباہلہ کریں اورجھوٹوں پرلعنت کریں)۔

حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مباہلہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں توعلیؑ ہیں حسنؑ اورحسینؑ ہیں اور خاتونِ جنّت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں یعنی یہی حضورؐ کا خاندان ہے۔آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

ھٰذان ابنائی وابناابنتی اَللّٰھم اِنّی احبّھما فاحبّھما واحب من یحبّھما(۱)

(یہ دونوں میرے اورمیری بیٹی کے بیٹے ہیں۔اے اللہ! میں ان کومحبوب رکھتا ہوں تُو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جوان کومحبوب رکھے)۔

ان الحسن والحسین ھماریحانتای من الدّنیا(۲)

(بے شک حسنؑ اورحسینؑ دنیامیں میرے دو پھول ہیں)

کتاب کے اگلے صفحات پر چند آیاتِ قرآنی لکھی گئی ہیں جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حضرات اسلام کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں ان کے نزدیک دنیاوی نقصانات اور ذہنی و جسمانی تکالیف کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ، وہ ہرحال میں راضی بہ رضا رہتے ہیں اور تمام تکالیف و نقصانات کو اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے خوشی اور صبروشکرکے ساتھ قبول کرتے رہتے ہیں۔ان کے ذہنوں میں اللہ تعالٰی کایہ فرمان رہتاہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ
لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

(سورۃ العنکبوت،۲۹، آیت ۶۹)
(جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا انہیں ہم اپنی راہوں پر لگاتے ہیں، اوریقیناً اللہ اچھے کرداروالوں کے ساتھ ہے)۔

(۱) ترمذی ، ابواب المناقب۔
(۲) مشکوۃ المصابیح، ابواب المناقب۔

علاّمہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(جنہوں نے راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کیں انہیں فنا نہیں، وہ
ہر دور میں زندہ ہیں)

حضرت امام حسینؑ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دل و جان سے عزیز تھے کہ آپ اور بنو ہاشم کی قربانیاں اسلامی تعلیمات کو بچانے والی تھیں لیکن بنواميّہ نے ان پر اس قدر ظلم ڈھائے کہ ان کو پڑھ کر، سن کر اور سوچ کر آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جائیں تو گھبرایئے نہیں، یہ نیک دل انسان کی پہچان ہے۔ رونا اور ہنسنا فطرتِ انسانی ہے:

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى
(سورۃ النجم ۵۳، آیت ۴۳)

(اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا ہے)

حکماء طب کا بیان ہے کہ آنکھوں کی بہت سی بیماریاں آنسوؤں کے بہنے سے از خود ٹھیک ہوجاتی ہیں۔☆

میں نے شہیدِ کربلا امامؑ عالی مقام کے حالاتِ زندگی اختصار لیکن تسلسل سے لکھنے کی سعی کی ہے تاکہ قارئین کم سے کم وقت میں تمام اہم

☆کتاب الاغانی جلد ۱۳، ص ۶۷، ۶۸ اور کتاب الکامل للمبرد جلد ۲، ص ۲۷۶۔ ماخوذ از موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ، علامہ شبلی نعمانی، ص ۷۔ دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

واقعات سے واقف ہوجائیں اوران کے اذہان کے کمپیوٹر ڈسک میں محفوظ ہو جائیں اور وقتِ ضرورت آنکھوں کے سامنے پھرتے رہیں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

یاد رہے شہید بظاہر مرتا ہے لیکن حقیقتاً ابدی زندگی حاصل کرتا ہے۔ رونا اس بات پر نہیں آتا کہ آلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کربلا میں شہید ہوئے، یہ مرتبہ تو نہایت خوش نصیبوں کو ملتا ہے، شہادت عظیم ترین سعادت ہے۔ دراصل رونا اُن مصائب پر آتا ہے جو کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ڈھائے گئے۔ مظلومین سے اظہارِ ہمدردی انسانیت کی معراج ہے اور آنسو بہانا ایک فطری امر ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ اسلام کے دعویداروں نے تمام ظلم و ستم حرص و ہوا اور دنیوی مفاد میں کیے۔

جب کوئی غیر مسلم کہتا ہے کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اہلِ بیتؑ پر خود مسلمانوں نے ازحد ظلم و ستم ڈھائے تو ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں کیونکہ یہ سچ ہے کہ ظلم ڈھانے والے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے رہے۔

ان ابتدائی گزارشات کے ساتھ قارئینِ کرام سے مستدعی ہوں کہ واقعات کو موجودہ زمانہ کے تناظر میں پڑھیں اور غور و فکر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا اور سربسجود ہوں کہ میری رہنمائی فرمائے اور میری لغزشوں سے صرفِ نظر فرمائے۔ آمین یاالٰہ العالمین۔

وَهُوَالَّذِیْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَه.

(سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۸)

(اور وہ ایسا خدا ہے کہ جب لوگ ناامید ہوجاتے ہیں تو وہ مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے)

میں لکھنا چاہتا ہوں ، مجھ کو رہنمائی دے
مرے خدا ، مجھے تھوڑی سی روشنائی دے

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰه (سورۂ ہود ۱۱ ، آیت ۸۸)۔

احقر العباد
سیّد علی اکبر رضوی عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

(سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۶۹)

(اور انھیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے (تم اپنے خیال و گمان میں) ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں ، اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

(سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۵۴)

(اور جواللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو (وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی حیات کا شعور نہیں)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِالصّٰبِرِيْنَ. اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۵۵ ، ۱۵۶)

(اور ضرور بالضرور ہم تمھیں آزمائیں گے خوف و دہشت ، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو اُن کا قول یہ ہو کہ بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ.

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۰۷)

(اور آدمیوں ہی میں سے وہ بھی ہے جو اپنی جان بیچ ڈالتا ہے (قربان کردیتا ہے) اللہ کی مرضی کی طلب میں، اوراللہ بندوں پر بڑا شفیق ہے)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

(سورۃ البقرہ ۲،آیت ۲۱۸)

(بلا شبہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ.

(سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۷۸)

(اور یہ کافر ایسا نہ سمجھیں کہ ہم جو ان کی رسی دراز رکھتے ہیں یہ اُن کے لئے کوئی اچھی بات ہے، ہم تو صرف اس لئے ان کی رسی دراز رکھتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ.

(سورۃ الروم ۳۰، آیت ۱۰)

(پھر جنہوں نے بُرائی کی تھی ان کا انجام بھی بُرا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ. وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ.

(سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۸۲،۱۸۳)

(اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انہیں ہم آہستہ آہستہ گرفت میں لیں گے اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، یقیناً میرا منصوبہ بڑا مضبوط ہوتا ہے)

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ.

(سورۃ آل عمران ۳، آیت ۶۱)

(اب جو اس بارے میں آپ سے کٹ حجتی کرے، اس کے بعد کہ یہ علمی دلائل آپ کے پاس آگئے تو کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو پھر التجا کریں اور اللہ کی لعنت قرار دیں جھوٹوں پر)

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

(سورۃ الانفال ۸،آیت ۴۱)

(اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز بھی تم بطور غنیمت حاصل کرو تو بلاشبہ اُس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہوگا اور پیغمبر کے لئے اور صاحبانِ قرابت اور یتیموں اور غریبوں اور اس کے لئے جو سفر کی راہ میں ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور اس پیغام پر جو ہم نے اتارا اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن، اس دن جب دونوں جمعیتوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا

(سورۃ الدہر ۷۶، آیت ۸، ۹)

(اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت کے ساتھ ساتھ غریب محتاج اور یتیم اور جنگ کے قیدی کو۔ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ)

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ.

(سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)

(یعنی کہہ دو اے نبیؐ! میں بجز اپنے اقرباء کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا)

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

(سورۃ الاحزاب ۳۳ ،آیت ۳۳)

(اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر ناپاکی کو دور رکھے
اے اہلِ بیت! اور تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے)

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرْ.

(سورۃ الکوثر ۱۰۸)

(ہم نے تو آپ کو کوثر (کثرتِ نسل) عطا کی ہے تو آپؐ اپنے پروردگار
کے لئے نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے ، یقیناً آپ کا دشمن
ہی بے اولاد ہوگا)

اس ضمن میں اور بھی آیات لکھی جا سکتی ہیں لیکن اختصار کے مدِ نظر انہیں آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیاتِ بیّنات کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ، اہلِ بیتؑ اور حادثۂ کربلا سے ہے۔ جس کا مظاہرہ شہداء نے کربلا کے جلتے تپتے میدان میں کیا اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ خواتین ، بچّوں اور بچّیوں نے بے پناہ مصائب کا مقابلہ کیا۔ تمام تر مصائب اور تکالیف کے باوجود اِن کے پائے استقلال میں لرزش پیدا نہیں ہوئی اور ہر طرح کے مصائب کو خوشنودیٔ خدا کے لئے برضا و رغبت قبول فرمایا۔ ان کا مقصد اسلام کو بچانا تھا۔

خیر و شر کی جنگ اُس وقت فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئی جب اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی سلطنت میں آغوشِ ملوکیت کا پروردہ یزید ابنِ معاویہ بن ابی سفیان تخت نشین ہوا۔اس وقت دینِ اسلام کے حقیقی وارث حسینؑ ابن علیؑ نے اللہ کے دین کو ملوکیت کے گود میں پلنے والے (ڈکٹیٹر) آمر یزید کی قید سے آزاد کرانے اور ملوکیت سے ٹکرانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور بے خطر میدانِ عمل میں کود پڑے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
(اقبالؒ)

یزید کے پاس لشکر تھا ، بائیس ریاستوں کی حکومت تھی (اس کی حکومت کی سرحدیں سندھ تک پہنچ چکی تھیں) ، باپ کا چھوڑا ہوا خزانہ تھا ، اختیارات تھے ، تلواریں تھیں اور سب سے بڑا ہتھیار جھوٹ اور پروپیگنڈہ تھا۔ دوسری جانب حسینؑ ابن علیؑ کے پاس شریعت تھی ، دین تھا ، تقویٰ تھا ، امامت تھی ، نیک انسانوں کو مسخر کرنے والی نگاہ تھی ، یار و انصار ، عزیز و اقارب کی عقیدت تھی اور سب سے بڑھ کر "دولتِ حق" تھی۔ حسینؑ حق کے نمائندہ تھے جبکہ یزید باطل کا ترجمان تھا۔ حسینؑ صبرِ مسلسل کی تصویر تھے اور یزید ظلم کا مجسمہ تھا۔ یزید کو تمام ریاستوں نے طوعاً و کرہاً ولی عہد تسلیم کر لیا تھا لیکن نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تائید کے بغیر اسلامی ریاست کا تصوّر بعید از قیاس تھا اس لئے یزید نے حسینؑ ابن علیؑ سے اپنی حکومت کی تائید حاصل کرنا چاہی جسے "بیعت" کہتے ہیں مگر حسینؑ ابن علیؑ جن کی رگوں میں علیؑ کا خون اور سیّدہ فاطمہ زہراؑ کا شیرِ مقدّس رواں دواں تھا جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور جس کا ضمیر نورِ ایزدی جس کا ارادہ اللہ کا ارادہ ، جس کا لباس تقویٰ ، جس کی تطہیر ردائے فاطمہؑ ، جس کا شعور چراغِ منزلِ توحید اور جس کی معرفت ادراکِ مقامِ نبوّت تھی ، وہ ذاتِ والا صفات فاسق و فاجر اور عیّاش حاکم کی بیعت کیسے کر سکتا تھا ! حضرت امام حسینؑ نے اپنی ، اپنے خاندان اور اپنے اصحاب کی قربانی دے کر اسلام کو بچایا اور قضاء و

قدر کے عمل کو منتہا تک پہنچایا:

کارے کہ حسینؑ اختیارے کر دی
در گلشنِ مصطفےٰؐ بہارے کر دی
از ہیچ پیمبرے نہ آید ایں کار
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کر دی☆

جس مقصد کے لئے حضرت امام حسینؑ نے قیام فرمایا تھا وہ پورا کیا اور دنیا کو دکھا دیا کہ راہِ حق پر چلنے والے کس طرح قربانیاں دیتے ہیں۔ آج کسی قوم یا ملک میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ حضرت امام حسینؑ نے دنیا کے ہر فرقہ، ہر مذہب کو راہِ حق پر مرنا سکھایا۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت اس نکتہ کو ثابت کرتی ہے کہ اگر ایمان پختہ ہو تو مرنا آسان ہوتا ہے اور اذیّت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ کربلا ہی کا سانحہ ہے جس نے اسلام کی تاریخ کو رنگین بنایا اور ایمان کی سب سے بڑی تبلیغ کی۔ مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ دنیا واقعۂ کربلا سے سبق حاصل کرے گی اور ایک ایسا زمانہ یقیناً آ جائے گا جب ''حسینیت'' ہی اس کرۂ ارض کا مذہب ہو گا اور دنیا سے بغض و عناد، جور و ستم، فتنہ و فساد، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔ زمانہ جوں جوں ارتقائی منازل طے کرتا جائے گا حسینیؑ تعلیمات کی مقبولیت بڑھتی جائے گی اور ہر انسان کا سر بارگاہِ حسینیؑ

☆ بعض جگہ یہ رباعی اس طرح آئی ہے:

در راہِ خدا چو سر نثارے کر دی
در گلشنِ مصطفےٰؐ بہارے کر دی
از ہیچ پیمبرے نہ آید ایں کار
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کر دی

میں جھکتا دکھائی دے گا:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ
(جوشؔ)

حضرت امام حسینؑ نے ذکرِ الٰہی کو قائم کیا اس لئے اُن کا اور اللہ کا ذکر رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ:

قربانیٔ حسینؑ خود اپنا جواب ہے
وجہِ حیاتِ دینِ رسالت مآب ہے
روشن کیا ہے دین کو مٹ کر حسینؑ نے
چمکا پسِ غروب یہ وہ آفتاب ہے

حالاتِ زندگی کی ابتداء

ولادتِ باسعادت

لی خمسة اطفی بها حرّ الوباء الحاطمة
المصطفےٰ، والمرتضےٰ، ابنا هما والفاطمة

بیدمؔ ، یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساء حسینؑ و حسنؑ مصطفےٰؐ علیؑ
(بیدمؔ وارثی)

شعبان المعظم کی تیسری تاریخ ، شنبہ کا دن تھا اور ہجرتِ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا چوتھا سال (۵رجون۶۲۶ء) اللہ تعالیٰ نے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو دوسرے نواسے،[1] علیؑ و فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دوسرے بیٹے سے نوازا اور خانۂ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رونق بخشی۔[2] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بچّے کا نام ''حسینؑ ''

---

(۱) اصولِ کافی جلد اول ، ص۳۹۴ ، ارشاد ،شیخ مفید ، ص۲۰۹ ، روضۃ الواعظین نیشاپوری ، ص ۱۸۴۔
(پہلے نواسے کی ولادت ۱۴ رمضان المبارک (منجھلا روزہ) ۳ھ مطابق ۶۲۴ء میں ہوئی تھی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نام '' حسنؑ '' رکھا تھا۔ اس نعمتِ غیر مترقبہ سے مدینہ کے گھر گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی)۔

(۲) الحسینؑ بن علیؑ ابنِ ابی طالب بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیٰ القرشی الہاشمی۔
(دائرۂ معارفِ اسلامیہ ، دانش گاہِ پنجاب ، لاہور)

رکھا اور دائیں کان میں اذان ، بائیں کان میں اقامت کہی ، اپنے لعابِ دہن کی پہلی غذا مرحمت فرمائی۔ ایک مینڈھے کی قربانی سے ساتویں دن عقیقہ کیا اور بال اتروائے۔ ہم وزن چاندی صدقہ کی۔[۱] اس بچّہ کی ولادت سے خانۂ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور علیؑ و فاطمہ سلام اللہ علیہا کی رونق دوبالا ہوئی۔

اس بچّے کی ولادت کے ساتھ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا گھر دو بچّوں کی پرورش گاہ بنا یعنی حسنؑ اور حسینؑ۔[۲] ان بچّوں کی رگوں میں نانا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ، نانی خدیجۃ الکبریٰؑ ، بابا علی مرتضےٰؑ اور والدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا خون دوڑ رہا تھا۔ حضرت امام حسینؑ کی پاکیزگیٔ ذات و صفات کے لئے رسول اللہؐ کا یہ فرمان کتبِ حدیث میں آیا ہے :

حسینٌ منّی وانا من الحسینؑ.

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دوسرے موقع پر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ

(یااللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں)

قرآن کریم کے فرمان کے مطابق نواسے کو بیٹے کا مقام حاصل ہوتا ہے[۳]

(۱) ارشاد ، شیخ مفیدؒ، ص ۱۸۔ اعیان الشیعہ، ص ۱۱۱۔
(۲) مقاتل الطالبین ، ص ۵۴۔
(۳) ''فلسفۂ شہادتِ امام حسینؑ''، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری ، ص ۹۰۔

بھی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں شمار کئے جاتے ہیں یعنی حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں میں گنے گئے ہیں حالانکہ آپؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپؑ کو اپنی والدۂ ماجدہ کی نسبت سے ہی بنی اسرائیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حسنین علیہماالسلام بھی حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیاری بیٹی فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا کی نسبت سے فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہونے کا عظیم ترین شرف رکھتے ہیں۔

اس کی تائید حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ حسنؑ و حسینؑ دونوں شہزادوں کو لئے بیٹھے ہیں اور فرما رہے ہیں:

ھٰذان ابنائی و ابنا ابنتی اَللّٰھم اِنّی احبھما فاحبھما
واحب من یحبھما.

(یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔اے اللہ! میں ان کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھے) [۱]

یہ دونوں بچّے (حسنؑ و حسینؑ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے ، مشابہت نہ صرف ظاہری تھی بلکہ باطنی بھی تھی[۲]۔
حضرت حذیفہؓ کے مطابق ایک فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خوشخبری دی کہ

فاطمۃ سیدۃ النساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین
سیدا شباب اھل الجنۃ.

حضرت فاطمہؑ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ دونوں جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہیں) [۳]

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، ابواب المناقب (۲) ترمذی ، ابواب المناقب (۳) ترمذی ، ابواب المناقب۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

ان الحسن والحسین هما ریحانتای من الدنیا

(بے شک حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں)☆

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دونوں شہزادوں کی باطنی اور روحانی مشابہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک کی محبت، دوسرے کی محبت اور ایک سے بغض و عناد دوسرے سے بغض و عناد قرار دیا جاتا ہے۔ ان شہزادوں سے محبت کرنا اور ان سے بغض وعناد رکھنا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے محبت اور بغض وعناد رکھنا ہے۔

سنن ابن ماجہ (المقدمہ، فضل الحسن والحسین ابن علی ابن ابی طالب) کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے:

من احبّ الحسن والحسین فقد احبّنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی.

(جس نے حسن وحسین کو محبوب رکھا اس نے (درحقیقت) مجھے محبوب رکھا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا)۔

(نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے تھے کہ حسنؑ وحسینؑ دونوں میرے بیٹے ہیں:

من احبّهما احبّنی ومن احبّنی احبّه الله ومن احبّه الله ادخله الجنة ومن ابغضهما ابغضنی ومن ابغضنی ابغض الله ومن ابغضه الله ادخله النار

(جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے اللہ کو محبوب رکھا اللہ اس کو جنت میں داخل کریگا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا اور جس سے اللہ ناراض ہوا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا)

☆ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناقب۔

حدیثِ کساء اور اہلِ بیتِ رسولؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں تشریف لائے اور حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سب کو چادر میں لے کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِی . اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْراً.

(پروردگارا! یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں ان سے ہر قسم کے عیب و رجس کو دور رکھنا اور انہیں کما حقہٗ پاک رکھنا)

اس کے بعد درج ذیل آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً.

(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)

(اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ناپاکی کو دور رکھے اے اہلِ بیت! اور اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے)

یہ واقعہ حدیثِ کساء کے نام سے مشہور ہے۔ اسی واقعہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو اصحابِ کساء کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ بے شمار احادیث مختلف کتب میں موجود ہیں۔(۱)

(۱) دیکھئے الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی محمد الحسن والحسینؑ بن علیؑ وغیرہ۔

خون، دودھ، تربیت اور ماحول کا اثر

ماں کا دودھ بہت پُراثر ہوتا ہے کیونکہ خوراک کا ایک جزوِ خون اور دودھ بنتا ہے اسی لئے پاک دودھ اور پاک خوراک از حد اہم ہوتی ہے۔ صالح دودھ اور پاک ماحول سے انسان کا کردار بنتا ہے اور مستقبل سنورتا ہے۔ خون اور دودھ کی خرابی انسان کو لے ڈوبتی ہے جس کی شہادت تاریخ کے اوراق دیتے ہیں۔ کیا کہنا ان بچّوں کا جن کی رگوں میں پاکیزہ ترین خون دوڑتا پھرتا ہو اور جنھوں نے پاک ترین ماحول میں پرورش پائی ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا گھر ان کی تربیت و تعلیم گاہ رہا ہو۔

ان بچّوں کی پرورش ابتداء ہی سے اس رنگ اور ڈھنگ سے ہوئی کہ اگر کبھی اسلام پر آنچ آئے تو نہ صرف اپنے کو بلکہ پورے خاندان کو قربان کر دیں اور اسلام کو بچالیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے صلح سے ہزاروں مسلمانوں کی جان بچائی اور حضرت امام حسینؑ نے بھرے گھر کی قربانی دے کر اسلام کو ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید کر دیا:

حیاتِ جاوداں اسلام میں یوں ہی نہیں آئی
فدا کی ہیں بہت انمول جانیں آلِ عمراں نے
(مولانا ظفر علی خاں)

ان بچّوں کی آنکھوں کے سامنے تھا نانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اسوۂ حسنہ، بابا علیؑ مرتضٰی کا مجاہدہ اور تقویٰ، والدۂ گرامی کی تعلیم و تربیت تھی۔ اللہ اکبر۔ ان بچّوں پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے کہ بڑے ہو کر

ایسی قربانیاں پیش کیں جن کی مثال دنیا آج تک پیش نہ کر سکی (تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے)۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماں کی تعلیم و تربیت اور والد کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ ان حقائق کی دنیا آج بھی قائل ہے:

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
ماں کا مزاج، باپ کی عادات چھوڑ دے

بچّے (حسنؑ اور حسینؑ) کچھ بڑے ہوئے تو مسجدِ نبویؐ میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ کہانیاں سننے کے بجائے مسجد میں پانچوں وقت کی اذانیں اور نماز پنجگانہ کے بصیرت افروز مناظر، مسلمانوں کا ذوق و شوق اور جوش و خروش اور گھر میں دن رات ذکرِ الٰہی کی آوازیں اور دینی مناظر دیکھتے رہے اور اسی راہ پر چلتے رہے۔ بچّے وہی کچھ کرتے ہیں جو بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں:

اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ۔
(بچپن کی تعلیم و تربیت پتھر پر نقش کی مانند ہوتی ہے)

اللہ جلّ شانہٗ کس قدر مہربان تھا ان بچّوں پر کہ ایک طرف پاک ترین خاندان اور دوسری طرف نہایت نورانی اور روحانی ماحول نصیب ہوا جس کی سربراہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرما رہے تھے اور نیابت علیؑ مرتضٰیؑ اور گھر میں خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا ان بچّوں کی پرورش میں مشغول رہتی تھیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس وقت نہ تو ان بچّوں کو پتہ تھا اور نہ عام مسلمانوں کو کہ ''قدرت'' اِن سے کیا

کام لینے والی ہے۔ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہدایت کے تحت ایک خاص نقطۂ نگاہ سے ان کی پرورش کی گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان بچّوں نے اور ان بچّوں کے بچّوں نے وہی کچھ کیا جس کے لئے ان کو تیّار کیا گیا تھا۔

حسنؑ اور حسینؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آ لہ وسلّم کو یقیناً بہت عزیز تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو سب سے زیادہ عزیز اسلام تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے ان بچّوں کو تیّار کیا جا رہا تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو یہ افراد خود کو اسلام پر قربان کر دیں اور مقصدِ اسلام یعنی تزکیۂ نفوس اور تعلیمِ کتاب و حکمت کو عام کر دیں۔ اسلام کی خوش بختی کہ ان بچّوں نے وہی کچھ کیا جس کی ان کو تعلیم دی گئی تھی۔ تاریخ کے صفحات ان کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں جن کی کچھ جھلکیاں اگلے صفحات میں آپ کو ملیں گی۔

واقعۂ مباہلہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی میں ایک اہم واقعہ پیش آیا تھا یعنی ذی الحجہ ۱۰ھ ۶۳۱ء میں نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ ایک روحانی مقابلے کا موقع آیا جو واقعہ ''مباہلہ''[(۱)] کے نام سے مشہور ہے۔ باہم طے پایا کہ دونوں فریق یعنی مسلمان اور عیسائی، اللہ تعالیٰ سے آپس میں دعا کریں کہ جھوٹے پر عذابِ الٰہی نازل ہو۔

واقعہ یوں وقوع پذیر ہوا کہ ایک طرف عیسائیوں کے اہم ترین افراد مع بڑے پادری اسقف ہیں تو دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خاندان ہے جو پانچ افراد پر مشتمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میدانِ مباہلہ میں تشریف لے جا رہے ہیں جہاں فریقین اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں گے کہ جھوٹے پر عذابِ الٰہی نازل ہو۔ اب دیکھیے نبی آخر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ساتھ کون کون ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھ میں حسنؑ اور حسینؑ کا ہاتھ تھا، جو ابھی کمسن ہیں،

---

(۱) فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ.

(سورۃ آلِ عمران ۳، آیت ۶۱)

(اب جو اس بارے میں آپ سے کٹ حجتی کرے، اس کے بعد کہ یہ علمی دلائل آپ کے پاس آچکے تو کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو پھر التجا کریں اور اللہ کی لعنت قرار دیں جھوٹوں پر)

حضرت علی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یعنی ایک طرف صرف نبی اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا خاندان ساتھ ہے دوسری طرف عیسائیوں کے اہم ترین افراد ہیں۔ بددعا اللہ تعالیٰ سے دونوں فریق مل کر کریں گے کہ جھوٹے پر عذاب نازل ہو۔ دیکھئے کتنا سخت مرحلہ ہے لیکن کتنی آسانی سے بہ فضل خدا طے ہوجاتا ہے۔

اہلِ حق ، حقّ الیقین کی منزل پر ہیں ، پورا خاندان داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اطمینانِ قلب کے ساتھ مباہلہ کے لئے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ فریقِ مخالف کی نظر پڑتی ہے تو دیکھتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پورا خاندان لئے چلے آرہے ہیں۔ اہلِ نجران کو یقین ہو گیا کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو اپنی نبوّت اور حقّانیت پر کامل یقین نہ ہوتا تو پورا خاندان اس شان سے لئے نہ بڑھتے۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے افرادِ کارواں کے نورانی چہروں پر اہلِ نجران کی نظریں پڑیں ، معصوم چہرے نظر آئے تو ایسا مرعوب ہوئے کہ خراج دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اللہ اکبر۔ اس طرح سخت ترین اور اہم ترین مرحلہ آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔

ذہنوں میں خیال ابھرنا فطری امر ہے کہ آخر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے صرف اپنے ان ہی افرادِ خاندان کو ساتھ کیوں لیا! بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ جب کبھی اسلام پر سخت وقت آئے گا اور اسلام کی بقاء خطرے میں ہوگی تو اسی وفد کے افراد قربانیاں دے کر اسلام کو بچائیں گے۔ ان کی تربیت بھی اس رنگ اور ڈھنگ سے ہوئی تھی کہ جب کبھی اسلام کو برے وقت کا سامنا ہو تو بے خطر آگ میں کود

اور اسلام کو بچا لیں۔

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی دور رس نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو تعلیماتِ اسلام کی حفاظت کریں گے اور اسلام کا نام زندہ و تابندہ رکھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا:

اِنّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِترَتِی
مَا اِنْ تَمَسَّکتُم بِھِمَا لَنْ تَضِلّوْا بَعدی.

(میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان سے تمسک رکھوگے گمراہی سے محفوظ رہوگے۔ ان میں ایک قرآن مجید، دوسرے میرے اہلِ بیتؑ ہیں) (۱)

یہ بھی فرمایا:

"میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو روگرواں ہوا وہ دریائے ہلاکت میں غرق ہوا"۔ (۲)

یعنی جو ان کی تعلیمات پر عمل کرتا رہا کامیاب ہوا اور جس نے روگردانی کی برباد ہوا۔ دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا:

الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنّة.
(حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں) (۳)

اور یہ بھی فرمایا:

"یہ دونوں فرزند امام ہیں خواہ کھڑے ہوں یا خواہ بیٹھے ہوں"۔ (۴)

(۱) صحیح مسلم کتاب فضائل علی ابن ابی طالبؑ ، سنن ترمذی جلد ۲ ، ص ۳۰۷ ، سنن دارمی جلد ۲ ، ص ۴۳۲ ، مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ، ص ، ۱۳۰ ، مستدرک الحاکم جلد ۳ ، ص ۱۰۹ ، ۵۳۳۔
(۲) معارف ابن قتیبہ (۳) ابن ماجہ ، ج ۲ ، ص ۳۳ (۴) "ارشاد" ص ۲۰۴۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا کہ

حسین منّی و انا من الحسین

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں) (۱)

مطلب یہ کہ میری تعلیمات اور میرا نام اور اسلام حسینؑ کی قربانیوں کے بدولت قائم و دائم رہے گا۔ افسوس کہ حسنینؑ پرلطف کرنے والے، کاندھوں پر بٹھانے والے، نظرِ عنایت رکھنے والے اور ہر طرح سے دیکھ ریکھ کرنے والے شفیق ناناؐ کے سایۂ عاطفت سے بچّے ربیع الاوّل ۱۱ھ میں محروم ہوگئے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ کا سن ساڑھے سات سال سے کچھ اوپر تھا اور حضرت امام حسنؑ ان سے ایک سال بڑے تھے۔

حضرت امام حسینؑ وصالِ نبیؐ اکرمؐ کے بعد (۱۱ھ)

ربیع الاوّل ۱۱ھ مطابق ۶۲۳ء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی آنکھ بند ہوئی ہی تھی کہ خلافت کی دوڑ شروع ہوگئی۔ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تجہیز وتکفین میں مصروف رہے۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوگئے (۲)۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا گھر سنسان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ تک یہ گھر (مسجدِ نبویؐ) دین و دنیا کے تمام مسائل کا واحد مرکز تھا، مرکز اب بھی ہے لیکن اب عموماً دنیوی مسائل تک محدود ہوگیا کیونکہ شہرِعلم کی رحلت کے بعد بابِ شہرِعلم (علیؑ مرتضیٰؑ) بھی گوشۂ تنہائی میں چلا گیا۔جب تک

(۱) ابن ماجہ، ج ۲، ص ۳۳۔

(۲) تفصیل مصنفِ ہٰذا کی تصنیف "تاریخِ اسلام کا سفر۔حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک"، ص ۵۸۵ تا ۵۹۰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بقیدِ حیات تھے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ اسی گھر میں بیشتر وقت گزارتے تھے اور دینی و دنیاوی مسائل حل ہوتے دیکھتے تھے۔

بابا علیؑ مرتضیٰؑ نے گوشۂ تنہائی اختیار کرلی لیکن پھر بھی جب کبھی جہاں کہیں خلافت نے مشورہ طلب کیا علیؑ مرتضیٰؑ کو حاضر پایا۔ حضرت علیؑ مرتضیٰؑ بابِ شہرِ علم تھے لہٰذا اپنا وقت توسیعِ علم، تدوینِ قرآن، ضرورت مندوں کی امداد اور حصولِ روزی کے ساتھ ساتھ بچّوں کی پرورش میں گزارتے تھے۔

کہتے ہیں مصائب کبھی تنہا نہیں آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا دنیا سے رخصت ہونے کا غم ہی کیا کم تھا کہ چند ماہ بعد (تقریباً تین ماہ) والدۂ گرامی خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا بھی راہیٔ ملکِ عدم ہوگئیں۔ خاتونِ جنت، جنّت سدھاری ہی تھیں کہ خاندانِ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مزید رنج وغم میں مبتلا ہوگیا۔ یوں تو گھر کے سب لوگ شریکِ کرب و غم تھے لیکن دل کہتا ہے کہ سب سے زیادہ غم حضرت زینب صلوات اللہ علیہا کو ہوا ہوگا کیونکہ واقعۂ کربلا کی تفصیل نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور والدہ گرامی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے پہلے ہی زینب صلوات اللہ علیہا کو بتا دی تھی☆۔ یہ دونوں حادثے براہِ راست اہلِ بیتؑ کے لئے انتہائی سخت اور تکلیف دہ تھے (تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے)۔

حضرت امام حسینؑ کی زندگی میں ایک موڑ

یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ شادی و غم ساتھ چلتے ہیں، تاریکیٔ شب نویدِ صبح لاتی ہے، یہی کارخانۂ قدرت کا قرینہ ہے۔ ۳۱ھ میں یزدجرد (یزدگرد) شاہِ ایران مارا گیا،

☆ تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب "نبیؐ کی نواسی، زینب صلوات اللہ علیہا" میں ملاحظہ فرمایئے۔

اس کی بیٹیاں قیدی بنا کر مدینہ بھیجی گئیں۔ خلیفہ دوم نے ان شہزادیوں کے خرید لینے کی اجازت دے دی۔ خریداروں کی نگاہیں ان شہزادیوں کی طرف اٹھیں۔ یہ کسریٰ کی ناز و نعم میں پلی ہوئی لڑکیاں تھیں جنھیں آج مصائب نے شکستہ کر دیا تھا، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت علیؑ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، شہزادیوں کی اس حالتِ زار پر آپ کا دل بھر آیا اور خلیفہ دوم سے ارشاد فرمایا ''شہزادیوں کے ساتھ دیگر لڑکیوں کا سا سلوک کرنا مناسب نہیں''۔ حضرت عمرؓ بولے ''آپ ہی ان کے بارے میں مشورہ دیجئے''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ''ان کی قیمت لگائی جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جس شخص کا چاہیں انتخاب کرلیں''۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ قیمت لگنی شروع ہوئی اور چڑھتی گئی۔ آخر کار لوگ بولی دینے سے رک گئے اور خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا ''میں ان کی قیمت ادا کر دوں گا''۔ چنانچہ آپ نے خود قیمت ادا کی جو بیت المال میں داخل کر دی گئی۔ پھر ان شہزادیوں کو حقِ انتخاب دے دیا گیا۔ ان تینوں نے قریش کے تین نوجوانوں کو منتخب کیا، یہ سب نوجوان سردار اور مردِ میدان تھے۔

(۱) ایک نے ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب کا انتخاب کیا۔

(۲) دوسری نے محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؑ کے زیرِ کفالت تھے۔

(۳) اور تیسری شرم و حیا کی پیکر، نگاہیں نیچی کئے اٹھی اور چند قدم چل کر اپنا ہاتھ اپنے بلند نصیبہ کی طرف اٹھانے لگی۔ اس نے ایک

نوجوان کے سر پر ہاتھ رکھا، جو حضرت عمرؓ و حضرت علیؑ کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ شہزادی کی طرف سے یہ اس نوجوان کا استقبال و اعزاز اور اس کا انتخاب تھا، یہ نوجوان حسینؑ بن علیؑ اور یہ شہزادی شہر بانو، یزد جرد کی بیٹی تھی۔ اس انتخاب پر حضرت علیؑ بن ابی طالب نہایت مسرور ہوئے اور آپ کا چہرۂ پرنور چمکنے لگا۔ اپنے صاحبزادے سے فرمایا ''ابو عبداللہ! مبارک ہو۔ اس کے ذریعہ روئے زمین پر سب سے بہترین اولاد کے باپ بنوگے یعنی (علی زین العابدینؑ)''۔

عقد ہوا اور شہر بانو کو حضرت امام حسینؑ اپنے ہمراہ گھر لے آئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ شہزادی کو جلد ہی محسوس ہوگیا کہ ان کی تقدیر نے یاوری کی ہے۔ اگر وہ قیدی اور راندۂ عیش و عشرت نہ بھی ہوتیں اور ان کو اپنے شریکِ زندگی کا حق دیا جاتا تو اس وقت بھی وہ اسی نوجوان کو منتخب کرتیں۔

حسینؑ اس صاحبِ رسالتؐ کا نواسہ ہے جس نے تمام دنیا کو خدائے خیر کی طرف بلایا اور اس کی والدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا☆ اسی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صاحبزادی ہیں، اگر تمام روئے زمین کی عورتوں میں دیکھا جائے تو ان جیسی مقدّس عورت نہ ملے گی۔ اس نوجوان کے والد حضرت علیؑ بن ابی طالب ہیں جنھوں نے خلیفہ کی مجلس میں ہماری قدر و منزلت میں اضافہ کیا، ایسا اضافہ جس کے سامنے آزاد و کنیز، تمام عورتوں کی عزّت ہیچ ہے۔ پھر ہم تینوں شہزادیوں کو بہترین خاوندوں کے انتخاب کا حق دے کر ہم سب پر بے انتہا احسان کیا۔

☆ مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز — از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز
(علامہ اقبالؒ)

اہلِ مدینہ شروع میں خوش تھے کہ بادشاہ کی بیٹیاں قیدی بنیں لیکن حضرت علیؑ اور ان کے فرزند حضرت حسینؑ کی فراست و دانش نے انہیں کنیزی کی ذلت سے بچا لیا اور شہربانو حضرت امام حسینؑ کے عقد میں آئیں۔ حضرت امام حسینؑ نے اسلام کی تعلیمات کو زندہ رکھا اور عرب اور غیر عرب کی تفریق کو مٹایا۔ انہیں جناب شہر بانو کے بطن سے حضرت امام حسینؑ کے بڑے بیٹے علی زین العابدینؑ پیدا ہوئے[۱]۔ علی زین العابدینؑ پر حادثۂ کربلا میں کیا بیتی اور آپ کن مصائب سے گزرے اور کس دلیری اور جوانمردی سے ان ابتلاؤں کا مقابلہ کرکے اسلام کو بچایا، اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے[۲]۔

حضرت امام حسینؑ کی عملی زندگی کی ابتداء

ان مختصر خاندانی پس منظر اور ابتدائی حالات کے بعد ہم آپ کو حضرت امام حسینؑ کی عملی زندگی کی طرف لئے چلتے ہیں اور اختصار لیکن تسلسل سے واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کررہے ہیں امّید ہے آپ ہمارے ساتھ چلتے رہیں گے۔

حضرت امام حسینؑ، اسلام کی ارتقاء کو ابتداء سے ہی دیکھتے رہے تھے، اسلامی تاریخ کے بہت سے واقعات آپؑ کے سامنے واقع ہوئے، وصالِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے ادوار دیکھے۔ حضرت امام حسنؑ کی

(۱) جناب شہر بانو کا علی زین العابدینؑ کی ولادت کے بعد ۸/۱۰ دن کے اندر انتقال ہوگیا۔
(۲) تفصیل مصنفِ ہٰذا کی تصنیف "نبیؐ کی نواسی زینب صلوات اللہ علیہا" میں بھی ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

وقت کا نہایت مختصر وقت (چھ ماہ) صلح حسنؑ پر اختتام پذیر ہوتے دیکھا[۱]۔ ۵۶ ھ مطابق ۶۷۶ھ میں صورت حال بالکل بگڑ گئی۔ امیرشام نے عہدنامہ کے خلاف یزید کو ولی عہد نامزد کر دیا۔ اس سے قبل ۵۰ ھ میں حضرت امام حسنؑ کو جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں زہر دلوا کر شہید کروا دیا تھا۔ یاد رکھنے کی بات ہے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ نے بارِ خلافت سنبھالا اور نبھایا گو یہ تمام حضرات ایک جیسے نہ تھے لیکن اس دور کو "خلافتِ راشدہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے گرچہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے ساتھ ہی خلافت ختم ہوجاتی ہے اور امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھوں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

اقتدار کا محور اب نہ تو مدینہ منوّرہ ہے اور نہ کوفہ بلکہ شام کا دارالخلافہ دمشق ہے۔اسلام کی باگ ڈور اب پوری طرح بنی امیّہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ بنی امیّہ میں حضرت عثمانؓ واحد فرد تھے جو ابتداء میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کے علاوہ باقی سارے بنی امیّہ فتحِ مکّہ کے بعد جبراً و قہراً حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے[۲]۔ بقول علاّمہ اقبالؒ:

زباں سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(۱) تفصیل مصنفِ ہٰذا کی زیرِ تصنیف کتاب "خلافتِ راشدہ" میں دیکھی جاسکتی ہے۔
(۲) فتحِ مکّہ کی تفصیل مصنفِ ہٰذا کی تصنیف "تاریخِ اسلام کا سفر۔حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا شعر قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کی ترجمانی کرتا ہے :

قالت الْاعراب آمنّا قل لم تؤ منوُا ولکنْ قولو اسلمنا ولمّا
ید خل الا یمان فی قلوبکمْ و ان تطیعواُ اللّٰہ و رسولَہٗ
لایلتکم من اعمالکم شیأ انّ اللّٰہ غفور رَحیم۔
(سورۃ الحجرات ۴۹ ، آیت ۱۴)

(صحرائی عربوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے، کہیئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، مگر یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی ایمان تمھارے دلوں میں تو داخل ہوا ہی نہیں ہے اور اگر اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو تو وہ تمھارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے سارے جتن کر ڈالے کہ عربوں میں عصبیت ختم ہو ، بنو امیّہ اور بنو ہاشم کے اختلافات تہِ خاک ہوں ، اسی وجہ سے غزوۂ حنین (شوّال ۸ھ مطابق ۶۲۹ء) کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بے شمار دولت سے آلِ ابی سفیان کو نوازا اور اُن کی جھولی دولت سے بھر دی تھی یہاں تک کہ کچھ اصحابؓ کو جو ابتداء میں ایمان لاچکے تھے ، شکایت ہوئی کہ نئے نویلوں پر اتنی عنایت اور ہر محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے والوں کے ساتھ بے اعتنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے انہیں سمجھایا کہ دولت انہیں ضرور دی کہ چند روز پہلے ہی اسلام لائے ہیں (فتح مکّہ کے بعد) لیکن ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اسلام تمھیں عزیز ہے ، دولت نہیں۔ امّید رکھنی چاہئے شاید اسی طور اسلام ان کے دلوں میں داخل ہوجائے۔ زبان سے لاالٰہ الااللہ ضرور کہا ہے لیکن ان کے دل ابھی زنّار پوش ہیں:

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش
(علاّمہ اقبالؒ)

مزید تفصیل دیکھنا چاہیں تو مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''تاریخِ اسلام کا سفر حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک'' ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علیؑ کی وصیت

حضرت علیؑ ابن ملجم کے ہاتھوں مسجدِ کوفہ میں ۱۹ رمضان ۴۰ ھ مطابق ۶۶۰ء کو عین حالتِ نماز میں شدید زخمی ہوئے اور آپ نے ۲۱ ماہِ رمضان ۴۰ ھ مطابق ۶۶۰ء کو رحلت فرمائی۔ زندگی کے آثار معدوم ہونے لگے تو انتقال سے قبل ایک وصیّت امام حسینؑ کے نام تحریر فرمائی اور اس پر امام حسنؑ ، محمد بن حنفیہ اور اپنی دیگر اولاد ، اعزّہ اور مخصوص اصحاب کی گواہیاں لکھوائیں اور وصیّت نامہ امام حسنؑ کو سپرد کیا اور فرمایا:

''دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم اسے حسینؑ کے سپرد کردینا''۔☆

اس کے علاوہ ایک اور وصیّت دونوں بھائیوں سے مشترکہ طور پر فرمائی:

''میں تم کو فرض شناسی کی وصیّت کرتا ہوں کہ تم کبھی دنیا کے طلبگار نہ ہونا ، چاہے دنیا خود تمہاری طلبگار ہو اور کسی دنیوی نقصان پر کبھی رنجیدہ نہ ہونا ، ہمیشہ حق کے لئے زبان کھولنا ، ثواب کے لئے کام کرنا ،

☆ دل کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کو اس وصیت میں جو امام حسنؑ کو سپرد کی تھی وہ سب کچھ بتا دیا ہوگا جو ظلم و ستم بنی امیّہ اسلام اور اہل بیتِ رسولؐ پر ڈھانے والے تھے اور انہیں بقائے اسلام کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کی تلقین کی ہوگی۔ جب کبھی جس کسی نے بھی امام حسینؑ کو عراق کے سفر سے روکنے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا ''میں ایک مقصد سے سفر کررہا ہوں جو بھی ہو'' لیکن نہ تو حضرت علیؑ کی وصیت کا ذکر کیا اور نہ یہ فرمایا کہ حضرت علیؑ کی وصیت کے مندرجات کیا تھے۔ بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا خواب اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعبیر حرفاً حرفاً صحیح ثابت ہوئی۔ تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''نبیؐ کی نواسی، حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' میں ملاحظہ فرمایئے۔

ظالم کے مدِّ مقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا"۔

اس کے علاوہ دیگر وصیتیں بھی کیں جن میں خاص طور سے یتیموں کی خبرگیری، پڑوسیوں کا خیال اور ہر حال میں قرآنِ مجید کا خیال رکھنے کی وصیّت کی اور فرمایا کہ خدا کی راہ میں اپنی جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا، صلۂ رحم رکھنا، عوام سے فیّاضی کے ساتھ پیش آنا اور ہمیشہ نیک اعمال کی ترغیب دیتے رہنا۔ دیکھو میرے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ "بنی ہاشم" میرے خون کے عوض خوں ریزی شروع کردیں۔ میرے خون کے قصاص کے طور پر "بس میرے قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے"۔ بہ الفاظِ دیگر وصیّتِ علیؑ خالصتاً "مفادِ اسلام" کے لئے تھی نہ کہ "اہلِ خاندان کے تحفظِ ذات" کے لئے۔

خلافتِ حضرتِ امامِ حسنؑ

حضرت علیؑ کی رحلت کے بعد بروزِ جمعہ ۲۱ رمضان ۴۰ ھ، مطابق ۶۶۰ء کو تمام مسلمانوں نے برضا و رغبت حضرت امام حسنؑ کی بیعت کی لیکن امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان نے انکار کیا۔ حضرت امام حسنؑ کی خلافت کا دورانیہ صرف چھ ماہ ہے۔ حضرت امام حسنؑ صلح پر مجبور ہوگئے کیونکہ امیرِشام نے امام حسنؑ کی فوج میں جوڑ توڑ اور خرید و فروخت شروع کر دی تھی جیسا کہ دنیوی حکومت میں ہوتا رہتا ہے۔

حضرت امام حسنؑ نے مسلمانوں کو قتل و غارت گری سے بچانے کے لئے صلح کرلی۔ اگر حضرت امام حسنؑ صلح نہ کرتے تو ہزاروں مسلمان قتل ہوجاتے۔ صلح کی دیگر شرائط کے ساتھ ایک اہم شرط یہ بھی

[illegible]شام اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کریں گے۔ امیرِ شام نے [illegible]ی قطعاً پرواہ نہ کی۔ پہلے حضرت امام حسنؑ کو جعدہ بنت اشعث سے [illegible]لوا دیا اور دوسرے اپنے ناکارہ اور ناہنجار بیٹے کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ [illegible]شام کو شرائطِ صلح کا نہ پاس رہا اور نہ لحاظ۔ یہ ایک طرح سے [illegible] اور میکاولی کی سیاست تھی جو ان کی رہبری کرتی رہی۔ چانکیہ کے [illegible] شاستر کا فلسفہ ہے "ظلم کرو اور حکومت کرتے رہو"۔

[illegible] معاہدۂ صلحِ حسنؑ کی امیرِ شام کے ہاتھوں بیخ کنی کے ساتھ ہی [illegible]ت راشدہ ختم ہوئی اور اسلام میں حکومتِ الٰہیہ کی جگہ ملوکیت پوری [illegible]ح چھاگئی۔ ان تمام واقعات و حادثات کی تفصیل یہاں لکھنا مقصود [illegible]، یہاں صرف تاریخی تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اور آئندہ پیش [illegible]ے والے واقعات کے پس منظر کے طور پر لکھنا ضروری سمجھا گیا۔ ہاں یہ [illegible]نا ضروری ہے کہ امن و صلح کے علمبردار حضرت امام حسنؑ کو ۲۸ صفر ۵۰ھ کو زہر دے کر مدینہ منورہ میں شہید کر دیا گیا۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

حضرت امام حسنؑ کی وصیّت

حضرت امام حسینؑ غسل و کفن کے بعد حضرت امام حسنؑ کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم میں نانا حضورؐ کے پہلو میں دفن کرنا چاہتے تھے لیکن مروان بن حکم☆ جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، مزاحم ہوا۔ چنانچہ

☆ مروان بن حکم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مدینہ بدر کر دیا تو وہ طائف میں مکین ہوگیا۔ خلیفۂ اوّل و دوم کے دور میں بھی اسے مدینہ میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی لیکن خلیفۂ سوم نے اس کو نہ صرف مدینہ میں داخلہ کی اجازت دی بلکہ مہرِ خلافت بھی عطا کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسے کیوں شہربدر کیا؟ اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں تو مصنفِ ہٰذا کی کتاب "تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک" کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امام حسینؑ نے حضرت امام حسنؑ کی وصیّت اور فرض کے احساس سے مجبور ہو کر جنّت البقیع میں والدۂ گرامی کے پہلو میں دفن کیا۔ نانا حضور کا پہلو تو نہ مل سکا لیکن والدۂ گرامی کے پہلو میں ابدی سکون نصیب ہوا۔

حضرت امام حسنؑ کی زہر سے جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور زندگی کے آثار معدوم ہونے لگے تو اپنے مختلف البطن بھائی محمد بن حنفیہ کو بلایا اور فرمایا "دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم حسینؑ سے اختلاف کرو۔ حسینؑ میرے بعد امام ہیں اور امام کی اطاعت لازم ہے"۔ محمد بن حنفیہ نے اقرارِ وفاداری کیا اور امام حسینؑ کی اطاعت کا وعدہ کیا☆۔ حضرت علیؑ کی وہ وصیّت جو آپؑ نے حضرت امام حسینؑ کے لئے کی تھی حضرت امام حسنؑ نے حضرت امام حسینؑ کے سپرد کر دی۔

☆ محمد حنفیہ بن علیؑ مرتضیٰؑ کی والدہ کا نام خولہ بنتِ جوہر تھا جو قبیلۂ حنیف سے تعلق رکھتی تھیں اسی حوالہ سے آپ محمد حنفیہ کہلائے۔

یزید کا بیعت پر اصرار، امام حسینؑ کا انکار اور مصائب کا آغاز

حضرت امام حسینؑ ہمیشہ اسی فلسفۂ زندگی پر کاربند رہے جس کی آپ کے والدِ بزرگوار حضرت علیؑ نے وصیّت کی تھی یعنی:

اصبر علی الحق و ان کان مرّاً.

(سچائی کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اس پر قائم رہو)

حضرت امام حسینؑ نے بھی وصیّت اپنے فرزند علی زین العابدینؑ کو کی تھی اور وہ بھی اس وصیّت پر کاربند رہے اور تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرتے رہے، کبھی بھی کسی موقع پر جبر و قہر کے آگے نہیں جھکے۔ انہیں واقعات و حادثات کا ذکر آپ کو اگلے صفحات میں ملے گا۔ یہ نہایت پُردرد اور پُرسوز واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر انسان کا دل بھر آتا ہے، آنکھیں پُرنم☆ ہو جاتی ہیں اور واقعات رقم کرنے والے کا قلم رک جاتا ہے، لیکن اظہارِ حق سے ظالم کا ظلم کھل کر سامنے آجاتا ہے اور ظالم نفرین کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی قدریں اور حیوانی جبلّتیں روزِ روشن

☆"وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی" (سورۂ النجم ۵۳، آیت ۱۶) (اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا) دراصل رونا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ "گریہ" صحتِ انسانی کے لئے مضر نہیں بلکہ بسا اوقات مفید ثابت ہوتا ہے آنسو بہانے سے غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ "آنکھ، ناک اور گلے کو نقصان دہ جراثیم سے نجات مل جاتی ہے۔" دنیا میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جسے اپنی عمر میں کبھی اشک فشانی کا اتفاق نہ ہوا ہو اور اگر کوئی کبھی نہیں رویا تو سمجھئے وہ انسان نہیں پتھر کا مجسمہ یا مورت ہے۔

کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں اور انسان آسانی سے نیک و بد میں تمیز کر لیتا ہے۔

یزید کی نامزدگی

حضرت امام حسینؑ کا انکار اور دوسروں کا احتجاج

یاد رہے حسینؑ اس گھر میں پیدا ہوئے تھے جس گھر میں قرآن اترا، جس کے نانا پر قرآن نازل ہوا، جس کی دولت سرا میں جبرئیلِ امین وحی لے کر آتے رہے اور جو وحی کے سائے میں پلا اور نزولِ قرآن کی فضاؤں میں بڑھا۔ جس حسینؑ کے والدِ بزرگوار سب سے پہلے قرآن پر ایمان لائے اور جن کی والدۂ گرامی آسیا گرداں و لب قرآں سرا۔ ظاہر ہے وہ خود سراپا تفسیرِ قرآن ہوں گے، ان کا ہر عمل قرآن کی روشنی میں ہوگا، ان کا بچپن اور شباب مختصر یہ کہ کُل زندگی اسلامی تعلیمات پر عمل اور اس کے فروغ کے لئے وقف کیوں نہ ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ قرآن پڑھو، سمجھو اور عمل کرو۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی ہوئی۔ (تلاوت سے وہی استفادہ کرسکتے ہیں جن کی زبان عربی ہو اس لئے میرے خیال میں جو لوگ عربی زبان و ادب سے ناواقف ہیں انہیں قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے)۔

حضرت امام حسینؑ نے جو کچھ کیا وہ قیامِ حکومتِ الٰہیہ کے لئے کیا۔ جس کسی نے جب کبھی اس کے خلاف عمل کیا امامؑ عالی مقام سامنے کھڑے ہو گئے۔

امیرِ شام نے شہادتِ حضرت امام حسنؑ کے بعد جو کچھ کیا اس پر نظر رکھیے، صلحِ حسنؑ میں ایک شرط واضح الفاظ میں موجود ہے کہ امیرِ شام اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کریں گے۔ کیا امیرِ شام نے یزید کو نامزد کر کے خلاف ورزی نہیں کی؟ امام حسینؑ خلاف ورزی کیسے قبول کرتے! دنیا آج تک امیرِ شام کی اس خلاف ورزی کی مذمت کرتی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مزید تفصیل میں جائیں براہِ کرم سورۂ بقرہ ۲، آیت ۳۰ پڑھ لیجیے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا جبکہ ہم تیری حمد و ثناء اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

علامہ اقبالؒ نے یوں ترجمانی کی ہے:

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریّت را زہر اندر کام ریخت

خلیفۃ اللہ وہی ہوسکتا ہے جو منشائے الٰہی کو پورا کرے، بے وجہ و بے سبب درخت کی ایک پتّی بھی نہ توڑے، پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ کرے، خاک کا ایک ذرّہ بھی برباد نہ کرے۔ اب دیکھیے کہ امیرِ شام اس سلسلہ میں کیا کرتے ہیں:

یزید کی نامزدگی اور قتل و غارت گری

امیرِ شام (امیر معاویہ) کے طویل دورِ حکومت[1] کے اختتام کا وقت قریب آیا یعنی لبِ گور ہوئے تو ان کی خواہش ہوئی کہ ان کی اولاد بھی اقتدار سے لطف اندوز ہو اور حکومت ان کے خاندان ہی میں قائم و دائم رہے لہٰذا یزید کی ولی عہدی پر کمر بستہ ہو گئے۔

یزید کی نامزدگی اور اختلاف کی ابتداء

یزید کی بدکرداری سب پر عیاں تھی اس کی نامزدگی پر اختلاف ہونا ہی تھا، چنانچہ امیرِ شام نے پہلے ان لوگوں کو ختم کرنے کا بندوبست کیا جو یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کر سکتے تھے یا خود مدعی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ابتداء گھر ہی سے یعنی شام سے کی۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا اثر و رسوخ شام میں کافی بڑھ چکا تھا۔ ان کے والد کے کارنامے رومیوں کے مقابلہ میں زبان زدِ عام تھے۔ امیرِ شام کو خیال ہوا کہ کہیں اہلِ شام ان کو خلیفہ نہ تسلیم کر لیں چنانچہ ان کو راستہ سے ہٹانے کا بندوبست اس طرح کیا کہ ابن اثال کے ذریعہ زہر دلوا کر عبدالرحمٰن کا خاتمہ کروا دیا[2] اور پھر ابن اثال کو خوب نوازا۔ لیکن ابن اثال کا خاتمہ عبدالرحمٰن کے بھائی مہاجر بن خالد نے مدینہ سے دمشق جا کر اپنی تلوار سے کر دیا۔ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' یا یوں کہیئے ''چاہ کن را چاہ در پیش''۔

(۱) امیرِ شام (امیر معاویہ) نے تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ یاد رہے یہ وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے بعد جبراً و قہراً دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔
(۲) الوزراء والکتاب، ص ۱۶۔ تاریخ طبری، جلد ۶۔

یزید کی نامزدگی میں مغیرہ بن شعبہ کا کردار

مغیرہ بن شعبہ والیٔ کوفہ نے دمشق جا کر یزید کو پٹی پڑھائی کہ تم اپنے باپ سے اپنی ولی عہدی کا اعلان کراؤ۔ چنانچہ یزید باپ کے پاس گیا اور اپنی ولی عہدی کی خواہش کا اظہار کیا اور مغیرہ کی بات بتائی۔ کہتے ہیں اس وقت تک امیرِ شام کے خیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی سنجیدہ انسان یزید کی ولی عہدی کی ان سے بات کرے گا اگرچہ ان کی دلی آرزو یہی تھی اور وہ خود اسی پر کارفرما ہو چکے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ کی رائے سے امیرِ معاویہ کو از حد مسرت ہوئی۔ گویا سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ اس کے بعد مغیرہ نے جال بننا شروع کیا[1]۔

۴۹ھ یا ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء میں مغیرہ بن شعبہ کا ستر سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اب کوفہ میں بھی سمیّہ کا بیٹا (زیاد) حکمران ہو گیا۔ امیرِ شام نے زیاد کو ۴۵ھ مطابق ۶۶۵ء میں بصرہ، خراسان اور سجستان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر بحرین اور عمان کا علاقہ بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا گویا پوری طرح نوازا گیا لیکن موت تو سب کو آنی ہے آخر کار رمضان ۵۳ھ مطابق ۶۷۲ء میں زیاد انتقال کر گیا[2]۔ اس واقعہ کے بعد امیرِ شام نے ایک تحریری فرمان جاری کیا جس میں یزید کی ولی عہدی کا ذکر تھا اس فرمان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا گیا اور رعایا (عوام) سے اقرار بھی لیا گیا[3]۔ کس کی مجال تھی کہ مخالفت میں زبان کھولتا! دوسری جانب کوفہ میں بھی مغیرہ بن شعبہ نے مرنے سے پہلے کافی حد تک امیرِ شام کے

(۱) تفصیل تاریخ الکامل ابنِ اثیر، ج ۲ میں دیکھی جا سکتی ہے۔
(۲) الوزراء والکتاب، ص ۱۶۔
(۳) طبری، ج ۶، ص ۱۷۷۔

حامی پیدا کر لئے تھے۔ مغیرہ نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ اس کی کوفہ کی گورنری برقرار رہے لیکن وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ موت نے اسے آلیا۔گورنری شائد قائم رہتی لیکن وہ خود موت کا شکار ہوگیا۔

سعید بن عثمانؓ کا احتجاج

خلیفہ سوم کے بیٹے سعید نے خلافتِ یزید پر اظہارِ ناراضگی کی اور امیرِ شام سے کہا کہ ''آپ نے یزید کو مجھ پر مقدم کیا حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ اس کے باپ سے ، میری ماں اس کی ماں سے اچھی اور میں خود یزید سے بہتر ہوں اور آپ جو یہاں تک پہنچے ہیں میرے باپ کی مہربانیوں کی بدولت''۔

امیرِ شام امیر معاویہ نے کہا کہ ''آپ نے مجھ پر اپنے باپ کا جو احسان جتایا مجھے اس سے انکار نہیں لیکن میں نے اس کا بدلہ ان کے خون کا مطالبہ کر کے اور قاتلوں سے ان کا بدلہ لے کر کرویا''[1]۔ بہرحال یزید کے کہنے پر امیرِ شام نے سعید کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا[2]۔ گورنری مل گئی سعید خاموش ہو گئے ، کہتے ہیں ''گندم اگر بہم نہ رسد جَو غنیمت است''۔

امیرِ شام امیرِ معاویہ کو اب صرف مکہ اور مدینہ کی فکر باقی رہی چنانچہ اس طرف متوجہ ہوئے۔مروان بن حکم اس وقت مدینہ کا حاکم تھا۔

امیرِ شام نے مروان کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اور اس کے لئے بیعت لی جا چکی ہے۔تم خود بھی یزید سے بیعت

(۱) امیرِ شام امیرِ معاویہ نے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیا بلکہ ان کو ہم نوا بنانے کی کوشش کی۔
(۲) طبری ، ج ۶ ، ص ۱۷۱۔

کرو اور ہماری طرف سے مدینہ کے لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لو۔ مروان گو انہیں کا بندہ تھا سخت برہم ہوا اور برہمی میں شام کے لئے روانہ ہوگیا۔ شام پہنچ کر امیرِ شام سے ملا اور سخت لہجے میں بات کی اور کہا کہ ''آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ چھوکروں کو امیر اور سردار بنا رہے ہیں۔ آپ اس ارادہ سے باز آیئے۔ یاد رکھئے کہ آپ کی قوم (بنی امیہ) میں ایسے اور بھی موجود ہیں جو آپ کے مشوروں میں اور آپ کے کاموں میں آپ کے وزیر و مددگار رہے ہیں''۔ امیرِ شام نے کہا''مروان ، خفا نہ ہو ، تم بےشک خلیفۂ وقت کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے پشت پناہ اور مددگار ہو ، اسی لئے یزید کے بعد تم کو ہی یزید کا ولی عہد قرار دیا ہے (یک نہ شد دو شد ، پہلے مدینہ کا گورنر بنایا اور اب خلافت کا وعدہ کیا جارہا ہے)☆اس سیاسی منتر نے بڑا کام کیا ، مروان کا غصہ فرو ہوگیا اور مطمئن ہو کر مدینہ پلٹ گیا۔ بہر حال اس کی مدینہ کی گورنری کچھ دنوں کے لئے قائم رہی لیکن جلد ہی گورنری سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ دنیوی سیاست بڑی بلا ہے جہاں قول و قرار بےمعنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کہا جاتا ہے کہ سیاست میں کوئی مستقل دوست ہوتا ہے نہ دشمن ، گویا دوستی اور دشمنی وقتی ضرورت کے تحت ہوتی ہے ، کردار اور اخلاق ماضی کی باتیں ہیں۔

یزید کی نامزدگی پر اہلِ مدینہ کا احتجاج

مدینہ پلٹ کر مروان نے جلسہ منعقد کیا اور یزید کی تخت نشینی کا ذکر

☆ بحوالہ ''شہیدِ انسانیت'': سیدالعلماء سید علی نقی النقوی ، ص ۱۴۶۔

کیا اور کہا کہ امیرِ شام نے یزید کی بیعت کا حکم دیا ہے جس طرح ابوبکرؓ نے عمرؓ کے لئے اہتمام کیا تھا۔ یہ سنتے ہی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بگڑ گئے اور مروان کی ٹانگ پکڑ کر منبر سے نیچے گھسیٹ لیا اور کہا ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے کی بیعت نہیں لی تھی۔ یہ تو کسریٰ و قیصر کا طریقہ ہے۔ ہم ہرگز اس شرابی و زانی کی بیعت نہیں کریں گے۔ عبدالرحمٰن کے خیالات کی تائید حضرت امام حسینؑ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیر نے بھی کی۔ اس واقعہ کی اطلاع مروان نے امیرِ شام کو دے دی۔ امیرِ شام کچھ دن خاموش رہے تا کہ لوہا ٹھنڈا ہو جائے۔ کچھ دنوں بعد یزید کو لے کر حج کے لئے مکّہ روانہ ہوئے تاکہ اہلِ مکّہ سے پہلے معاملات طے کر لیں پھر مدینہ کا رخ کریں۔ حقیقتاً مقصد حج نہ تھا بلکہ سیاست تھی۔ مکّہ میں انہوں نے کافی حد تک لوگوں کو رام کر لیا۔

امیرِ شام کو بہرحال اس بات کا پورا احساس تھا کہ جن لوگوں نے خلافتِ یزید پر اعتراض کیاہے، دنیائے اسلام کی اہم شخصیات ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ سے ان کو سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ ان کے علاوہ دیگر اہم شخصیات میں حسبِ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

(۱) عبدالرحمٰن ابی بکرؓ (۲) حضرت عائشہؓ زوجۂ رسولِ مقبولؐ (۳) عبداللہ ابن عمرؓ
(۴) عبداللہ ابن عباسؓ (۵) عبداللہ ابن زبیرؓ۔

مندرجہ بالا اسمائے گرامی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یزید کی ولی عہدی پر اصولاً تمام اہلِ نظر اور صاحبانِ فضیلت کو اعتراض تھا۔ رہا یہ امر کہ اس اختلاف پر کون کس وقت تک قائم رہتا ہے آنے والے واقعات سے معلوم ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون حضرات تھے جو تمام تر

کوفہ میں خطبات کی ابتداء

اہلِ بیتؑ اطہار کربلا سے کوفہ تک بالکل خاموش رہے۔ سیّدُالسجادؑ نے راستہ میں کسی سے کوئی بات نہیں کی لیکن جب کوفہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اندازہ کر لیا کہ اب مقصدِ حسینؑ کے اظہار کا وقت آن پہنچا ہے لہٰذا آپؑ نے خطبات کے ذریعہ فلسفۂ شہادتِ امام حسینؑ کو بیان کرنا شروع کیا اور دنیا والوں پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھرانے والے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورت قیدِ سلاسل میں مبتلا ہوں یا آزاد، دینِ اسلام کی بقاء کے لئے اور حق کی سربلندی کے لئے نہ حکومتِ اجتماعی سے گھبراتے ہیں اور نہ اقتدارِ شاہی سے مرعوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بازارِ کوفہ سے گزرتے ہوئے سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی صاحب زادی فاطمہؑ☆ بنتِ حسینؑ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے تمام حقائق یوں بیان فرمائے کہ ساری حقیقت بے نقاب ہوگئی۔ آپ کے خطبے سے قبل عوام حقیقت سے ناآشنا تھے کیونکہ یزیدی فوج حادثۂ کربلا کو چھپانا چاہتی تھی اور حادثات کو توڑ مروڑ کر بیان کرتی تھی۔ خطباتِ فاطمہ بنتِ حسینؑ، حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا اور حضرت سیّدُالسجادؑ نے حقائق کو طشت

☆ آپ کی والدۂ گرامی کا نام امّ اسحاق بنتِ طلحہ بن عبیداللہ تیمی تھا۔

از بام کر دیا اس طرح یزیدی فوج کی تمام تر تدابیر ناکام ہوگئیں۔

بازارِ کوفہ میں فاطمہ بنت الحسینؑ کا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحَصٰی...... الاخبار.

''حمد ہے خدا کی، تعداد میں اس قدر جتنی ریگِ صحرا اور سنگریزے ہیں اور وزن میں اتنی جتنی عرش سے فرش تک تمام چیزیں ہیں۔ میں اس کی حمد کرتی ہوں اور اس پر ایمانِ کامل رکھتی ہوں اور اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

(اے لوگو!) اولادِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دریائے فرات کے کنارے ذبح کر ڈالی گئی اور ان کے لاشہائے مقدسہ کو بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا۔ اے خدا! میں تیرے اوپر جھوٹ اور بہتان لگانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

اے کوفیو! اے مکّارو! اور اے دغابازو! خداوندِ عالم نے ہم اہلِ بیتؑ کی تمہارے ذریعہ اور تم لوگوں کی ہمارے ذریعہ آزمائش کی ہے۔ خدا مصیبتوں سے ہمارا امتحان لے کر ہم کو اچھی جزا دے گا۔ خدا نے ہم کو اپنا علم اور اپنی حکمت قرار دیا ہے ہم علمِ خدا کے معدن، اس کی حکمت کا ظرف اور اس کی زمین پر اس کے بندوں کے لئے ہادی

جوان کون ہوسکتا ہے؟

کچھ لوگ اسے انقلابِ زمانہ کہہ سکتے ہیں اور بظاہر لگتا بھی ایسا ہی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ حق و صداقت اور باطل و کذب کا امتحان لے رہا تھا۔ کتاب کے شروع میں میں نے چند آیات لکھی تھیں، کچھ آیات یہاں دہراتا ہوں، آپ انہیں پڑھیں اور غور فرمائیں، فتح حق کی ہوئی یا باطل کی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۵۵-۱۵۶)

(اور ضرور بالضرور ہم تمہیں آزمائیں گے، خوف، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب کوئی تکلیف دہ بات ان کے سامنے آئے ان کا قول یہ ہو کہ بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۸۱)

(اور کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے)

اب ذرا صلحِ حدیبیہ پر نظر ڈالئے۔ ہو سکے تو مصنّفِ ہٰذا کی تصنیف ''تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک'' کے بابِ صلحِ حدیبیہ کو ایک بار پڑھ لیجئے۔ بظاہر تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دب کر صلح کی جیسا کہ کچھ مسلمانوں کا بھی خیال تھا لیکن یہ

صلح ایسی فتح تھی کہ سورۂ فتح☆ نازل ہوئی۔ اس صلح کے بعد بہت سے غزوے ہوئے، سرایا ہوئے لیکن آیۂ فتح نازل نہیں ہوئی۔ ان واقعات سے ظاہری اور باطنی کامیابی عیاں ہو جاتی ہے۔

مانا کہ قافلۂ حسینیؑ ظاہری طور پر شکست خوردہ ہوا، ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹا، اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اور خدائے بزرگ و برتر کو حاضر و ناظر جان کر فرمایئے "یادِ حسینؑ کی منائی جاتی ہے یا یزید کی!" حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ

"لفظِ یزید داخلِ دشنام ہوگیا"

شاہ عبداللطیف بھٹائی شہدائے کربلا کے بارے میں فرماتے ہیں:

انہیں کب موت کا کھٹکا تھا، کب پروائے لشکر تھی
شہادت ان کی قسمت تھی، اجل ان کا مقدّر تھا

(اصل شعر سندھی زبان میں ہے)

☆ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا (سورۃ الفتح ۴۸، آیت ۱)
(یقیناً ہم نے آپ کو ایک بڑی نمایاں فتح عطا کی)

دنیا کے کونے کونے سے زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، فاتحہ درود پڑھتے ہیں، ایمان تازہ کرتے ہیں اور ظالموں پر لعنت بھیجتے ہیں:

چپّے چپّے پہ ہے یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

قافلۂ آلِ رسولِ مقبولؐ کی کوفہ میں آمد

قافلۂ علی (امام زین العابدینؑ) و زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا، کربلا سے ۱۱ر محرم الحرام ۶۱ھ کو دوپہر بعد روانہ کیا گیا تھا اور مختلف آباد اور غیرآباد علاقوں سے گزرتا ہوا ۱۲ محرم کو کوفہ پہنچا☆۔

عبیداللہ ابنِ زیاد حاکمِ کوفہ نے چاروں طرف یہ پروپیگنڈہ کرایا تھا کہ ایک فرو نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کی جسے قتل کر دیا گیا اور اب اس کے باقی ساتھی گرفتار کر کے کوفہ لائے جا رہے ہیں۔ ستم بالائے ستم کامیابی کے جشن کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ کوتوالِ شہرِ کوفہ عمر ابنِ حریث کو حکم دیا کہ جشن کا پورا انتظام کیا جائے، جگہ جگہ پولیس لگا دی گئی تاکہ کوئی بدنظمی برپا نہ ہو۔ حقیقت سے بے خبر عوام راستوں پر کھڑے ہوگئے کہ جشن دیکھیں۔ ہر طرف جشن کا سماں تھا، انہیں کیا خبر کہ قید کرکے لائی جانے والی ہستیاں اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کا وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔

جنابِ زینبؑ اس قافلہ کی قافلہ سالار تھیں اور صبر و ضبط اور تشکّر کا بے مثال مظاہرہ فرما رہی تھیں۔ ایک طرف بیمار بھتیجے کو سنبھال رہی

☆ ارشاد، ص ۲۶۶۔

قافلۂ حسینیؑ کی کربلا سے کوفہ روانگی

قافلۂ حسینیؑ اسیر ہو چکا، شہداء کے سرِ مبارک اکٹھے کر لئے گئے اس کے بعد ۱۱ محرم ۶۱ھ دوپہر کے بعد عمر ابنِ سعد نے حمید بن بکیر کی سرکردگی میں قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ روانگی سے قبل فوجِ یزید میں کوچ کے شادیانے بجے، لشکرِ یزید خوشی کے نعرے لگاتا رہا۔ روایتوں کے مطابق امامِ مظلوم کا لٹا ہوا قافلہ چند دن بعد کوفہ پہنچا۔

قافلۂ امامِ مظلوم اس طرح روانہ ہوا کہ شہداء کے سر نیزوں پر بلند آگے آگے تھے۔ ہاں، دوسر نیزوں پر بلند نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ عمر ابنِ سعد نے سیّدالشہداء امام حسینؑ کا سر عاشورہ کے روز ہی خولی بن یزید اصبحی کے ذریعہ کوفہ روانہ کردیا تھا تاکہ عبیداللہ ابنِ زیاد گورنرِ کوفہ کو کامرانی کی اطلاع ہو جائے۔ حبیب ابنِ مظاہر کا سر ان کے تمیمی قاتل نے اپنے گھوڑے کی گردن سے لٹکا رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ وہ آدمی (خولی) جو امامؑ کا سر لئے ہوئے تھا، کوفہ اُس وقت پہنچا جب رات ہوگئی تھی اور پسرِ زیاد کے محل کا دروازہ بند ہو چکا تھا اس لئے وہ امامؑ کا سر اپنے گھر لے گیا اور ایک گوشہ میں رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے کہا:

"تیرے لئے زمانہ بھر کی دولت لایا ہوں۔ یہ حسینؑ

تھیں، دوسری طرف خواتین اور بچوں کی نگرانی کر رہی تھیں اور تیسری طرف جو مصائب اور رنج و غم ان پر پڑ رہے تھے انھیں نہایت دلیری سے برداشت کررہی تھیں۔ اخلاقِ محمدیؐ کی تصویر زینب سلام اللہ علیہا اپنے معصوم بچّوں کی شہادت برداشت کرنے، برہنہ سری اور اسیر ہونے کے باوجود مجسمۂ حیا اور غیرت تھیں، صولتِ حیدری کی یادگار در بدر پھرائے جانے کے باوجود راہِ حق پر مستقل اور مضبوط رہیں اور اپنے خطبوں سے علیؑ کی بیٹی نے فرعونِ وقت کا سر کچل ڈالا:

دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا
اہلِ دل کے لئے ممکن نہیں زنداں ہونا

قافلہ شہر میں داخل ہوتا ہے

اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی شکل میں شہر میں داخل ہوا۔ آگے آگے چند نیزہ بردار تھے جن کے نیزوں پر شہدائے کربلا کے سر بلند تھے، اس کے پیچھے اونٹوں پر سوار بچّے اور بیبیاں تھیں جن کے چہرے گرد سے اٹے ہوئے اور سر کھلے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے ایک نوجوان تھا جس کے پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق تھا۔ آپ سمجھے، یہ فرشتہ صفت انسان کون تھا؟ یہ تھے علی (زین العابدینؑ)، امامِ مظلوم کے بیٹے۔ علیؑ مرتضٰی و خاتونِ جنت کے پوتے، نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پر نواسے، جن کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا، لباس پھٹا ہوا، بھوک و پیاس اور شدّتِ غم سے منہ اترا ہوا لیکن نورِ حق چہرے پر نمایاں۔ عوام حیران کہ اس کسمپرسی کی حالت میں بھی چہرہ سے نور ٹپک رہاتھا، آخر یہ

کا سر ہے جو تیرے گھر میں ہے"۔

زوجہ لرز کر چلائی:

"تیرے اوپر تُف ہو ! آدمی تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تُو دخترِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹے کا سر لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم ! میں تیرے ساتھ اس گھر میں ہرگز نہ رہوں گی"۔

اس کے بعد وہ گھر سے باہر چلی گئی۔

شہدائے کربلا کی تدفین

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ عمر ابنِ سعد حادثۂ کربلا کے بعد وہاں رکا رہا اور اپنی فوج کی لاشوں کو دفن کرایا لیکن شہدائے کربلا کی نعشوں کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بنی اسد کے کچھ لوگ وہاں آئے اور شہداء کے نعشوں کو دفن کیا۔ ذہن نشین رہے کہ کربلا پہنچنے کے بعد امامؑ عالی مقام نے بنی اسد سے کربلا کی زمین خرید لی تھی اور پھر انہیں کو ہبہ کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں کے لاشوں کو دفن کر دینا۔ ان قبروں پر خدا کے فضل و کرم سے عالی شان مقبرے[1] بنے اور ہر سال لاکھوں[2] انسان آج بھی

(۱) چند مقابر کی تصاویر حصۂ تصاویر میں ملاحظہ فرمایئے۔
(۲) بی بی سی اور عالمی میڈیا کے مطابق ۲۰ صفر ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲ اپریل ۲۰۰۳ء کو (صدام حکومت کے خاتمہ کے بعد) شہدائے کربلا کے چہلم کے موقع پر بغداد، موصل، نجف اور دیگر دور دراز مقامات سے تقریباً ۵ لاکھ مسلمان پیدل وارد کربلا ہوئے۔ صدام نے پچھلے بیس بائیس برسوں سے جلوسِ شہدائے کربلا پر پابندی لگا رکھی تھی۔ ان دنوں کربلا اور مضافاتِ کربلا میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

کیوں ! میرے احسانات رشد و ہدایت کی یہی جزا تھی؟[1] یہی صلہ تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں اور میری آل و اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا؟

اہلِ کوفہ ! اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو شداد[2] اور اس کی امت کا ہوا !"۔

فوجِ یزید نے قافلۂ حسینیؑ کو بدترین مصائب میں مبتلا رکھا ہوا تھا اس کے باوجود علیؑ کی بیٹی نبئ آخرالزماںؐ کی نواسی نے اس عالم میں بھی ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ دنیا آج تک حیران ہے۔

بازارِ کوفہ میں جنابِ اُمّ کلثوم کا خطبہ[3]

"اے اہلِ کوفہ ! خدا تمھاری مدد نہ کرے کیونکہ تم لوگوں نے حسینؑ کی مدد نہیں کی بلکہ تم نے انہیں قتل کیا ان کے اموال کو غارت اور ان کی خواتین کو اسیر کیا۔ نابود اور برباد ہو جاؤ، وائے ہو تم پر کیسے خون بہائے تم نے؟ کیسی خواتین کو اسیر کیا؟ کیسے بچّوں کو برہنہ کیا؟ کیسے اموال کو غارت کیا؟ تم نے رسولؐ کے بعد بہترین مرد کو مارا ہے۔ تمہارے دلوں سے رحم ختم ہو چکا ہے۔ بے شک حزب اللہ کامیاب اور حزب الشیطان نقصان میں ہے"۔

(۱) قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)
(کہہ دو اے نبیؐ! میں بجز اپنے اہلِ بیتؑ کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا)
(۲) مصر کے ظالم بادشاہ شدّاد نے بے شمار دولت جمع کی، محل بنایا، دنیا میں جنت بنانے کی کوشش کی، خدائی کا دعویٰ کیا لیکن آخر کار فنا ہوگیا۔
(۳) الملهوف ۶۵، سوگنامۂ آلِ محمدؐ ۳۱۵، ماخوذ از "انقلابِ کربلا میں خواتین کا کردار" راضیہ بتول نجفی۔

اب غضبِ الٰہی کے لئے تیّار رہو۔ تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔ کیوں ستم گرد ! آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو۔ ہاں روؤ ! تم رونے کے مستحق ہو ، ہنسنے سے زیادہ روؤ ! تم نے اپنے دامن پر وہ دھبّہ لگایا ہے جو دھوئے نہیں چھٹے گا۔

کوفے والو ! یہ اندھیر کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور سردار جوانانِ جنت کو قتل کر ڈالا؟

بے حمیتو! تم نے اسے خاک و خون میں ملایا ہے جو تمہارے لئے کعبۂ امن ، جائے پناہ ، صلح و آشتی کی آماجگاہ اور منارۂ ہدایت تھا۔

غور تو کرو ! تم نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ کس بری طرح تم رحمتِ الٰہی سے دور ہو گئے ہو ، تمہارے مساعی عبث ، کوشش بے سود۔

ذلّت و خواری کے خریدارو ! تم عذاب میں ضرور گرفتار ہوگے۔

وائے ہو تم پر ! حق فروشو ! تم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کلیجے کو پاش پاش اور ان کے حرم کو بے پردہ کیا۔

کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا خون بہایا اور کن کن طریقوں سے سرکار ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی

پھر یہ اشعار پڑھے:

قَتَلْتُمْ اَخِیْ صَبْرًا فَوَیْلٌ لِاُمِّکُم
ستجزون نارا حرها ستوقد

(تم لوگوں نے میرے بھائی کو لاچار مارا ہے۔ وائے ہو تمھاری ماؤں پر۔ جہنم کی آگ جلد ہی تمہیں لپیٹ میں لے لے گی)

”تم نے وہ خون بہائے جنہیں خدا ، قرآن اور رسولؐ نے حرام قرار دیا تھا“۔

امِّ کلثوم کے مرثیہ سے لوگ اس طرح رونے لگے کہ اس سے قبل کسی مرد یا عورت نے ایسا گریہ نہ کیا تھا۔ خواتین شدتِ غم سے اپنے ناخنوں سے چہرے نوچتیں اور مرد اپنی ڈاڑھی نوچتے تھے۔ ہر طرف واویلا کی صدائیں بلند ہوئیں۔

بازارِ کوفہ میں سیّد السجّادؑ کا خطبہ

جب حضرتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا اور حضرت امِّ کلثوم کوفیوں کو خطاب کر چکیں تو سیّد السجاد بیمار کربلا امام زین العابدینؑ تماشائیوں کی جانب متوجّہ ہوئے۔ کمسن اور مصیبت زدہ امامؑ نے تھرّائی ہوئی آواز میں پہلے تو خدا کی حمد و ثناء کی ، ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجے ، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

”اے لوگو ! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ سنو ! میں علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند

حرمت ضائع کی !

کوفیو ! تم نے وہ کام کیا جس کے سبب کچھ دور نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے ، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں ، تمہاری بداعمالی نے پوری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

سنو! تم حیران ہو کہ اس واقعہ سے آسمان نے خون برسایا؟

ٹھہرو ! عذابِ آخرت اس سے زیادہ تمہیں رسوا کرے گا اور وہ بھی اس وقت جب کہ نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار !

ہاں ! یقین مانو ، یہ مہلت کے لمحے تمہارے بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتے ، وقت قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو قریب سمجھو ! اور داورِ محشر ، گنہگاروں کی گھات میں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا :

کوفیو ! تم اس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تم سے کہیں گے کہ تم آخری امّت ہو ، تم نے میری اولاد ، میرے اہلِ بیتؑ میری حرمت اور میرے ناموس کے ساتھ یہ کیا کیا؟ میرے گھرانے کی کچھ ہستیوں کو اسیر بنایا اور بعض کو قتل کر ڈالا !

پاک و پاکیزہ عترت کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا"۔

حقیقتِ حال کا معلوم ہونا تھا (گو ابھی فاطمہ بنت الحسینؑ کا خطبہ جاری تھا) کہ ہر طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور مجمع میں سے لوگوں نے بآوازِ بلند کہا:

"اے پاک و طیّب و طاہر کی صاحب زادی! اپنے خطبہ کو روک لیجئے کیونکہ آپ نے ہمارے دلوں میں رنج و غم کی آگ بھڑکا دی ، ہماری گردنیں شرم سے جھک گئیں اور ہمارے قلب و جگر جلنے لگے"۔

چند ساعت پہلے تک بازارِ کوفہ کے لوگ خوشیاں منا رہے تھے کیونکہ وہ حقیقتِ حال سے ناواقف اور حکومتی پروپیگنڈے کے شکار تھے حقائق سامنے آئے تو وہی لوگ جو اب تک خوشیاں منا رہے تھے آہ و زاری کرنے لگے۔ جب جناب فاطمہ بنت الحسینؑ خطبہ دے رہی تھیں اُس وقت جنابِ زینبؑ کی نظروں میں وہ منظر گھوم رہا ہوگا جب اسی کوفہ میں حضرت علیؑ خلیفۂ وقت تھے اور وہ خلیفہ کی دختر کی حیثیت سے نہایت ممتاز مرتبہ پر فائز تھیں۔ کوفہ کی خواتین بھی ان کی ایک جھلک دیکھنے کی متمنّی رہتی تھیں۔ صرف بیس برس میں زمانہ ایسا بدل گیا تھا کہ وہ قیدی کی صورت میں بازار میں کھڑی تھیں۔ یقیناً انہوں نے بہت سوچا ہوگا ، غور فرمایا ہوگا تبھی تو انھوں نے فاطمہ بنت الحسینؑ کے خطبہ کے ختم ہونے کے بعد اپنے خطبہ کا آغاز کیا۔

اور رہبر ہیں۔ اس نے اپنی نعمتوں سے ہم کو نوازا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہم کو عزّت بخشی ہے۔ اسی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ہم تمام مخلوقِ خدا سے افضل و برتر ہیں۔

اے کوفیو! تم نے ہم کو جھٹلایا، تم نے کفر اختیار کیا۔ تم نے ہمارے مردوں کو قتل کرنا جائز سمجھا اور ہمارے اموال کو مالِ غنیمت جان کر لوٹا جیسے ہم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تھے بلکہ تُرک و کابل کے کفار کی اولاد تھے کہ تم نے ہم کو اس طرح ذلیل و رسوا کیا۔ تم نے آج ہمارے پدرِ بزرگوار حسینؑ کو شہید کیا جس طرح اس سے قبل ہمارے جدِّ بزرگوار حضرت علیؑ کو شہید کیا تھا۔ تمہاری تلواروں سے اہلِ بیتؑ کا خون ٹپک رہاہے۔ کتنا پرانا بغض[1] و کینہ تھا جس کو ظاہر کرکے تم نے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور اپنے دلوں کو خوش کیا۔ تم نے خدا سے مکّاری کی لیکن یقین کر لو کہ خدا بھی بہترین تدبیر کرنے والا ہے[2]۔ تم ہمارا خون بہانے اور ہمارے اموال لوٹنے پر خوش نہ ہو جانا کیونکہ ہم پر جو بھی مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے ہیں وہ سب ہمارے اعمال

(۱) کوفہ والوں کی بے وفائی زبان زدِ خاص و عام ہے:

کوفے میں محبت نہ مروت، نہ حیا ہے

(۲) وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. (سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۵۴)
(ان لوگوں نے تدابیر سوچیں اور اللہ نے (بھی جوابی) تدبیر فرمائی کہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے)

کوفہ میں جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

الحمد للّٰہ والصّلوٰۃ علیٰ ابی محمّدٍ وآلہٖ الطّیّبین الاخیار...... اودی عَلَیٰ اِرَمِ.

(حمد و سپاس اللہ کے لئے اور درود و سلام میرے جدِّ بزرگوار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے پاک اور نیک اہلِ بیتؑ پر![1])

کوفے والو! غدر و فریب کے پجاریو! رور ہے ہو؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ رکیں۔ ہمیشہ فریاد کرتے رہو، مکّاری کے پتلو!

تم تو اس عورت کی طرح سے ہو، جو محنت سے سوت کاتتی تھی اور پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی[2]۔ قسمیں کھا کر پلٹنے والو! کذب و غرور کے مجسمو! لونڈیوں کی سی خوشامداور دشمنوں کی طرح عیب جوئی کرتے ہو؟ ظالمو! تم گھورے پر اُگی ہوئی ہریالی اور جھوٹی ملمع کاری کی طرح بےقیمت ہو۔ کس بری طرح تم نے اپنی عاقبت خراب کی ہے!

(۱) درود و سلام بھیجنا نہایت اہم ہے لہٰذا آیت اور ترجمہ پیشِ خدمت ہے:
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (سورۂ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶)
(اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے)

(۲) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ (سورۂ النحل ۱۶، آیت ۹۲)
(اور تم اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے پوری طاقت سے سوت کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ بناتے ہو)

سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ
کے لئے آسان ہے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ خدا تم سے
آسانی سے بدلہ لے سکے۔ تم نے جو کچھ کیا اس پر نازاں
نہ ہو، خدا کبھی مغرور اور متکبر☆ سے خوش نہیں ہوتا۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو۔ تم پر خدا کی لعنت، تم اس کے
عذاب کا انتظار کرو۔ تمہارے اوپر آسمانوں سے مصیبتیں
نازل ہوں گی اور ایسا عذاب آئے گا جو تم کو پیس ڈالے گا
پھر قیامت کے دن تم ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ
گے کیونکہ تم نے ہمارے اوپر بڑا ظلم کیا ہے، ظالمین پر خدا
کی لعنت ہے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے کن خبیث لوگوں نے
ہم سے جنگ کی۔ کن منحوس ہاتھوں سے تم نے ہمارے اوپر
تیر برسائے اور کن منحوس پیروں سے تم ہماری طرف
بڑھے۔ خدا کی قسم! تمہارے دل سخت ہوگئے، تمہارے جگر
پتھر ہو گئے، تمہارے دلوں پر تمہارے کانوں پر اور تمہاری
آنکھوں پر مہریں لگ گئیں، تم پر شیطان نے پوری طرح قابو
پا لیا اور تمہاری آنکھوں پر گمراہی کا پردہ ڈال دیا، تم کبھی
ہدایت نہیں پا سکتے۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو، تم کون سا عذر رسولؐ اللہ
کے سامنے پیش کرو گے جبکہ تم نے انؐ کے بھائی علیؑ
ابنِ ابی طالب، ان کی طیّب و طاہر ذرّیت اور اُن کی

☆ تکبر عزازیل را خوار کرد — بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد (سعدیؔ)

حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"آپ قرآن کے عالم اور اس پر عامل، زہد و تقویٰ
کے جوہر کے حامل اور پاکیزہ خیال، پرہیزگار، سخی، شیرین
بیان اور شیوا زبان، خدا کی معرفت رکھنے والے اور ذاتِ الٰہی
کا ثبوت تھے"۔

علامہ ابن عربی نے لکھا ہے:

"غور سے دیکھا جائے تو یہ اختصار (ابنِ ابی شیبہ کا
بیان) ہزار تفصیلوں سے بہتر ہے"۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ ذاتِ الٰہی کا ثبوت اور اس کی بڑی نشانی تھے۔

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابدآشنا ثبات
کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات
اک کارساز ذہن ہے، اک ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف
(جوشؔ ملیح آبادی)

حضرت امام حسینؑ پر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی
ہیں، لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ لکھنے والے نہ صرف
مسلمان ہیں بلکہ مختلف مذاہب کے پیروکار ہیں۔ کتاب کے ضمیمہ میں چند

کتابوں کے حوالے اور اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ابتدائی چار ادوار کے حالات خال خال ہی نظر آتے ہیں تاہم پانچویں دور کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ ہم پانچویں دور کے حالات کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور ابتدائی چار ادوار کے حالات ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اب ہم آپ کو امیرِ شام اور ''یزید کا بیعت پر اصرار اور امام حسینؑ کا انکار'' کی طرف لئے چلتے ہیں اور واقعات کو اختصار سے لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے آپ ہمارا ساتھ دیں گے اور ہمیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

یزید کی تخت نشینی اور حاکمِ مدینہ کے نام احکامات

یزید کی شام میں بیعت ہو چکی ہے اور وہ رجب ۶۰ھ (۶۷۹ء) میں تختِ شاہی پر متمکن ہو چکا ہے۔ دنیاوی ساری آسائشیں پہلے ہی سے میسر ہیں۔ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد سب اس کے قبضۂ قدرت میں آ چکی ہیں لیکن مدینۂ منوّرہ میں چند نیک دل افراد کے انکار سے اس کا دل بے چین رہتا ہے جن میں سب سے اہم شخصیت نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کی ہے۔ کچھ ہی پہلے امیرِ شام نے مدینہ میں حضرت امام حسینؑ سے کہا تھا: ''تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے، قسم ہے خدا کی یہ خون ضرور گرایا جائے گا''۔ امیرِ شام اپنی زندگی میں تو خون نہ بہا سکے، ہاں بیٹے کو پورا موقع فراہم کر گئے۔

ان کے بیٹے یزید نے سوچا ، سمجھا اور پھر طے کیا ''خون بہانا ہے اور سلطنت کو مضبوط کرنا ہے خواہ کتنی ہی متبرک ہستیاں تہِ تیغ ہوں''۔ اس نے سوچا ''جو باپ نہ کر سکا میں کر دکھاؤں''۔ ''اگر پدر نتواند، پسر تمام کند''۔ یزید بھول گیا کہ باپ نے یہ بھی کہا تھا: ''حسین ابن علی سے تعرض نہ کرنا''۔

تختِ سلطنت پر قدم رکھتے ہی یزید نے حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا جس میں امیرِ شام کے انتقال کی خبر دی اور باپ کی مدح سرائی کی ، ساتھ ہی ایک پرچہ الگ لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

''حسینؑ ابن علیؑ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعت پر سختی سے مجبور کرو اور بغیر بیعت لئے ہوئے انہیں ذرا سا بھی موقع نہ دو اور مدینے کے ایک ایک آدمی سے بیعت لی جائے اور جو بھی سرتابی کرے اس کا سر اڑا دیا جائے یا اس کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جائے''۔

خط مدینہ پہنچا۔ ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ گو بنی امیّہ کا ہی فرد تھا لیکن کسی حد تک وہ حضرت امام حسینؑ کی عظمت اور شخصیت کا قائل تھا۔ یزید کے خط نے اسے سخت دشواری میں مبتلا کر دیا کہ یزید کے حکم کو کس طرح عمل میں لایا جائے اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔

ولید بن عتبہ سے قبل مروان بن حَکَم مدینہ کا گورنر تھا۔ امیرِ شام معاویہ نے اسے معزول کر کے ولید بن عتبہ کو گورنر بنا دیا تھا حالانکہ امیرِ شام نے مروان کو دلاسہ دیا تھا کہ یزید کے بعد تم کو ہی خلیفہ نامزد

کیا جائے گا (یہ ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے)۔ مروان بن حَکَم گورنری ختم ہونے کے بعد بھی مدینہ میں ہی مقیم رہا۔ ولید بن عتبہ سے اس کے تعلّقات کشیدہ ہو گئے تھے لیکن اختلاف کے باوجود ولید بن عتبہ نے مروان بن حَکَم سے مشورہ طلب کیا۔ مروان بن حَکَم نے ولید بن عتبہ سے کہا:

''عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی تم فکر مت کرو۔ ہاں حسینؑ بن علیؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو پابند کرنا لازمی ہے، لہٰذا تم ان لوگوں کو بلوا بھیجو اور بیعتِ یزید کا مطالبہ کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو قتل کر دو''۔

مروان بن حَکَم جیسے فرد سے ایسے ہی جواب کی توقّع تھی ، مروان بن حَکَم کو حضورؐ کے حکم سے شہر بدر کیا جانا یاد آگیا ہوگا۔

ولید بن عتبہ گورنر مدینہ نے ایک قاصد حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلانے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مسجدِ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا ایک ہی وقت میں دونوں کو پیغام پہنچا۔ حضرت امام حسینؑ نے قاصد (عبداللہ بن عمر بن عثمان) سے کہا ''تم چلو ہم آتے ہیں''۔

قاصد کے چلے جانے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا: ''اس وقت بلانے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟'' حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ ان کا ظلم کا دیوتا دنیا سے اٹھ گیا اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا ہے تاکہ لوگوں کو خبر ہونے سے پہلے ہی ہم کو پابند کر لیا جائے''۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اس خیال کی تائید کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے دریافت کیا: ''پھر اب کیا کرنا چاہئے؟'' حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

''میں ابھی اپنے خاندان کے جوانمردوں کو جمع کرتا ہوں اور ان سب کے ساتھ وہاں جاتا ہوں۔ میں تنہا اندر جاؤں گا اور ان لوگوں کو دروازہ پر کھڑا کردوں گا''۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اس میں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ حضرت امام حسینؑ خاموش رہے۔

حضرت امام حسینؑ گھر تشریف لے گئے اور چند اعزّہ کو جمع کر کے ولید کے محل تک پہنچے۔ اعزّہ سے فرمایا: ''تم دروازے پر ٹھہرو ، میں اندر جاتا ہوں۔ اگر میں تمھیں بلاؤں یا تم سنو کہ ولید کی آواز بلند ہوئی تو تم سب اندر آ جانا ورنہ تم سب یہیں رکے رہنا جب تک میں باہر نہ آ جاؤں''۔

حضرت امام حسینؑ اندر تشریف لے گئے۔ گورنر مدینہ ولید بن عتبہ اور مروان بن حکم بیٹھے نظر آئے لیکن دونوں خاموش تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ''اتفاق و اتحاد بہ نسبت نزاع و اختلاف سے بہتر ہے۔ خدا تم دونوں کے تعلّقات خوشگوار بنائے''۔ آپ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور بیعتِ یزید کا مطالبہ کیا۔ امام نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون '' کہا ۔ بیعت کے بارے میں فرمایا کہ ''میرے ایسے شخص کی بیعت کو مخفی طور سے تو غالبًا تم کافی نہیں سمجھو گے جب تک کہ اعلانیہ بیعت نہ ہو اور عام لوگوں کو علم نہ ہو''۔ ولید نے کہا ''بے شک''۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ''تو پھر مجمع عام میں وفاتِ معاویہ کا اعلان کرو اور تمام لوگوں سے یزید کی بیعت لو تو اسی وقت مجھ سے بھی کہنا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس قضیہ کا فیصلہ ہوجائے''☆۔

حضرت امام حسینؑ کے اس جواب سے خوش ہو کر ولید بن عتبہ

☆ طبری ، ج ٦ ، ص ١٨٩۔ الاخبار والطوال ، ص ٢٢٩۔

نے کہا ''بہتر، آپ واپس تشریف لے جایئے اور سب کے ساتھ
پھر آیئے گا''۔

مروان جو خاموش بیٹھا صورتِ حال کا مشاہدہ کررہا تھا بول اٹھا
''ولید! کیا غضب کرتے ہو! اگر حسینؑ اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل
گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقع حاصل نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ ابھی اِن
کو گرفتار کرلو اور اگر بیعت نہ کریں تو انہیں قتل کر دو''۔

مروان بن حَکَم کی دھمکی آمیز جسارت سنتے ہی امام حسینؑ کو جلال
آگیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے: ''کیا مجال تیری یا ولید کی جو
مجھے قتل کرے۔ غلط کہا تُونے، بخدا گنہگار ہوا''۔ آپ نے یہ فرمایا اور
باہر نکل آئے اور اپنے اصحاب کی معیت میں گھر تشریف لے گئے[1]۔

مروان بن حکم نے ولید بن عتبہ سے کہا ''تم نے میرا کہا نہ مانا،
اب ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا''۔ ولید نے جواب دیا ''یہ کسی اور سے کہو۔
تم نے مجھے وہ صورت بتائی تھی جس میں میرے مذہب کی موت تھی۔ خدا
کی قسم مجھے یہ پسند نہیں گو تمام شرق و غرب کا مال و دولت میرے قبضہ
میں دے دیا جائے، پھر بھی میں حسینؑ کو قتل نہ کروں گا۔ سبحان اللہ،
میں حسینؑ کو قتل کروں! صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں، میں تنہائی
میں بیعت نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو شخص حسینؑ
کے خون کا مجرم ہوگا وہ خدا کے یہاں روزِ قیامت میزانِ عمل میں
سبک ہوگا''[2]۔ مروان نے جواب دیا ''اچھا یہ عقیدہ ہے تمہارا تو بے شک
تم نے بہت اچھا کیا''[3]۔

اس واقعہ کی یزید کو خبر ہوئی، ولید بن عتبہ کی گورنری ختم ہوئی اور
عمر بن سعید الاشرف کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

---

(۱) طبری، ج ۶، ص ۱۸۹ (۲) الاخبارالطّوال، ص ۲۲۹ (۳) طبری، ج ۶، ص ۱۹۰۔

حضرت امام حسینؑ کا بیعت سے انکار اور اس کے اثرات

حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ انکارِ بیعت
سے چند اہم اور دور رس سوالات ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔ ہماری کوشش
ہوگی کہ انہیں سوالات کے جوابات پر غور و فکر کیا جائے۔ آپ بھی
غور و فکر کریں اور ہو سکے تو اپنی آراء سے مطلع فرمائیں۔

حضرت امام حسینؑ نے انکارِ بیعت کے بعد، ان پر اور اہلِ خاندان
پر جو تشدد ہو سکتا تھا یقیناً غور فرمایا ہوگا۔ بنو امیّہ نے کن حالات میں
فتحِ مکّہ کے بعد اسلام قبول کیا حضرت امام حسینؑ کو معلوم تھا۔ حضرت
امام حسنؑ سے صلح، صلح کے بعد خلاف ورزیاں، حضرت امام حسنؑ کو
زہر دلوانا اور امیر شام کا یزید ایسے بدکردار کو خلیفہ مقرر کرنا سب آنکھوں
کے سامنے پھرا ہوگا۔ ان تمام حقائق کے باوجود حضرت امام حسینؑ کا
بیعت سے انکار اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو اپنی
قوتِ برداشت اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔ ظلم بڑھتا رہا، اور
امام حسینؑ صبر کی انتہا دکھاتے رہے۔ کبھی بھی اور کسی وقت بھی
پائے استقلال میں لرزش نہیں آئی۔ آپؑ تنہا نہ تھے بلکہ تمام
آلِ ابو طالب آپؑ کے ہمہ وقت ساتھ تھے۔

آپؑ کی، آپؑ کے مجاہدین کی اور اہلِ خاندان کی شہادت کے
بعد آپ کی محترم بہن زینب صلوات اللہ علیہا اور آپؑ کے فرزند امام
علی زین العابدینؑ اور اہلِ بیتؑ کے بچے کھچے افراد جس طرح تمام
مصائب کے باوجود ہمہ وقت راہِ مستقیم پر ڈٹے رہے دنیا اس کی مثال
پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ وہ افرادِ اہلِ بیتؑ تھے جو کسی قیمت پر
اسلام کو گزند پہنچتا نہیں دیکھ سکتے تھے خواہ کتنے ہی مصائب کے پہاڑ

ان پر ٹوٹتے رہیں۔ حادثۂ کربلا اور بعد کے واقعات اس کی بے مثل مثال ہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حسینؑ بے انتہا قوّتِ برداشت کے حامل اور صبر و شکر کے بلندترین درجے پر فائز تھے، بندگیٔ رب اور اسلام کے لئے ہر ظلم کو برداشت کرنے کے لئے تیّار تھے۔ اُن کی زیرِ نگرانی اور زیرِ تربیّت جو افراد تھے اُن کے کردار کے اندر بھی یہی خصوصیات موجود تھیں یعنی آلِ ابو طالب کا ہر فرد حسینؑ بن گیا تھا:

لے آؤ ایک بھی جیسے تھے کربلا والے
حسینؑ کا تو جہاں میں کوئی جواب نہیں

امامؑ سے بیعت پر اصرار کیوں!

آخر حضرت امام حسینؑ سے بیعت پر اصرار کیوں تھا! اسی خاندان میں محمد بن حنفیہ فرزندِ علی مرتضیٰؑ تھے، عبداللہ بن جعفر طیّارؓ تھے، حضرت عبّاس بن علیؑ اور ان کے بھائی تھے، ان کے علاوہ بھی دیگر اہم افراد تھے۔ مگر ان حضرات سے بیعت پر اصرار نہیں ہوا تو پھر آخر حضرت امام حسینؑ سے بیعت پر اس قدر اصرار کیوں تھا؟

ظاہر ہے کہ ان حضرات کی حضرت امام حسینؑ کی موجودگی میں وہ حیثیت نہ تھی جو حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ حضرت امام حسینؑ اس خاندان کے سربراہ تھے۔ وہ امامِ وقت تھے۔ عالمِ اسلام کا ہر فرد بشمول یزید یہ جانتا اور سمجھتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ کا یزید ایسے بدکردار کی بیعت کرنا اسلام کا پرچم سرنگوں کرنے اور اسلامی اقدار کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔ حضرت امام حسینؑ نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نواسے، علیؑ و فاطمہؑ کے لختِ جگر تھے وہ کیسے ایک فاسق و فاجر کی بیعت کرتے۔ ان کا بیعت کرنا اسلام کو خداحافظ کہنا تھا:

سوالِ بیعت، دربارِ شام اور حسینؑ
کہاں یزید، کہاں لاالٰہ الّا اللہ
(افتخار عارف)

بات جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنا ایک فرد سے بیعت طلب کرنا نہیں تھا بلکہ وارثِ اسلام سے بیعت طلب کرنا تھا۔ حضرت امام حسینؑ اس وقت صرف حسینؑ نہیں تھے بلکہ خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور اسلام کے نمائندہ تھے۔ حضرت امام حسینؑ بیعت کر لیتے تو یزید جو کچھ بھی کر رہا تھا اور آئندہ کرتا درست و جائز گردانا جاتا، اس طرح کشتیٔ اسلام ڈوب جاتی۔

یزید اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے کہتا ہے:

"کوئی وحی☆ آئی اور نہ کوئی خبر، بنوہاشم نے حکومت کے لئے کھیل کھیلا تھا"۔

☆
لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَهِدُوْا ... جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَلْ
لَاَهَلُّوْا وَاسْتَهَلُّوْا فَرَحاً ... وَلَقَالُوْا يَا يَزِيْدُ لَاتُشَلْ
لَسْتُ مِنْ عُتْبَةَ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ ... مِنْ بَنِیْ اَحْمَدَ مَاكَانَ فَعَلْ
لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ وَلَا ... خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

(کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ قبیلۂ 'خزرج' کی نیزہ لگنے سے آہ و زاری دیکھتے تو خوشی سے اچھل پڑتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ کاش میرے بزرگ جو جنگِ بدر میں مارے گئے زندہ ہوتے تو مجھے داد دیتے، میں نے بنی ہاشم کے سرداروں کو قتل کیا۔ میں عتبہ میں سے نہیں، اگر میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی اولاد سے اس کے فعل کا انتقام نہ لوں، بنی ہاشم نے تو اقتدار کا کھیل کھیلا تھا ورنہ، نہ تو کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی)

یہ اشعار مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہیں:
الوقائع والحوادث، ج ۵، ص ۴۷، البدایہ والنھایہ ص ۹۲، ۱۹۷، تذکرۃ الخواص ۲۷۱، ۳۰۰، مقاتل الطالبین ص ۱۲۰، الاتحاف ص۱۸، السیدۃ الزینبؑ ص ۱۷، ۱۸۔ عقیدۃ الرّسولؐ، ص ۵۸۔

بالفاظِ دیگر یزید برملا کہہ رہا ہے کہ اسلام دینِ حق نہیں۔ غور فرمایئے یزید کے اس بیان کے بعد دنیا اسلام کو کس نظر سے دیکھتی؟ ظاہر ہے دنیا بھی کہتی ''اسلام غلط دین ہے'' اسلام کا خلیفہ خود کہہ رہا ہے ''کوئی وحی آئی اور نہ خبر''۔

امامؑ کا بیعت سے انکار موجودہ جمہوریت کی نظر میں

اگر دنیوی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو اکثریت سے جبراً و قہراً سہی یزید کی بیعت امیرِ شام لے چکے تھے۔ اہلِ شام اور دیگر علاقوں کے لوگ بیعت کر چکے تھے مدینہ منوّرہ اور مکّہ مکرّمہ کی اکثریت بیعت کر چکی تھی۔ جبراً و قہراً یا لالچ ہی سے سہی۔

جمہوریت کا اصول تو یہ ہے کہ اکثریت اگر ساتھ ہو تو حکومت جائز تصور کی جاتی ہے۔ یاد رہے اکثریت کی حکومت میں اقلّیت بھی تسلیم کی جاتی ہے یہی نہیں بلکہ اقلّیت کو ایوان میں اہم مقام حاصل ہوتا ہے اس کے لیڈر کو لیڈر آف اپوزیشن (رہبرِ حزبِ اختلاف) کہا جاتا ہے حزبِ اختلاف جس قدر مضبوط ہو حکومت اتنی ہی فعال ہوتی ہے۔ دریں حالات یہ جبر، یہ قہر اور تمام تر مصائب اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر کیوں؟ یہ تو نبی اکرمؐ کا کنبہ تھا، عام انسانوں پر بھی ظلم نہیں کیا جا سکتا۔

خلافت کے ہر دور میں کچھ ایسے لوگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی لیکن کسی خلیفہ نے بیعت نہ کرنے والوں پر اس طرح ظلم و تعدّی نہیں کیا۔ خود حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں حسان بن ثابت، کعب

بن مالک اور زید بن ثابت وغیرھم جیسے بزرگواروں نے حضرت علیؑ سے بیعت نہیں کی لیکن ان پر کوئی جبر و قہر نہیں ہوا۔ صرف بیعت نہ کرنا کوئی قابلِ سزا جرم نہیں، پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اہلِ بیت پر یہ ظلم کیوں؟

حضرت امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کیوں کیا!

دوسرا اہم سوال جو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ جب اکثریت نے بیعت کر لی تھی تو حضرت امام حسینؑ نے کیوں انکار کیا؟ حق یہ ہے کہ اگر یزید کی حکومت دنیوی اقتدار تک محدود ہوتی تو یزید کو حضرت امام حسینؑ سے بیعت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی! اکثریت نے تو بیعت کر لی تھی لیکن یزید صرف دُنیوی سلطنت کے مالک ہونے کا دعوے دار نہیں تھا بلکہ خلافتِ اسلامیہ اور حکومتِ الٰہیہ کا بھی دعوے دار تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دینی جانشینی کے مترادف سمجھی جاتی۔ اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر یزید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مذہبی وارث سے اپنی حکومت کو تسلیم کرانا چاہتا تھا تاکہ اس کا ہر عمل جائز اور دینی گردانا جائے۔ یہی سخت ترین اور اہم ترین مرحلہ تھا۔ دریں حالات حضرت امام حسینؑ کا یزید کی بیعت کرنا یزید کی دنیوی حکومت کو دینی حکومت بھی تسلیم کرنا کہلاتا☆ جس کے لئے حضرت امام حسینؑ کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔

☆ سابق خلفاء اپنے کو کتاب و سنت کا محافظ سمجھتے تھے اور بیعت بھی اسی پر لی جاتی تھی کہ کتاب و سنت پر عمل ہوگا۔ یزید کے دور میں مطلق العنانی اور خودسری انتہا کو پہنچ چکی تھی اس کے باوجود وہ خلافتِ اسلامی کا دعویٰ کرتا تھا جو حضرت امام حسینؑ کو کسی قیمت پر قابلِ قبول نہ تھا۔

تیسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اور بھی افراد موجود تھے تو پھر صرف حضرت امام حسینؑ ہی سے بیعت لینے پر کیوں اصرار ہو رہا تھا؟

یزید اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس وقت حضرت امام حسینؑ ہی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دینی وارث ہیں اس لئے اس نے لازم سمجھا کہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ اگرحضرت امام حسینؑ اس وقت بیعت کر لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خاندانِ رسالت کے ہر فرد نے بیعت کرلی کیونکہ امام حسینؑ صرف ایک فرد نہیں تھے وہ امامِ وقت بھی تھے اور خاندانِ رسالت کا ہر فرد انہیں امامِ وقت تسلیم کرتا تھا لہٰذا حضرت امام حسینؑ نے سخت احساسِ ذمّہ داری کی وجہ سے تمام ترمشکلات اور مصائب کو برداشت کرنا گوارا کیا اور بیعتِ یزید سے انکار کر دیا۔ اگلے صفحات میں انہیں واقعات کی قدرے تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

موقفِ حسینیؑ کے دیگر عوامل

حضرت علیؑ ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے۔ بنو امیّہ کی طاقت اس وقت تک اس قدر مضبوط ہوچکی تھی کہ صفّین میں امیرِ شام نے حضرت علیؑ سے تقریباً برابر کی ٹکر لی اور جب پانسہ پلٹتے دیکھا تو مکّاری سے کام لیا اور نیزوں پر قرآن اٹھوا کر جنگ رکوا دی تھی۔ اسی طرح امیرِ شام نے حسبِ عادت حضرت امام حسنؑ کی فوج کے آدمیوں کے ضمیر خریدنے شروع کردیئے تھے، جو باضمیر تھے ان کے سر خاموشی سے قلم

کروا دیئے یا ان کو جیلوں میں بھروا دیا اور جو بچ رہے وہ خوف و دہشت اور مجبوری اور بددلی سے گوشہ نشین ہو گئے۔ یہی وہ حالات تھے جن سے مجبور ہو کر حضرت امام حسنؑ نے امیرِ شام سے صلح کر لی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو طرفین کی ہزاروں جانیں ضائع ہوتیں، جنگ جاری رہتی، مسلمان قتل ہوتے رہتے لیکن حاصل کچھ نہ ہوتا۔ حضرت امام حسنؑ نے صلح کر کے طرفین کے ہزاروں مسلمانوں کی جان بچائی۔ صلح میں دیگر شرائط کے ساتھ ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ امیرِ شام اپنے بعدکسی کو خلیفہ نامزد نہیں کریں گے لیکن امیرِ شام سرے سے اسے بھلا بیٹھے اور زندگی کے آخری ایّام میں یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا (یہ عوامل پچھلے صفحات پر لکھے جا چکے ہیں یہاں تجدید کی گئی ہے)۔

وجوہاتِ قیامِ امامؑ

آپؑ کا ہدف کیا تھا!

امامِ عالی مقامؑ کا ہدف واجباتِ دین پر عمل کرنا اور تمام مسلمانوں سے عمل کرانا تھا۔ اگرچہ اس کے لئے حکومت تک پہنچ کر عمل کرانا آسان ہوتا لیکن حضرت امام حسینؑ نے یزید کوختم کرنے کے بجائے یزیدیت کوختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یزیدیت یقیناً ختم ہو جاتی اگر عوام دین پر عمل پیرا ہو جاتے۔ اگر یزیدیت ختم ہو جاتی تو یزید کو اقتدار چھوڑنا پڑتا۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے جنگ کے بجائے ایثار و قربانی کا ایسا طریقہ اپنایا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

قرآن مجید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قلب پر نازل ہوا۔

نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، انفاق ، حج اور گھریلو اور نجی روابط وغیرہ کے طریقہ کا پیغام لایا۔ امام عالی مقامؑ نے انہیں طریقہ ہائے کار پر عمل ہوتے ہوئے دیکھا ، اسی عمل کو حضرت امام حسینؑ جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے۔ امیرِ شام معاویہ نے اسلام کا حلیہ بگاڑا اور مرنے سے پہلے تعلیماتِ اسلامی اور شرائطِ صلح کے خلاف اپنے نابکار و ناہنجار بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا جس کا ان کو حق نہیں تھا۔ اقتدار ملتے ہی یزید اسلام کا بیڑہ غرق کرنے پر تل گیا۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بچانے کے لئے قیام کیا اور یہ طے کر کے کیا:

''میں رہوں نہ رہوں اسلام جس کے لئے نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ازحد مصائب برداشت کئے ، محفوظ ہوجائے اور روحِ اسلام پر عمل ہوتا رہے''۔

بہ الفاظِ دیگر فاسد حکومت کی جگہ دینی حکومت قائم ہو۔ یہی مقصدِ حسینؑ علیہ السّلام تھا۔ حضرت امام حسینؑ یزید کو نہیں یزیدیت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں مسلم معاشرہ منحرف نہیں ہوا تھا ، حضرت علیؑ ابنِ ابی طالب کے زمانہ تک بھی معاشرہ بہت زیادہ منحرف نہیں ہوا تھا لیکن حضرت علیؑ کے بعد امیرِشام نے میکاولی کی حکمتِ عملی پرعمل شروع کر دیا۔ حضرت امام حسنؑ کے زمانہ میں شرطِ صلح کے خلاف جب امیرِشام پورے علاقہ پر براجمان ہو گئے تو انحراف کافی بڑھ گیا لیکن خطرہ اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ اسلام ختم ہو جاتا لیکن

کہا جا سکتا ہے کہ انحراف آخری حدیں چھو رہا تھا۔

اب یزید تختِ حکومت پر براجمان ہو چکا ہے۔ اشعار پڑھتا ہے:

''نہ کوئی خبر آئی نہ وحی ، بنو ہاشم نے حکومت کے لئے کھیل کھیلا تھا''۔ (تفصیل پچھلے صفحات میں آ چکی ہے)

اب حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ اسلامی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں ، دکھاوے کی عبادت ہوتی ہے ، لیکن نفسِ عبادت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اب ایک ایسا شخص برسرِ اقتدار ہے جو شراب پیتا ہے ، حرام کاموں کا مرتکب ہوتا ہے ، قرآن کی مخالفت میں بولتا ہے ، گویا یزید مجسّم گندی مچھلی ہے جو پورے تالاب کے پانی کو نجس کر رہی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یزید پورے اسلامی معاشرے کو گندگی سے بھرتا جا رہا تھا اور تعفّن پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔

اب جبکہ حالات اس حد تک پہنچ چکے ہیں حضرت امام حسینؑ پر ''قیام'' فرض ہو جاتا ہے۔ گو جناب عبداللہ بن جعفر طیّارؓ، جناب محمد بن حنفیہ بن علی المرتضیٰؑ ،جناب عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم سب معاشرے کے اہم افراد تھے ، یہ سب دین شناس تھے ، عارف ، عالم اور بافہم افراد تھے ، سب حضرات نے امامؑ سے کہا ''خطرہ ہے ، نہ جائیے''۔ گویا یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب ذمّہ داری کی ادائیگی کی راہ میں انتہائی خطرہ ہو تو ذمّہ داری وقتی طور پر ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ حضرات یقیناً حضرت امام حسینؑ کے بہی خواہ اور ہمدرد تھے لیکن امامِ وقت کو وہ سب کچھ بھی معلوم تھا جو ان حضرات کو معلوم نہ تھا۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بچپن کا خواب ،ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعبیر ، خاتونِ جنت

سلام اللہ علیہا کی بیٹی زینب کو وصیّت ، حضرت علیؑ کی حضرت امام حسینؑ کو وصیت☆ یہ سب معلومات امامؑ وقت کے سامنے تھیں (دیگر حضرات متذکرہ بالا کوائف سے پوری طرح واقف نہ تھے)۔سب سے بڑھ کر امام عالی مقامؑ کا مدینہ چھوڑتے وقت قبرِ رسولؐ پر جانا ، ہلکی سی غنودگی میں نبی اکرمؐ کا فرمان سننا ''بیٹے تم اعلیٰ ترین شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوگے جس کے لئے تمہیں اپنی اورپورے خاندان کی شہادت پیش کرنا ہے''۔چنانچہ امام عالی مقامؑ نے اسلام کو بچانے کی خاطر وہی سب کچھ کیا جس کی خبر نانا حضورؐ نے دی تھی ، پھر امامؑ قیام کیوں نہ فرماتے !

مسلکِ امامؑ اور قیام

الموت اولیٰ من رکوب العار۔
(عزّت کی موت ذلّت وحقارت کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے)

گو حضرت امام حسینؑ کو اپنی اور اپنے خاندان کی فطرتاً فکر تھی لیکن اصل فکر اسلام کی تھی۔ آپؑ کا فرمانا تھا:

''میں رہوں نہ رہوں ، خاندان رہے نہ رہے ، اسلام زندہ و تابندہ رہے اور ہمیشہ رہے اسلام سے ہی ہماری زندگیاں وابستہ ہیں اسلام ہے تو ہم سب ہیں ورنہ کچھ نہیں''۔

مختصر یہ کہ حضرت امام حسینؑ قضاء و قدر پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ علاّمہ اقبالؔ فرماتے ہیں :

☆ تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''نبیؐ کی نواسی حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' میں ملاحظہ فرمایئے۔

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ
سرو آزادے ز بستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیمؑ☆ آمد پسر

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حرّیت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سرجلوۂ خیرالامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمینِ کربلا بارید و رفت
در ویرانہ ہا کارید و رفت

سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمالِ را تفصیل بود

موسیٰ و فرعون و شبّیر و یزید
ایں دو قوّت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوّتِ شبّیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

حضرت امام حسینؑ کی نظروں کے سامنے سارے پچھلے واقعات تھے۔

☆ علاّمہ اقبالؒ کا سورۂ الصّٰفات کی آیت (۳۷ ، آیت ۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے:
''وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡم''. (اورہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا)

اگر حضرت امام حسینؑ مادّی جنگ لڑتے تو سوائے کشت و خون کچھ حاصل نہ ہوتا چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے جنگ کا نقشہ (WAR STRATEGY) یکسر بدل دیا اور طے کیا ، آپ اقتدار کا مقابلہ ایمان سے ،کثرت کا مقابلہ قلت سے اور ظلم کا مقابلہ فعّال مظلومیت سے یعنی طاقت کا مقابلہ کردار سے کریں گے اور اس طرح سے کریں گے کہ دنیا نے نہ تو اس سے پہلے ایسی جنگ دیکھی ہو اور نہ آئندہ دیکھ سکے اور تاریخ ان واقعات کو قلم بند کرنے پر مجبور ہو۔

یاد رہے فنِ تاریخ ہی ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال پرانے واقعات انسان گھر بیٹھے پڑھتا اور بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتا ہے ؎

تاریخ درس عبرت از گزشتگان است
برائے تہذیب و اخلاق آئندگان است
(تاریخ کیا ہے! ماضی سے سبق سیکھنے کا ذریعہ اور آنے والوں کے لئے تہذیب و اخلاق جاننے کا راستہ)

؎ جو قوم بھلا دیتی ہے تاریخ کو اپنی
اس قوم کا جغرافیہ باقی نہیں رہتا

تاریخ کی اہمیت کے سلسلہ میں سورۂ نور ۲۴ ، آیت ۳۴ پیشِ خدمت ہے:

ولقد انزلنا الیکم آیاتٍ مبیّنٰتٍ ومثلاً من الّذین
خلوا من قبلکم وموعظةً للمتقین۔
(ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزر گئے اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے)

یہ تاریخ ہی ہے جو ہمیں دربارِ بنی امیّہ کا نقشہ دکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ دمشق میں اونچے اونچے قصر ہیں جن میں بلند و بالا پھاٹک لگے

ہوئے ہیں ، ایوان کی دیواروں اور دروازوں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں جن میں سونے اور چاندی کے تار جڑے ہوئے ہیں۔ زر و جواہر سے مرصّع تخت اور زریں کمر غلام صف باندھے کھڑے ہیں اور شراب کے دور چل رہے ہیں۔ مغنّی کی صدا کبھی ساز و طرب میں سنائی دیتی ہے تو کبھی گم ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں ہوتا تو اور بہت کچھ بھی تھا لیکن سب لکھا نہیں جا سکتا کیونکہ تہذیب مانع ہے۔

دوسری طرف تاریخ ہی ہمیں اہلِ بیتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹوٹے ہوئے گھر دکھاتی ہے جن میں بوڑھے ہیں ، جوان ہیں ، بچے ہیں ، بچیاں ہیں اور خواتین ہیں ، روکھا پھیکا کھاتے ہیں۔ کھانے کے دوران اگر کوئی سائل آجاتا ہے تو کھانا اسے اٹھا کر دے دیا جاتا ہے اور خود فاقہ یا نیم فاقہ میں گزر کرلی جاتی ہے یہاں غلام و کنیز اور صاحبِ خانہ میں کوئی فرق نہیں۔ یہاں ذکرِ الٰہی ہے اور ان کا طریقِ زندگی یہ ہے کہ کمزور کی مدد کرو ، محتاج و بےکس کی ضرورت پوری کرو ، مظلوم کو ظلم سے بچاؤ اور اسلامی اخلاق کا نمونہ دنیا کو دکھاؤ۔ اصل انسانیت اور اسلام یہ ہے کہ انسان ، انسان کے کام آئے اور ظلم و تعدّی کا مقابلہ کرے:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
(حاؔلی)

لیکن

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفویؐ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی
(جمیل مظہری)

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مسلمانوں کو محنت و مشقت کے ساتھ اصولِ انسانیت کی تلقین کی تھی اور لوگوں نے دیکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مادّی ساز و سامان کو ہیچ سمجھتے تھے ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دروازے پر پھٹا ہوا پردہ پڑا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تین تین دن تک گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا ، جو کچھ آتا غریبوں ، مسکینوں میں تقسیم ہوجاتا۔ حضرت امام حسینؑ اسی خاندان کے فردِ فرید تھے وہ کیونکر برداشت کرتے کہ شاہی خزانہ بھرا رہے ، دولت رنگ رلیوں پر خرچ ہو اور عوام مصیبت میں مبتلا رہیں۔
حضرت امام حسینؑ ان حالات میں کیسے بیعت کرتے اور اسلام کی کشتی کیونکر ڈوبتے دیکھتے؟

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے حضرت امام حسینؑ کا مقصد یزید کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ اسے راہِ راست پر لانا اور یزیدیت کو ختم کرنا تھا۔ حضرت امام حسینؑ کا یہ عظیم مقصد جنگ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف قربانیوں سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ موت سے قطعاً خائف نہ تھے جس کا اظہار آپؑ کے اس یادگار خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے مکّہ سے روانگی کے وقت دیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا تھا:

"موت انسان کی گردن سے اسی طرح وابستہ ہے جیسے گلوبند جوان عورت کی گردن سے"۔(پورا خطبہ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے)

چنانچہ آپؑ نے بیعت سے انکار کیا اور بے مثال قربانیاں دے کر اسلام کو زندہ و پائندہ کر دیا:

حسینؑ ابن علیؑ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اس کی تقلیدِ حیاتِ جاودانی ہے
(مولانا ظفر علی خان)

قبل اس کے کہ اہلِ بیت علیہم السّلام کی مدینہ منوّرہ سے روانگی اور بعد کے واقعات لکھے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور اس کے مراتب بیان کیئے جائیں۔

شہید کسے کہتے اور شہید کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟

"شہود" مصدر ہے ، شہید ، شاہد ، مشہود وغیرہم اسی مصدر سے مشتق ہیں۔ اس کے ایک معنی "حاضر ہونا" ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ.
(البقرہ ۲ ، آیت ۱۳۳)
(اے بنی اسرائیل) کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب
یعقوب کے پاس موت حاضر ہوگئی ، (وہ قریب الوصال تھے)

شہداء کا مصدر "شہود" ہے اور یہاں حاضر ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے گویا شہید وہ ہے جو حاضر اور موجود ہو۔ بہ الفاظِ دیگر شہید اسے کہتے ہیں جو حاضر و موجود ہو۔ اس کے علاوہ شہید کے معنی گواہ اور شاہد کے بھی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ "شہید" کہاں حاضر ہوتا ہے؟ شہید ہونے کے بعد شہید کا جسم اپنی جگہ محفوظ رہتا ہے۔ روح فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں براہِ راست حاضر ہو جاتی ہے یہی سب سے بڑی سعادت ہے۔

اسی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جان قربان کرتا ہے اسے ''شہید'' کہتے ہیں یعنی شہید روحانی طور پر ربّ العزّت کی بارگاہ میں فوراً حاضر ہو جاتا ہے۔

شہید کی روح گرچہ جسم سے دور ہوتی ہے لیکن جسم کو تر و تازہ رکھتی ہے جس طرح سورج دور بہت دور ہوتے ہوئے بھی پودوں کو حسبِ ضرورت حدّت اور روشنی پہنچاتا رہتا ہے اور تر و تازہ رکھتا ہے۔ شہداء کا جسم روح کے فیضان سے تر و تازہ اور ابدالاباد تک تازہ و سلامت رہتا ہے، نہ تو خاکی کیڑے مکوڑے جسم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ مٹی کسی قسم کا گزند پہنچا سکتی ہے۔

حضرت سلیمانؑ علیہ السّلام کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، آپؑ نے جنّات کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی مسجد تعمیر کریں، تعمیر ہوتی رہی اور حضرت سلیمانؑ اپنے عصا کے سہارے کھڑے نگراں رہے۔ اسی حال میں آپؑ کا وصال ہوگیا اس کے باوجود ایک سال تک اسی حال میں کھڑے رہے لیکن جب عصا دیمک لگنے سے ٹوٹ گیا تو حضرت سلیمانؑ گر پڑے۔ یاد رہے کہ حضرت سلیمانؑ ایک سال تک موت کے بعد کھڑے رہے، آپؑ کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، ہاں نقصان پہنچا تو عصا کو۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ

(سورۂ سبا ۳۴، آیت ۱۴)

(پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنّات کو سلیمان کی موت کی بات کسی نے نہ بتائی سوائے زمین پر چلنے والی (دیمک) کے جو

ان کے عصا کو کھا رہی تھی۔ پھر جب سلیمان زمین پر گرے تو جنوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر وہ (جنّات) غیب جانتے ہوتے تو ذلت کے اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے)

اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ پیشِ خدمت ہے:

''جنوری ۱۹۷۸ء کو جب سعودی حکومت نے مسجدِ نبوی کے توسیعی پروگرام کے باعث حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کی قبر اکھاڑی تو میّت بالکل تر و تازہ اور صحیح و سالم تھی۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابیوں کی قبریں بھی تھیں، ان کی میّتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں۔ ان تمام میّتوں کو جنّت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔''☆

شہداء کے مراتب کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن بحث کو طول دینا مقصود نہیں لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ شہداء کی روحیں فوراً جنّت میں پہنچ جاتی ہیں اور وہاں انہیں سب کچھ میسّر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ

(سورۂ حٰم السجدہ ۴۱، آیت ۳۱)

(اور تمہارے لئے وہاں وہ سب کچھ موجود ہے جو تمہارا جی چاہے)

اب اس بحث کو یہیں روکتے ہوئے ہم آپ کو حضرت امام حسینؑ کے سفرِ مکّہ کی طرف لئے چلتے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلتے رہئے اور تمام مراحل بہ نظرِ بصیرت دیکھتے رہئے۔

شہید کی قدرے تفصیل یوں بتانی پڑی کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور قافلۂ حسینیؑ کے گنے چنے افراد نے کربلا کے میدان میں

☆ ''تاریخِ مکۃ المکرمہ''، ص ۲۰۲، محمد عبدالمعبود، رحمٰن پورہ، راولپنڈی۔

جامِ شہادت پیا ، دینِ اسلام کو بچایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہوگئے:

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد
(علامہ اقبالؒ)

اہلِ بیتؑ کی مدینۂ منوّرہ سے مکۂ مکرّمہ کو روانگی

امام حسینؑ نے غور فرمایا:

مدینہ منوّرہ میں حالات جس نہج تک پہنچ چکے ہیں میرے سامنے اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مدینہ منوّرہ کی جدائی برداشت کر لوں اور اس مقدّس شہر کو بے حرمتی سے بچا لوں۔ چنانچہ آپؑ نے اہلِ خاندان سے فرمایا: "آپ سب لوگ تیار ہو جائیں ، آج ہی رات کو یہاں سے مکّہ مکرّمہ کی طرف روانگی ہو جائے گی"۔ نبیؐ کی نواسی جناب زینب سلام اللہ نے اپنے شوہر جناب عبداللہ بن جعفر طیّار سے بھائی کے ساتھ سفر کی اجازت چاہی ، جعفر طیّارؓ نے بخوشی اجازت دے دی خود کبرسنی اور علالت کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکے۔

امامؑ عالی مقام نے روانگی کی شب کا بیشتر حصّہ مرقدِ رسولِ اکرمؐ ، والدۂ گرامی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور برادرِ بزرگ حضرت امام حسنؑ کی قبور پر گزارا۔

حسینؑ ماں کے مزار پر

اہلِ بیتِؑ اطہار کو تیاری کا حکم دے کر "کربلا کا مسافر" جنّت البقیع

ضر ہوتا ہے اور سب کے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔ ماں کی قبر پر پہنچ کر جذباتی ہو جانا فطری امر ہے۔ اس وقت بہن زینبؑ کا خواب اور نانا حضورؐ کی تعبیر ذہن میں آئی ہوگی لیکن امام حسینؑ تو تمام مصائب کو اسلام کی بقاء کی خاطر جھیلنے کے لئے تیار تھے۔ دعا کی ہوگی:

وہ صبر دے الٰہی جس میں خلل نہ آوے
تیروں پہ تیر کھاؤں ابرو پہ بل نہ آوے

حضرت امام حسینؑ نانا حضورؐ کے مزار پر

مادرِ گرامی ، برادرِ بزرگ امام حسنؑ اور جنّت البقیع کے دیگر مدفونین سے رخصت ہوکر امام عالی مقامؑ نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کے لئے مسجدِ نبویؐ حاضر ہوتے ہیں۔ رات کا نصف حصّہ گزر چکا ہے ، چاروں طرف خاموشی ہے۔ حضرت امام حسینؑ آہستہ آہستہ نانا جان کی قبر تک پہنچ جاتے ہیں درود و فاتحہ کے بعد خاموشی سے الٹے پاؤں پلٹ آتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی

رات ختم ہونے سے پہلے ہی حضرت امام حسینؑ عام شاہراہ سے ہی مکّہ کی طرف روانہ ہوئے اگرچہ عبداللہ ابن زبیر اس سے قبل عام شاہراہ چھوڑ کر غیرمعروف راستوں سے مکّہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ امام حسینؑ کو بھی یہی مشورہ دیا گیا تھا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا

"نہیں میں اسی راستہ سے جاؤں گا پھر خدا کو جو منظور ہو"۔☆

مدینہ سے روانگی کے وقت آپؑ کی زبان پر قرآن مجید کی یہ آیت تھی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ
(سورۂ القصص ۲۸، آیت ۲۱)
(اور جب نکلے وہاں سے خوف زدہ نتیجہ کے منتظر کہا: اے میرے پروردگار مجھے چھٹکارا دے اس ظالم جماعت سے)

آیتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے جب وہ فرعون کے ظلم و تشدّد سے بیزار ہو کر مصر سے باہر نکلے تھے۔ آج حضرت امام حسینؑ بنی امیّہ کے ظلم و جبر سے مجبور ہوکر نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مدینہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

امامؑ عالی مقام کی مدینہ سے ہجرت کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عین مطابق تھی کیونکہ عبودیت معبودِ برحق کی امانت ہے، اس کی حفاظت انسانی فرائض میں داخل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَرضِی وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُونِ۔
(سورۃ العنکبوت ۲۹، آیت ۵۶)
(اے میرے ایمان لانے والے بندو! میری زمین بہت وسیع ہے تو میری ہی عبادت کرو)

یاد رہے امامؑ عالی مقام کے نانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سلامتی اور اسلام کی بقا کی خاطر مکّہ سے ہجرت کی تھی آج اسی نبیؐ کا

☆ طبری، ج ۶، ص ۱۹۶۔

نواسہ مدینہ سے مکّہ ہجرت کر رہا ہے کہ اسلامی اقتدار قائم و دائم رہیں۔

یزید کی تو خواہش تھی کہ حضرت امام حسینؑ کو مدینہ ہی میں شہید کر دیا جائے لیکن حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ نے ایسا نہیں کیا، اسی وجہ سے اس کو معزول کر دیا گیا۔

مدینۂ منوّرہ سے روانگی کے وقت افرادِ خاندان

مدینہ منوّرہ سے روانگی کے وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے دادا جناب ابوطالب کی تمام اولاد کو ساتھ لیا۔☆ حضرت زینب اور امّ کلثوم آپ کی بہنیں بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ ان کے علاوہ سب بھائی، بھتیجے اور متعلقین آپ کے ساتھ تھے۔ جناب ام ہانی بنت ابوطالب پیرانہ سالی کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس سفر میں بنی ہاشم کے سوا کوئی دوسرا قبیلہ حضرت امام حسینؑ کے قافلہ میں شامل نہیں تھا۔ آپؑ کا یہ طرزِ عمل اس امر کا شاہد ہے کہ آپ قطعاً جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے ورنہ کثرت سے لوگ ساتھ جانے کے لئے تیّار تھے اور حسینؑ کے ساتھ سفر کر کے مفتخر ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ علّامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے با چنیں سامانِ سفر
(علّامہ اقبالؒ)

(آپ کا مقصد حصولِ اقتدار ہوتا تو اس بے سروسامانی سے سفر ہرگز نہ کرتے)

☆ جناب محمد حنفیہ فرزندِ حضرت علیؑ بوجوہ مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے۔

بہر حال حضرت امام حسینؑ ۲۸ ر رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مختلف منازل سے گزرتے ہوئے شبِ جمعہ ۳ ر شعبان ۶۰ھ کو مکّہ مکرّمہ میں وارد ہوئے۔

حضرتِ امامِ حسینؑ کی مکّہ میں آمد

مکّہ میں پہنچ کر بھی آپؑ خاموش زندگی گزارتے رہے۔ آپؑ تھے اور مکّہ مکرّمہ میں عبادتِ الٰہی تھی۔ نہ تو لوگوں کو خطوط لکھے اور نہ کسی کو اپنی نصرت کے لئے کہا۔ مکّہ پہنچنے کے وقت آپؑ کی زبانِ مبارک پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت تھی:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّي اَنْ يَّهْدِيَنِي سَوَآءَ السَّبِيْلِ.

(سورۃ القصص ۲۸، آیت ۲۲)

(اور جب مدین کی طرف روانہ ہوئے تو کہا امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے کی طرف لے جائے گا)

یہ آیت حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے متعلق ہے جب حضرت موسیٰؑ نے مدین میں پناہ لی تھی۔

مکّہ میں آپؑ نے قیام شعبِ ابی طالب☆ میں فرمایا۔ عبداللہ ابن زبیر حضرت امام حسینؑ سے چند دن پہلے مکّہ پہنچ چکے تھے۔ عبداللہ بن زبیر کے مکّہ میں پہنچنے کے ساتھ ہی اہلِ مکّہ ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے تھے کیونکہ یزید کے افعال و اطوار سے سبھی نالاں تھے۔ حضرت امام

☆ یہی وہ مقام ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سال تک قیام فرمایا تھا جب قریشِ مکّہ نے مقاطعہ کیا تھا۔ تفصیل "تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک" میں ملاحظہ فرمایئے۔

حسینؑ کے مکّہ میں ورود کے ساتھ ہی لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا کیونکہ آپؑ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دینی وارث تھے۔ امامؑ کی آمد عبداللہ بن زبیر کے لئے قدرے ناگواری کا سبب بنی لیکن پھر بھی حضرت امام حسینؑ سے برابر ملتے رہے۔[1]

یزید کا اقتدار اور گورنروں کا الٹ پھیر

امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان کے انتقال کے وقت مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مکّہ میں یحییٰ بن حکم بن صفوان بن امیّہ، بصرہ میں عبیداللہ بن زیاد اور کوفہ میں نعمان بن بشیر انصاری گورنر تھے لیکن حضرت امام حسینؑ کے مکّہ پہنچنے کے بعد مکّہ کے گورنر یحییٰ بن حَکَم کو معزول کیا گیا اور عمرو بن سعید بن عاص بن امیّہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔[2] کوفہ کے گورنر کو بھی تبدیل کر کے عبیداللہ ابن زیاد جیسے بدکردار اور بدنسل کو مقرر کیا گیا۔ ان تبدیلیوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کسی ایسے شخص کو گورنر نہیں دیکھ سکتا تھا جو اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے ذرا بھی نرم گوشہ رکھتا ہو۔ ان حقائق کے بعد کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ تشدّد ہوا اس کی ذمّہ داری یزید پر نہیں بلکہ عمّالِ حکومت پر ہے؟ تشدّد کسی گوشہ سے ہو، ذمّہ داری سربراہ پر جاتی ہے خصوصاً جب سربراہ مطلق العنان ہو اور سارے عمّال اس کے چہیتے ہوں۔

(۱) الاخبار الطّوال، ص ۲۳۰۔
(۲) الاخبار الطّوال، ص ۲۳۰۔

تشدّد کی کوئی انتہا تھی! شہادتِ حسینؑ کے بعد اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کو سن اور پڑھ کر انسان چیخ اٹھتا ہے۔☆

حضرت امام حسینؑ اور ان کے سب ساتھی حاملِ نفسِ مطمئنّہ تھے۔ موت کے منہ تک پہنچنے کے باوجود بالکل مطمئن تھے کہ انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔ مٹانے والے خود مٹ جائیں گے اور ایسا مٹ جائیں گے کہ ان کی قبروں کے نشانات بھی مٹ جائیں گے اور ان کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔ تاریخ ہمیں اس امر کی شہادت پیش کرتی ہے۔ بنو عبّاس اقتدار میں آئے تو بنی امیّہ کے قبروں تک کے نشانات مٹا دیئے۔ تاریخ پڑھنا نہ پڑھنا ہمارا کام ہے:

دیکھنا، کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُرغرور تھا
(میر تقی میرؔ)

☆ تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب "نبیؐ کی نواسی زینب سلام اللہ علیہا" میں بھی دیکھی اور پڑھی جا سکتی ہے۔

اہلِ کوفہ کی دعوت اور حضرت امام حسینؑ کی کوفہ روانگی کا قصد

اہلِ کوفہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ مکّہ میں مقیم ہیں تو آوازیں بلند ہوئیں کہ آپؑ ہمارے پاس آیئے۔ آپ کو امام مانتے ہیں اور آپؑ کی ہدایت کے طلب گار ہیں۔ اہلِ کوفہ کے خطوط آنا شروع ہوئے اور جلد ہی خطوط سے دو تھیلے بھر گئے۔ اس کے بعد امامؑ نے غور فرمانا شروع کیا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اہلِ کوفہ آپ کو امام تسلیم کرتے ہیں اور آپؑ سے دینی ہدایت چاہتے ہیں۔ امامؑ پر دینی ہدایت فرض ہے۔ اگر آپؑ کوفہ کی طرف روانہ نہ ہوتے تو دینی فرائض میں کوتاہی کی جاتی۔ حضرت امام حسینؑ بیعتِ یزید سے انکار کر چکے تھے۔ آئندہ بھی بیعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دوسری جانب یزید کا حکم کہ حسینؑ سے بیعت لی جائے ورنہ قتل کر دیئے جائیں۔ یاد رکھئے یزید کی حکومت صرف شام اور مدینہ تک ہی تو محدود نہ تھی وہ مکّہ میں بھی وہی کچھ کر سکتا تھا جو مدینہ میں۔ یزید کے اخلاق و عادات کی کمینگی اور احکامِ شریعت سے خودسری و بغاوت سے یہ توقع کرنا کہ وہ مکّہ مکرّمہ کا پاس و احترام کرے گا بعید از فہم ہے۔

اس کے علاوہ حضرت امام حسینؑ کو اہلِ مکّہ سے بھی اپنی حفاظت کی کوئی خاص توقع نہ تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکّہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ یزید کے جبروت کے آگے نہ تو مدینہ نہ مکّہ اور نہ طائف سے اور نہ یمن، بصرہ یا کسی اور جگہ سے صدائے احتجاج بلند ہوئی گویا ظلم وستم کے آگے سب نے ہتھیار

ڈال دیئے تھے۔

اگر حضرت امام حسینؑ مکّہ میں قیام فرما رہتے تو حضرت امام حسینؑ کا مکّہ میں شہید ہو جانا یقینی تھا جس سے مکّہ مکرّمہ کی بے حرمتی ہوتی جو حضرت امام حسینؑ کو کسی قیمت پر گوارا نہ تھی۔ آخر آگے چل کر ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیر پر اسی مکّہ میں فوج کشی ہوئی جس کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی ازحد بے حرمتی ہوئی۔

دورِ یزید میں مکّہ کی بے حرمتی

عبداللہ بن زبیر نے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا تھا (تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے) شہادت امام حسینؑ کے بعد عبداللہ بن زبیر مکّہ پر قابض ہوگئے۔ یزیدی فوج کے جنرل حصین بن نمیر نے ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں مکّہ پر حملہ کیا اور گرد و نواح کی پہاڑیوں پر منجنیق گاڑ کر شہر مکّہ اور خانۂ کعبہ پر سنگباری کی۔ خانۂ کعبہ میں آگ لگ گئی اور حجرِ اسود کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ ان ٹکڑوں کو بعد میں چاندی کی پٹی سے باندھ دیا گیا۔☆ حجرِ اسود اس امر کی شہادت آج بھی دیتا ہے۔ لاکھوں مسلمانانِ عالم ہر سال حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو حقائق کا علم ہے۔ خانۂ کعبہ کی یہ پہلی بے حرمتی تھی جو یزید کے دور میں ہوئی۔ کچھ تاریخ نویسوں نے حجاج بن یوسف کا نام لکھا ہے۔

اہلِ کوفہ کا حضرت امام حسینؑ کی آمد پر اصرار

اہلِ کوفہ کا [illegible] "[illegible] تشریف لائیے آپ ہمارے امام ہیں اور ہماری رہبری کیجیے۔ [illegible] عالی مقام وہاں

☆ تفصیل مصنف [illegible] جلال و جمال میں ملاحظہ فرمائیے۔

تشریف نہ لے جاتے اور مکّہ ہی میں شہید کر دیئے جاتے تو دنیا کہتی کہ آخر امامؑ کوفہ کیوں تشریف نہیں لے گئے؟ آخر اہلِ کوفہ نے نصرت کا وعدہ کیا تھا، اس سے قبل کوفہ والے حضرت علیؑ کی نصرت کر چکے تھے۔

غور فرمایئے حضرت امام حسینؑ مکّہ میں مقیم ہیں، اگلا سفر کوفہ کی طرف ہے۔ اہلِ کوفہ نے لکھا تھا ''آپ ہمارے امام ہیں، تشریف لایئے اور ہماری رہبری فرمایئے''۔

ان حالات میں حضرت امام حسینؑ کا کوفہ تشریف لے جانا ناگزیر ہوگیا۔ اہلِ کوفہ کی درخواست مسترد کرنا کسی حال میں مناسب نہ تھا اہلِ کوفہ صرف دینی رہبری کی درخواست کر رہے تھے۔ دینی رہبری امام پر فرض ہوتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے کوفہ روانگی سے قبل اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؑ کو جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے روانہ کیا تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔

حضرتِ مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی

حضرت مسلم بن عقیلؑ ۱۵ رمضان المبارک ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء کو مکّہ سے روانہ ہو کر پہلے مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں صرف ایک روز قیام فرمایا، دوسرے دن اپنے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم اور کچھ ساتھیوں کو ساتھ لیا اور کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ ۵ شوال ۶۰ھ کو کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے یہاں قیام فرمایا۔ اہلِ کوفہ کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی، معززینِ شہر ملاقات کی خاطر حاضر ہونے لگے۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ نے حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۱۵۲)۔

حضرت امام حسینؑ کے خط کا مضمون طبری کے مطابق حسبِ ذیل تھا☆

حضرت امام حسینؑ نے تحریر فرمایا:

''ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے اور یہ دونوں شخص تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں۔ جو کچھ تم لوگوں نے لکھا ہے میں نے غور سے پڑھا اور سمجھا۔ تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے، شائد خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کر دے۔ اچھا تو میں تمہاری طرف اپنے بھائی (چچا کے بیٹے) اور مخصوص معتمد کو روانہ کر رہا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات کے متعلق اطلاع دینگے۔ اگر انہوں نے اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور اہل حل و عقد اس امر پر جسے تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے متفق ہیں تو میں عنقریب تمہاری طرف آتا ہوں۔ واضح رہے کہ امام کے معنی نہیں سوا اس کے جو کتابِ الٰہی پر عامل ہو اور عدالت کا پابند، حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کیئے ہو۔ والسّلام''۔

طبری کے علاوہ ''ارشادِ مفید'' اور لہوف ابنِ طاؤس نے بھی ملتے جلتے الفاظ میں یہی عبارت لکھی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کو اہلِ کوفہ کے نام خط دے کر روانہ کردیا یہی لوگ اہلِ کوفہ کے آخری قاصد تھے۔

☆ طبری، ج ۶، ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ و ص ۳۱۰، ۳۱۱۔

حضرت امام حسینؑ کے اس خط سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے مسلم بن عقیل کو صرف ایک نمائندہ کی حیثیت سے روانہ کیا تھا اور کوفہ کے حالات لکھنے کو کہا تھا کسی قسم کی جنگی مہم یا حکومت کا قطعی ذکر نہیں ہے۔ حضرت امام حسینؑ دین کی بقاء اور فروغ چاہتے تھے نہ کہ دنیوی اقتدار:

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا نہیں اس کو
(غالبؔ)

حضرت مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ آمد اور واقعات

جناب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے لیکن نہ تو ''دارالامارہ'' (گورنر ہاؤس) کا رخ کیا اور نہ حاکمِ کوفہ سے کوئی گفتگو کی بلکہ حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر قیام کیا جو حضرت امام حسینؑ کو دعوت دینے والوں میں شامل تھے۔

جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد کی خبر تیزی سے سارے کوفہ میں پھیل گئی، جوق درجوق اہلِ کوفہ آپ سے ملنے آنے لگے۔ جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو مسلم نے حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا۔ امام حسینؑ کا خط سننے کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکری نے سب سے پہلے کھڑے ہوکر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

''مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہارِ رائے کا حق نہیں ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور میں ان کی طرف سے وکالت کرکے آپ کو دھوکے میں

جتلا نہیں کرنا چاہتا مگر میں صرف وہ ظاہر کرتا ہوں جسے میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ خدا کی قسم میں جس وقت بھی آپ دعوت دیں گے لبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور اگر ضرورت پڑی تو آپ کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور اس وقت تک شمشیرزنی کروں گا یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کرکے اپنے خدا سے ملاقات کروں میرا مقصد سوا رضائے پروردگار کے کچھ نہ ہوگا'' (ساری تقریر سے صرف رضائے الٰہی کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے)۔

تقریر ختم ہونا تھی کہ حبیب ابنِ مظاہر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: مرحبا، جزاک اللہ اتنے مختصر لفظوں میں تم نے حقیقت حال کو واضح کیا ہے۔ پھر مسلم کو خطاب کر کے کہا: ''خدا کی قسم، میرا بھی ذاتی حیثیت سے یہی خیال ہے جس کو عابس بن ابی شبیب نے اپنے لفظوں میں ظاہر کیا''۔ اسی سے ملتے جلتے لفظوں میں سعید بن عبداللہ حنفی نے بھی تقریر کی جس کے بعد مجمع منتشر ہوگیا۔

جناب مسلم کو حالات خوشگوار اور مطابقِ قول و قرار نظر آئے اس لئے حضرت امام حسینؑ کو خط لکھ دیا کہ تشریف لائیے۔ حالات سازگار ہیں اور اہلِ کوفہ اپنے قول و قرار پر قائم ہیں۔ مقامی حکومت کا طرزِ عمل بھی غیر روادارانہ نہیں ہے۔

گورنر کوفہ نعمان بن بشیر کا روادارانہ رویّہ

کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر کو جب حالات کا علم ہوا تو منبر پر جا کر ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اے بندگانِ خدا فتنہ و فساد اور

افتراق سے پرہیز کرو۔ اس سے خواہ مخواہ جانیں جائیں گی ، خون بہیں گے اور مالی تباہیاں ہوں گی جہاں تک میرا تعلّق ہے میں اس وقت تک کہ کوئی جارحانہ اقدام میرے خلاف نہ ہو ، کوئی اقدام نہیں کروں گا۔☆
گویا گورنر کوفہ بھی مطمئن ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی طرف سے کسی جنگی مہم کا شائبہ تک نہیں ہے۔

حضرت مسلم بن عقیل کی آمد کے بعد کوفہ میں یہ خبر گرم ہو چکی تھی کہ بہت جلد حسینؑ ابن علیؑ تشریف لانے والے ہیں ، اسی وجہ سے ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی اور لوگ حلقہ در حلقہ جماعت در جماعت بیٹھ کر اظہارِ خیال کرنے لگے تھے اور بے چینی کے ساتھ دیدہ براہ تھے کہ امامِ وقت کی آمد ہے ، سب مل کر اہلاً و سہلاً کہیں۔

عبداللہ بن مسلم حضرمی کا کردار

لیکن کوفہ کے اندر ایک ایسی جماعت بھی موجود تھی جو اِن تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر تلی ہوئی تھی ، یہ اموی حکومت کے وہ خیرخواہ لوگ تھے جنہیں اندیشہ ہوا کہ حضرت حسینؑ ابن علیؑ کی آمد کے بعد اُنہیں اموالِ خلق پر بے جا تصرّفات کا موقع نہیں ملے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص عبداللہ بن مسلم حضری نے نعمان بن بشیر کی روادارانہ تقریر کے بعد کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ آپ کا طریقِ کار صحیح نہیں ہے اور آپ کمزوری دکھا رہے ہیں ، نعمان نے کہا کہ "میں اللہ کی اطاعت کے لئے کمزور ثابت ہوں بہتر ہے اس سے کہ معصیتِ الٰہی کر

☆ طبری ، ج ۶ ، ص ۱۹۹۔

کے زورآور ثابت ہوں"۔

یہ جواب نعمان کے ضمیر کی صاف ترجمانی کر رہا ہے ، اس کے بعد اموی فسادیوں کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ بہرحال یہاں سے جا کر عبداللہ بن مسلم حضری نے فوراً یزید کے نام خط لکھا کہ

"مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہیں اور ان کے طرفداروں نے ان کے ہاتھ حسینؑ ابن علیؑ کی بیعت کرلی ہے۔ اگر آپ کو کوفہ اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے تو یہاں کوئی مضبوط آدمی بھیجیں جو آپ کے فرمان کے مطابق عمل کر سکے ، اس لئے کہ نعمان بن بشیر کمزور شخص ہیں یا وہ جان بوجھ کر کمزوری دکھا رہے ہیں"۔

سرجون بن منصور مشیرِ یزید کا بیان

عمارہ بن عتبہ اور عمرو بن سعد نے بھی ایسے ہی مضمون کے خطوط لکھ کر یزید کو روانہ کئے۔ ان خطوط کے پہنچنے پر یزید نے سرجُون بن منصور رومی سے مشورہ لیا۔ یہ شخص عیسائی تھا لیکن امیرمعاویہ کے زمانہ سے محکمۂ خراج میں کاتب تھا۔ سرجون نے گورنری کے لئے عبیداللہ بن زیاد کا نام لیا۔ یزید اس وقت تک ابن زیاد سے خفا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اسی کی وجہ سے زیاد بن سمیّہ نے میری ولی عہدی سے اختلاف کیا تھا اور یہ کہ شاید معاویہ کے بعد میرے بجائے خود خلافت کا امیدوار تھا اسی لئے اِس کا ارادہ تھا کہ وہ بصرہ کی حکومت سے بھی ابنِ زیاد کو معزول کر دے گا۔

چنانچہ ابن زیاد کا نام سنتے ہی یزید نے انکار کیا اور کہا ''نہیں، وہ ٹھیک نہیں ہے، کسی اور کا نام لو''۔ سرجُون نے کہا ''یہ بتایئے کہ اگر معاویہ اس وقت زندہ ہوتے اور وہ اس وقت آپ کو یہی رائے دیتے تو آپ قبول کرتے؟'' یزید نے کہا ''ان کے کہنے کو ضرور قبول کرتا''۔ یہ سن کر سرجون نے ایک تحریر نکالی اور کہا کہ ''یہ معاویہ کا فرمان ہے جس میں ابنِ زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ وہ اسے بھیجنے نہ پائے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ اب آپ بصرہ اور کوفہ دونوں جگہ کی حکومت عبیداللہ ابنِ زیاد کے لئے قرار دے دیجئے''۔

عبیداللہ ابنِ زیاد، کوفہ کی گورنری اور روانگی

یزید نے سرجُون کے مشورہ کے بعد ابن زیاد کو خط لکھا کہ

''مجھے کچھ لوگوں نے کوفہ سے خطوط لکھے ہیں کہ وہاں پسر عقیل (مسلم بن عقیل) نے آکر لشکر جمع کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں میں تفرقہ و فساد پیدا ہو۔ تم اس خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی اُدھر (کوفہ) روانہ ہو جاؤ اور مسلم کو قبضہ میں لا کر قید کرو، قتل کرو یا نکال دو۔ والسّلام''۔☆

یزید نے اس خط کو مسلم بن عمرو باہلی کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کیا۔ خط پڑھتے ہی ابن زیاد نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ کا قائم مقام گورنر بنایا اور خود کوفہ جانے کی تیاری کرنے لگا سب سے پہلے

☆ ارشاد شیخ مفیدؒ، ص ۲۱۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۰۔

مسجد جامع میں ایک تہدیدآمیز تقریر کی:

''اگر تم میں سے کسی نے ذرا سی بھی مخالفت کی تو میں اُسی کو نہیں بلکہ اس کے ورثاء کو بھی قتل کروں گا اور آس پاس کے آدمیوں اور خطاکار کے ساتھ بے خطا کو بھی سزا دینے میں کمی نہ کروں گا''۔☆

تقریر کے دوسرے دن ہی کوفہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ سب سے اہم بات ابن زیاد نے یہ کی کہ اپنی نقل و حرکت کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا تاکہ اس کا کوفہ میں ورود اچانک ہو۔

عبیداللہ ابنِ زیاد کوفہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے عوام کو دھوکہ دینے کی خاطر اپنی وضع میں تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اسی طریقے سے جو عرب قوم کے بہادروں کا جنگ وغیرہ کے موقع پر دستور تھا ایک ڈھاٹا باندھ لیا تاکہ شناخت ناممکن ہو جائے۔ جوں ہی شہر پناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر سوار ایک رئیس قوم پورے وقار و تمکنت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے چلا آرہا ہے اور اس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین و لجام، ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ یہ دیکھ کر اہلِ کوفہ کو غلط فہمی ہوئی اور ہر شخص سمجھنے لگا کہ حضرت حسینؑ ابن علیؑ تشریف لائے ہیں۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے عبیداللہ ابنِ زیاد کا جس طرف گزر ہوتا عوام بنظرِ تعظیم کھڑے ہو کر یہ الفاظ زبان پر جاری کرتے:

مرحبا یا بن رسول اللہ قدمت خیر مقدم۔

☆ الاخبار الطوال۔

ابنِ زیاد کسی کو جواب نہ دیتا بلکہ آوازوں کو سنتا ، چہروں کو بغور دیکھتا ، شکل و شمائل کو پہچانتا آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ مجمع بہت زیادہ ہو گیا۔ لوگ اشتیاق سے گھروں سے نکل آئے تھے اور ہر شخص فرزندِ رسولؐ سمجھ کر آگے بڑھنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ راہ چلنا دشوار ہوگیا۔ اس وقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابنِ زیاد کے ساتھ تھا پکار کر کہا" راستہ چھوڑدو یہ امیر عبیداللہ ابنِ زیاد ہیں[1] (مکّاری کی انتہا دیکھئے۔ بدکردار اور بدنسل کی یہی پہچان ہے)۔

اہلِ کوفہ کو جب معلوم ہوا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ نہیں بلکہ عبیداللہ ابنِ زیاد چلا آرہا ہے تو بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اور مسرّت آمیز ترانے سب ختم ہو گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا اور سارا مجمع تتر بتر ہو گیا یہاں تک کہ جب ابنِ زیاد دارالامارہ میں پہنچا تو چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ساتھ نہ تھے۔

ابنِ زیاد سیدھے مسجدِ جامع پہنچا ، ایک تہدیدی تقریر کی اور اپنی گورنری کا اعلان کیا اور قصر میں جاکر قیام کیا۔ نعمان بن بشیر جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے فوراً قصر خالی کر کے کوفہ سے اپنے وطن شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابنِ زیاد نے اس کے بعد تمام علاقوں کے ذمّہ دار اشخاص کو جن کا عرافت[2] کے منصب سے تعلق تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا

(۱) تلخیص از "الاخبار الطوال"، ص ۲۳۳۔

(۲) ملک عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بڑے شہروں میں ہر محلّہ میں ایک مختارِ محلّہ ہوتا تھا جو اس محلّہ کی مردم شماری اور دیگر کوائف کا ذمّہ دار تھا۔ اس منصب کو اس زمانہ میں عرافت کہتے تھے۔کم و بیش یہی طریقہ ہندوستان میں بھی برطانوی حکومت کے اخراج تک جاری تھا۔ ایسے ذمّہ دار فرد کو "سرپنچ" کہتے تھے۔

کہ جلد سے جلد ہر محلّہ کی مردم شماری ہو اور جو لوگ نووارد ہیں ان کی فہرست تیّار کی جائے اور جن لوگوں سے حکومتِ شام کو خطرہ ہے ان کے نام ادارۂ حکومت محلیّہ میں پیش کر دیئے جائیں اور اگر وہ کسی وجہ سے ان فہرستوں کے تفصیل وار ترتیب دینے سے معذور ہوں تو ضمانت داخل کریں کہ ان کے محلّہ میں کوئی متنفس بھی حاکمِ شام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوگا۔ اگر اس کے خلاف کوئی واقعہ ظاہر ہوا تو اس مختارِ محلّہ کو فوراً نہ صرف اس کے گھر کے دروازے پر سولی (پھانسی) دی جائے گی بلکہ اس کے خاندان کو ہمیشہ کے لئے اس منصب سے الگ کر دیا جائے گا۔

یہ جبری تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو۔ اب کوفہ کا چپّہ چپّہ مخبروں کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا۔ ہر شخص اپنے محلّہ میں بھی ایک گھر سے دوسرے گھر جانے سے گھبرانے لگا اور دس پانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا ناممکن ہوگیا (گویا ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء میں ہی یزیدی گورنر نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا)۔

ان حالات میں حضرت مسلم بن عقیل کو جان کا اندیشہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہوا اور آپ کو مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا مکان جس میں اب تک مقیم تھے غیر محفوظ معلوم ہوا۔ کیونکہ آپ کا وہاں قیام سب کو معلوم ہو چکا تھا۔ اگر کوئی سخت وقت آتا تو وہاں آپ کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا کیونکہ مختار بن ابی عبیدہ نہایت شریف سہی لیکن صرف ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے وہ کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے۔ دوسری دشواری یہ تھی کہ اس وقت وہ کوفہ میں خود بھی موجود نہ تھے۔☆

☆ تاریخ طبری ، جلد ۷ ، ص ۵۸۔

دریں حالات مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی
کہ آپ تاریکیٔ شب میں ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہوجائیں۔ ہانی
قبیلۂ مراد و مذحج کے سردار تھے اور ایک باوقار شخص تھے۔ وہاں حضرت
مسلم کو امن و سکون نظر آیا۔

عبیداللہ ابنِ زیاد نے دوسرے روز مجمع عام سے خطاب کیا، یزید کا
پیغام سنایا اور لوگوں کو اس کے حکم سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"تم سب میرے باپ زیاد بن ابی سفیان سے اچھی
طرح واقف ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کس قسم کی
سیاست برتنے کے عادی تھے میری ذات میں وہ تمام
عادات بدرجۂ اکمل موجود ہیں جو میرے باپ کی ذات میں
موجود تھیں علاوہ ازیں تم میری ذات سے بھی واقف ہو اور
میں بھی تم سب کو جانتا ہوں، ہر ایک کے گھر اور محلّہ سے
واقف ہوں، مجھ سے تمہاری کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ دیکھو،
میں کوفہ میں خون کے دریا بہانا پسند نہیں کرتا اور نہ تمہیں قتل
کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے اس امر کا بھی علم ہے کہ تم نے
حسین ابنِ علیؑ کے لئے مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر بیعت کی
ہے۔ بہرحال میں تم سب کو امان دینے کا وعدہ کرتا ہوں
بشرطیکہ تم اُس بیعت کو فسخ کر دو۔ جو شخص بغاوت نہیں کرنا
چاہتا اسے کسی کو اپنے پاس پناہ نہیں دینی چاہئے، بصورتِ دیگر
پناہ دینے والے کو اس کے گھر کے سامنے قتل کر دیا جائے گا"۔

عوام کو اس طرح خطاب کرنے کے بعد عبیداللہ ابنِ زیاد نے حضرت
مسلم بن عقیل کے قیام کا پتہ دریافت کیا لیکن ان کا پتہ کوئی نہ بتا سکا۔
آخر کار عبیداللہ کو اپنے جاسوسوں کی معرفت اطلاع ملی کہ وہ ہانی بن عروہ
کے گھر میں پوشیدہ طور پر رہ رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک شخص
معقل تمیمی کو مقرر کیا اور اُسے تین ہزار درہم دیئے اور ہدایت کی کہ
جب مسلم بن عقیلؑ کا صحیح پتہ لگ جائے تو اس کے پاس جا کر یہ
رقم انہیں دے کر ان سے بیعت کی درخواست کرے تاکہ مسلم بن عقیلؑ
کو یقین ہو جائے کہ معقل ان کے ساتھ ہے۔

معقل نے ابنِ زیاد کی ہدایت کے مطابق نہایت سرگرمی سے
حضرت مسلم کی تلاش شروع کر دی، آخر اُسے ایک بزرگ شخص مسلم
بن عوسجہ اسدی کا علم ہوا جس نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر
حضرت امام حسینؑ کی بیعت کر رکھی تھی، مسلم بن عوسجہ جامع مسجد میں
نماز پڑھ رہے تھے معقل بھی وہاں آگیا اور انتظار کرنے لگا، جب مسلم
بن عوسجہ نماز سے فارغ ہوئے تو معقل ان کی طرف بڑھا اور کہنے لگا:

"میں شام کا باشندہ ہوں اور اہلِ بیتؑ سے بے حد عقیدت
رکھتا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس خاندان کا ایک فرد
کوفہ آیا ہوا ہے، میں ان کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، میرے
پاس تین ہزار درہم ہیں جو میں بطورِ نذرانہ اُن کی خدمت
میں پیش کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے کوئی ایسا شخص دستیاب نہیں
ہوا جو مجھے اُن کی خدمت میں لے جاتا یا ان کا پتہ ہی بتا
دیتا۔ مسجد میں لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کسی

خاندانِ نبویؐ سے عقیدت رکھتے ہیں اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ یہ رقم مجھ سے لے کر ان تک پہنچا دیں یا مجھے بھی ہمراہ لے چلیں تاکہ میں ان سے بیعت کرلوں"۔ (مکّاری سی مکّاری ہے)

مسلم بن عوسجہ نے اُس کی گفتگو سنی تو کہا:

"مجھے تمہاری ملاقات سے بے حد خوشی بھی ہوئی ہے اور رنج بھی، خوشی تو اس امر سے ہوئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں اہلِ بیتؑ کی محبت سے نوازا ہے اور رنج اس بات سے ہوا ہے کہ ابھی ہماری تحریک مضبوط و مستحکم نہیں ہوئی ہے اگر یہ راز افشا ہوگیا اور ابنِ زیاد کو خبر ہوگئی تو وہ ظلم وستم میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا"۔

معقل نے جواب دیا "اگر آپ مجھے فی الحال حضرت مسلم بن عقیلؑ کی خدمت میں نہیں لے جا سکتے تو خود ہی مجھ سے بیعت لے لیں"۔ ابنِ عوسجہ نے اُس سے بیعت لے لی، ساتھ ہی اُس کا اخلاص دیکھ کر اور اُس کی باتیں سن کر کہا "میں حضرت مسلم بن عقیلؑ سے تمہارا ذکر کروں گا اور اگر وہ اجازت دیں گے تو تمہیں اپنے ساتھ لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گا"۔ چنانچہ مسلم بن عوسجہ نے حضرت مسلم بن عقیلؑ سے معقل کا ذکر کیا۔ مسلم بن عقیلؑ نے اُسے آنے کی اجازت دے دی۔ معقل آیا اور آپ کی بیعت کر لی اور تین ہزار درہم جو ابنِ زیاد نے اُس کو دیئے تھے حضرت مسلم بن عقیلؑ

کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت مسلمؑ نے یہ رقم ابوثمامہ صائدی کو دے دی۔ اب معقل نے حضرت مسلمؑ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کردیا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ سب سے پہلے حاضر ہوتا اور سب سے آخر میں جاتا۔ اس طرح اُس نے ہر آنے جانے والے سے واقفیت حاصل کرلی اور وہ تمام امور بھی معلوم کر لئے جن کے جاننے کی ابنِ زیاد کو ضرورت تھی۔ معقل اُن تمام امور سے عبیداللہ ابنِ زیاد کو مطلع کرتا رہتا تھا۔

ہانی بن عروہ سے ابنِ زیاد کو خطرہ تھا، ہانی بن عروہ کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، اصولاً اُن کا فرض تھا کہ وہ ابنِ زیاد گورنر کوفہ سے ملنے کے لئے جاتے لیکن وہ ابنِ زیاد کے پاس نہیں گئے اور جان بوجھ کر مریض بن گئے۔ ابنِ اثیر کی روایت ہے کہ جب ابنِ زیاد کو ہانی کی علالت کا علم ہوا تو وہ بیمار پُرسی کے لئے خود اُن کے مکان پر آیا۔ اس موقع پر عمارہ نے ہانی کو مشورہ دیا "یہ سرکش انسان اس وقت تمہارے قبضہ میں ہے، اسے قتل کر ڈالو"۔ ہانی نے کہا "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے میرے گھر میں قتل کیا جائے"۔

کچھ دنوں بعد کوفہ کا ایک رئیس شریک بن اعور بیمار پڑ گیا، وہ ہانی ہی کے گھر میں مقیم تھا۔ ابنِ زیاد اور کوفہ کے دوسرے شرفاء سب اُس کی ازحد عزّت کرتے تھے جب ابنِ زیاد کو پتہ چلا کہ شریک بن اعور بھی بیمار ہیں تو اُس نے کہلا بھیجا کہ وہ رات کو اُن کی عیادت کے لئے آئے گا۔ شریک بن اعور نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کو بلایا اور کہا "یہ فاسق و فاجر شخص رات کو میری عیادت کے لئے آ رہا ہے جب یہ آکر

اپنی نشست پر بیٹھ جائے تو آپ اچانک اُس پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالیں اور قصرِ حکومت پر قبضہ کر لیں۔

ابنِ زیاد اپنے وعدے کے مطابق رات کو ہانی بن عروہ کے گھر آیا اور کافی دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ اگر مسلم بن عقیلؑ چاہتے تو ابنِ زیاد پر حملہ کر کے اُسے نہایت آسانی کے ساتھ قتل کر سکتے تھے لیکن وہ خاموش رہے۔ ابنِ زیاد کے چلے جانے کے بعد شریک بن اعور نے حضرت مسلمؑ کو بلایا اور اُن سے پوچھا ''آپ خاموش کیوں بیٹھے رہے''۔ حضرت مسلمؑ نے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث بیان کی کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر چھپ کر حملہ نہ کرے۔

شریک نے کہا ''اگر آپ اُسے قتل کر دیتے تو لوگوں کو ایک ظالم، فاسق، فاجر اور دغاباز آدمی سے نجات مل جاتی''۔ ''اس واقعہ سے دو کرداروں کا پتہ چلتا ہے ''ایک طرف کُلِّ ایمان ہے اور دوسری طرف کُلِّ کفر''۔

ہانی بن عروہ مسلسل بیمار بنے رہے اور ابنِ زیاد کی مجلس میں حاضر نہ ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد ابنِ زیاد نے پھر دریافت کیا کہ ہانی اُس کے دربار میں کیوں حاضر نہیں ہوتا؟ لوگوں نے جواب دیا وہ بیمار ہے اس دوران میں ابنِ زیاد اپنے جاسوس معقل کے ذریعہ سے ہانی کے حالات اور مسلمؑ کے وہاں خفیہ طور پر رہنے سے واقف ہو چکا تھا۔ [illegible] نے محمد بن اشعث، اسماء بن خارجہ اور عمرو بن الحجاج کو بلایا اور اُن سے پوچھا ''ہانی بن عروہ ہمارے پاس آخر کیوں نہیں آتا؟'' انہوں نے جواب دیا ''اصل حالات کا تو ہمیں علم نہیں [illegible] کچھ دنوں سے بیمار ہے''۔ ابنِ زیاد نے کہا ''مجھے معتبر ذرائع سے علم ہوا ہے کہ وہ بالکل تندرست ہے اور اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھتا ہے۔ تم تینوں اُس کے پاس جاؤ اور اُسے ہمارے پاس جس طرح بھی ہو سکے لے آؤ''۔

چنانچہ یہ تینوں ہانی کے پاس گئے۔ وہ واقعی اُس وقت اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ہانی بن عروہ کو ابنِ زیاد کے حکم سے آگاہ کیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر ابنِ زیاد کے دربار میں پہنچے، زیاد کے پاس اُس وقت قاضی شریح بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ قاضی شریح نے ابنِ زیاد سے کہا ''لیجئے یہ خائن (ہانی بن عروہ) اپنے پاؤں چل کر آپ کے پاس آ گیا ہے''۔ ابنِ زیاد نے ہانی کی طرف دیکھ کر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے:

''میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے قبیلۂ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لئے لا''۔

ہانی بن عروہ نے پوچھا ''اے امیر، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں''۔ ابنِ زیاد نے کہا ''اب میرے سامنے تمہارا یہ تجاہلِ عارفانہ کام نہ دے گا، صاف صاف بتا دو تم اپنے مکان میں امیرالمومنین یزید بن معاویہ کے خلاف کیا کیا سازشیں کر رہے ہو۔ تم نے مسلم بن عقیلؑ کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے، تم اُن کے لئے ہتھیار فراہم کر رہے ہو، اُن کے معاون و مددگار تمہارے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور حکومت کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ تمہاری یہ کارروائیاں مجھ سے پوشیدہ ہیں؟''

ہانی نے جواب دیا ''میں نے نہ تو یزید بن معاویہ کے خلاف کوئی سازش کی ہے اور نہ ہی مسلم بن عقیل میرے گھر میں چھپے ہوئے ہیں''۔

ابنِ زیاد نے کہا ''تم جھوٹ بول رہے ہو، میں ابھی تمہارے سامنے تمام باتوں کو منکشف کئے دیتا ہوں''۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے جاسوس معقل کو طلب کیا۔ معقل آیا، ابنِ زیاد نے ہانی سے پوچھا ''تم اس شخص کو جانتے ہو؟'' ہانی نے جواب دیا ''ہاں جانتا ہوں''۔

ہانی پر اب یہ بات واضح ہو گئی کہ معقل درحقیقت جاسوس تھا اور اسی نے یہ تمام حالات ابنِ زیاد کو بتائے ہیں۔ اب ہانی کے لئے تمام باتوں کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اُس نے کہا ''اے امیر! میری گزارشات سماعت فرمایئے اور جو کچھ میں عرض کرتا ہوں اُس پر اعتماد کیجئے۔ میں نے مسلم بن عقیلؑ کو اپنے گھر پر نہیں بلایا تھا بلکہ وہ خود میرے مکان پر تشریف لائے اور پناہ طلب کی میں نے انہیں پناہ دے دی''۔

ابنِ زیاد نے کہا ''اگر یہ بات ہے تو انہیں میرے پاس حاضر کرو''۔

ہانی نے جواب دیا ''پناہ دینے کے بعد میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں کہ اپنے مہمان کو قتل کے لئے آپ کے حوالے کر دوں''۔

یہ سنتے ہی ابنِ زیاد مشتعل ہو گیا۔ ہانی نے چاہا کہ قریب کھڑے ہوئے سپاہی سے تلوار چھین کر ابنِ زیاد کو قتل کر ڈالے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، یہ دیکھ کر ابنِ زیاد بولا ''اب تو تیرا خون مجھ پر حلال ہے، حکم دیا کہ اُسے محل کے ایک حصہ میں لے جا کر قید کر دیا جائے''۔

یہ دیکھ کر اسماء بن خارجہ نہ رہ سکا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا ''آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم ہانی کو لا کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دیں لیکن جب ہم اُسے لے آئے تو آپ نے اُسے زخمی کر دیا اور اُس کی ناک توڑ ڈالی۔ اگر ہمیں پہلے اس بات کا علم ہوتا کہ آپ کا ارادہ یہ ہے تو ہم اُسے کبھی بھی آپ کی خدمت میں حاضر نہ کرتے''۔ ابنِ زیاد نے یہ سنا تو اسماء بن خارجہ کو بھی زد و کوب کرنے کا حکم دیا۔ محمد بن اشعث نے جب ہانی اور اسماء کا یہ حال دیکھا تو ڈر کر کہنے لگا ''امیر نے جو کچھ کیا ہے وہ درست ہے ہمیں امیر کے حکم کی متابعت کرنی چاہئے''۔

عمرو بن الحجاج ہانی کو ابنِ زیاد کے حوالے کر کے خود چلا گیا تھا۔

جب اسے (عمرو بن الحجاج) ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو وہ قبیلۂ مذحج کے پاس گیا اور تمام حالات اُن کے سامنے بیان کئے اور پھر انہیں اپنے ہمراہ لے کر قصرِ حکومت کا محاصرہ کر لینے کے بعد پکار کر کہا ''میں عمرو ابن الحجاج ہوں اور میرے ہمراہ قبیلۂ مذحج کے شہسوار ہیں۔ ہم نے امیر کی اطاعت ترک نہیں کی لیکن ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ہمارا سردار ہانی قتل کر دیا گیا ہے ہم اُس کا انتقام لئے بغیر یہاں سے نہ پلٹیں گے۔

عبیداللہ ابنِ زیاد نے جب یہ دیکھا تو اُس نے قاضی شریح کو جو قصر ہی میں موجود تھے حکم دیا کہ وہ ہانی کے پاس جائیں اور دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، اور مجمع کو مطلع کر دیں کہ وہ زندہ وسلامت موجود ہے۔ جب قاضی شریح نے ہانی کو زندہ دیکھ لیا تو وہ ابنِ زیاد کے جاسوس کو ساتھ لے کر مجمع کے پاس گئے اور کہا ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہانی زندہ ہے اور اُس کے قتل کئے جانے کی افواہ قطعاً غلط ہے البتہ

ابنِ زیاد نے اُس سے کچھ امور دریافت کرنے کے لئے نظر بند کر رکھا ہے۔ عمرو بن الحجاج اور اُس کے ہمراہیوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگے "اگر ہانی زندہ و سلامت موجود ہے تو خیر ہے ہم واپس چلے جاتے ہیں، ہمیں صرف اُس کی زندگی مطلوب ہے"۔ لگتا یوں ہے کہ عمرو بن الحجاج بھی اموی سیاست نہ سمجھ سکے ورنہ کہتے کہ ہانی بن عروہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا جائے۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت

عبید اللہ ابنِ زیاد نے جب ہانی بن عروہ کو قید کر لیا تو حضرت مسلم بن عقیلؓ نے سوچا کہ اب تو ابنِ زیاد کا مقابلہ کرنے اور اُس کا زور توڑ دینے کا وقت ہے یا شہید ہو جانا ہے، لہٰذا انہوں نے اپنے حامیوں کو بلایا۔ تھوڑے ہی وقت میں چند ہزار آدمی اُن کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت مسلم نے اپنا شعار یا منصور مقرر کیا اور اپنے حامیوں کو باقاعدہ ترتیب دے کر حامیوں کے ہر حصّے کے سالار مقرر کئے۔ عبدالرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلۂ کندہ و ربیعہ پر، مسلم بن عوسجہ اسدی کو قبیلہ مذحج اور اسد پر، ابو ثمامہ صائدی کو تمیم اور ہمدان کے لوگوں پر اور عبّاس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر سالار مقرر کیا۔ جب مقدمہ، میمنہ اور میسرہ مقرر کر لئے قصرِ امارت کی طرف بڑھے اور اُسے محاصرہ میں لے لیا۔ اُس وقت قصرِ حکومت میں صرف کچھ محافظ اور بیس معززینِ شہر موجود تھے یہ دیکھ کر عبیداللہ ابنِ زیاد نے کثیر بن شہاب کو بلا بھیجا اور اُسے حکم دیا کہ وہ قبیلۂ مذحج کے پاس

جائے اور انہیں یزید کی شان و شوکت اور قوت سے ڈرا کر مسلم بن عقیلؓ کا ساتھ چھوڑنے کی ترغیب دے۔ اسی طرح محمد بن اشعث کو بلا کر حکم دیا کہ کندہ اور حضرِ موت کے قبائل کے پاس جا کر امان کا نعرہ بلند کرتے ہوئے انہیں ڈرا دھمکا کر مسلمؓ کی مدد سے الگ ہونے پر مجبور کرے۔

ابنِ زیاد کے حکم کے مطابق کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث قصر امارت سے باہر آئے اور اپنے اپنے قبیلے والوں پر اثر ڈال کر انہیں حضرت مسلم بن عقیلؓ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں اس میں کافی کامیابی ہوئی اور سینکڑوں آدمی حضرت مسلمؓ کو چھوڑ کر ان دونوں (کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث) کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اُن لوگوں کو ساتھ لے کر قصرِ حکومت میں داخل ہو گئے۔ تاہم حضرت مسلمؓ کے پاس ابھی کچھ لوگ موجود تھے۔ شام سے قبل تک حضرت مسلمؓ کا پلّہ بھاری نظر آتا تھا لیکن ابنِ زیاد نے جوڑ توڑ جاری رکھا اور مسلم بن عقیلؓ کے ساتھیوں سے کہا کہ شام سے ایک عظیم لشکر کوفہ کی طرف چلا آ رہا ہے تم اس کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ کر سکو گے نیز ابنِ زیاد نے ان سے یہ بھی کہا کہ "اگر تم نے مسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تو وہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے روزینے اور وظیفے بند کر دے گا، تمہیں گرفتار کرے گا اور تم کو اور تمہارے خاندان کو بالکل تباہ کر دے گا"۔

ان دھمکیوں سے اہلِ کوفہ مرعوب ہونے لگے اور رفتہ رفتہ حضرت مسلمؓ کا ساتھ چھوڑنے لگے یہاں تک کہ شام تک اُن کے پاس صرف تیس آدمی رہ گئے جنہیں ساتھ لے کر انہوں نے نماز ادا فرمائی۔ جب اندھیرا چھا گیا تو یہ تیس آدمی بھی چلے گئے۔ نماز کے بعد دیکھا تو

ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ ناامّیدی کی حالت میں وہ کوفہ کی گلیوں میں گھومنے لگے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اب کہاں جائیں (یہ امر ذہن نشین رہے کہ کوفہ میں جو کچھ ہو رہا ہے حضرت امام حسینؑ اس سے قطعاً ناواقف ہیں ، کیونکہ امامؑ ابھی سفر میں ہیں)۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ پھرتے پھراتے ایک مومنہ عورت ''طوعہ'' کے مکان پر پہنچے ، وہ اشعث بن قیس کی لونڈی تھی جسے اشعث نے آزاد کر دیا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد اُس نے ایک شخص اسد حضری سے نکاح کر لیا تھا۔ حضری سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا۔ لڑکا اس وقت کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ حضرت مسلمؓ نے آگے بڑھ کر اُس عورت کو سلام کیا اور پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ پانی پی لینے کے بعد بھی حضرت مسلمؓ وہیں ٹھہرے رہے۔ عورت نے یہ دیکھ کر کہا ''اب آپ اپنے گھر جایئے''۔ حضرت مسلمؓ خاموش رہے۔ عورت نے پھر کہا ''اپنے گھر جاؤ''۔ حضرت مسلمؓ پھر بھی چپ رہے۔ اب طوعہ نے اپنے لہجے میں قدرے سختی اختیار کی اور کہنے لگی ''میں تمہیں بار بار کہہ رہی ہوں کہ گھر جاؤ ، میرے دروازے پر تمہارا کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے''۔ حضرت مسلمؓ نے کہا ''اے خاتون ، اس شہر میں نہ میرا گھر ہے نہ اہل و عیال ہیں۔ میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں ، مجھے امّید ہے تم اسے منظور کر لوگی ، بعد میں شاید تمہاری خدمت کرسکوں''۔ عورت نے کہا ''تم کیا چاہتے ہو؟'' حضرت مسلمؓ نے کہا ''میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اب میں بالکل بے یار و مددگار ہوں۔ تم مجھے اپنے ہاں پناہ دے دو۔ پناہ دینا اور پناہ کے بعد مسافروں کی حفاظت کرنا عربوں کی اخلاقی قدریں

رہی ہیں ، امید ہے کہ تم بھی اس پر عمل کرو گی''۔

طوعہ کو حضرت مسلمؓ کی بے چارگی پر رحم آگیا اور اپنے گھر کی ایک کوٹھری میں چھپا دیا ، کھانا پیش کیا۔ کچھ دیر بعد اُس کا بیٹا بلال بھی آگیا۔ اس نے دیکھا اس کی والدہ کوٹھری میں بار بار جاتی ہیں ، اُسے حیرانی ہوئی۔ ماں سے کہا ''تم اس کوٹھری میں بار بار کیوں آتی جاتی ہو''۔ پہلے تو طوعہ نے بتانے سے اعراض برتا لیکن بیٹے کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو ماں نے قسم لے کر کہا کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرے گا اور حضرت مسلمؓ کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

اسی دوران میں ابنِ زیاد کو معلوم ہو گیا کہ اب مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ کوئی نہیں ہے تو بہت خوش ہوا اور ساتھیوں کو لے کر مسجد میں آیا۔ شمعیں اور قندیلیں روشن کی گئیں اور کوفہ میں یہ منادی کرا دی گئی کہ شہر کے تمام محافظ اور محلوں کے تمام مرد عشاء کی نماز باجماعت مسجدِ کوفہ میں ادا کریں جو شخص حاضر نہ ہوگا اُس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

منادی کرنے کی دیر تھی کہ مسجدِ کوفہ میں لوگ آنے شروع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں مسجد آدمیوں سے بھر گئی۔ نمازِ عشاء کے وقت ابنِ زیاد نے جا بجا محافظ کھڑے کر دیئے تاکہ کوئی شخص بے خبری میں اُس پر حملہ نہ کر دے۔ پھر وہ خود نماز پڑھانے کھڑا ہوا۔ نماز کے بعد وہ منبر پر آیا اور لوگوں سے مخاطب ہوا:

''اے کوفہ کے رہنے والو ! بیوقوف اور جاہل مسلم بن عقیلؓ نے یہاں آکر جو انتشار اور فساد پیدا کیا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ یاد رکھو جس شخص کے گھر میں اُس کا سراغ ملا میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اللہ

جب ایسی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ رویا نہیں کرتے"۔ آپ نے جواب دیا "بخدا! میں اپنے لئے نہیں روتا اور نہ اپنی موت پر روتا ہوں بلکہ میں تو حضرت امام حسینؑ اور آلِ امامؑ کیلئے روتا ہوں"۔

جب حضرت مسلم بن عقیلؓ زخمی حالت میں خون آلود چہرے اور لباس کے ساتھ تشنہ لب قصرِ امارت کے دروازے پر پہنچے تو وہاں امراء اور کچھ دوسرے لوگ جن سے حضرت مسلمؓ کی جان پہچان تھی وہ ابنِ زیاد سے ملنے کی اجازت کے منتظر تھے۔ وہاں ٹھنڈے پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا۔ حضرت مسلمؓ نے اس میں سے پانی پینے کا ارادہ کیا تو ایک آدمی نے کہا کہ "خدا کی قسم، جہنّم کا کھولتا ہوا پانی پینے سے پہلے تو اس مٹکے کا پانی نہ پیے گا"۔ آپ نے اس سے کہا کہ "کھولتا ہوا پانی اور ہمیشہ کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے کا تُو زیادہ حق دار ہے"۔

آپ تھکاوٹ اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس پر عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے اپنے غلام کو بھیج کر اپنے گھر سے ٹھنڈے پانی کی ایک چھاگل اور ایک پیالہ منگوا لیا۔ عمارہ کا غلام پانی بھر بھر کر آپ کو دینے لگا مگر دو تین بار کوششوں کے باوجود آپ پانی کو حلق سے نیچے نہ اتار سکے کیونکہ اس میں چہرے کا خون مل جاتا تھا۔ کئی کوششوں کے بعد جب آپ نے پانی پیا تو پیالہ ہٹاتے ہی آپ کے سامنے دو دانت نیچے گر گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا "الحمدللہ رزق مقسوم میں سے پانی پینا ابھی میرے لئے باقی تھا۔

اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ کو ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے سلام نہ کیا۔

دربان نے پوچھا "کیا تم امیر کو سلام نہیں کرتے؟" آپ نے کہا نہیں، اگر اس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے تو مجھے اس کی حاجت نہیں اور اگر اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں ہے تو اسے سلام کرنے کے بہت مواقع پڑے ہیں"۔ اب ابنِ زیاد آپ سے مخاطب ہوا کہ" اے ابنِ عقیل! لوگوں میں اتفاق و یک جہتی تھی اور ان کی بات ایک تھی، تم آئے اور ان میں پھوٹ ڈال دی، ان کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا"۔ آپ نے کہا " ہرگز نہیں۔ میں اس کام کے لئے نہیں آیا بلکہ میرا آنا تو اس لئے ہے کہ عدل و انصاف قائم ہو اور اللہ کی کتاب کا حکم نافذ ہو"۔☆

حضرت مسلم بن عقیلؓ اورابنِ زیاد کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس میں ابنِ زیاد مختلف الزامات لگاتا رہا اور آپ ان الزامات کا مسکت جواب دیتے رہے۔ بالآخر آپ نے جان لیا کہ اس نے آپ کو قتل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے اسے کہا کہ " مجھے وصیّت کرنے کی مہلت دو"۔ ابنِ زیاد نے کہا کہ آپؓ وصیّت کر سکتے ہیں۔ آپ نے حاضرین پر نگاہ ڈالی تو ان میں عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ بھی موجود تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ" اے عمر! تم سے میری قرابت داری ہے۔ میرے ساتھ محل کے ایک گوشے میں چلو تاکہ تم سے علیٰحدگی میں باتیں کر سکوں"۔ لیکن عمر بن سعد نے آپ کے ساتھ علیٰحدگی میں جانے سے انکار کر دیا۔ آخر ابنِ زیاد نے اس کی اجازت دی اور وہ ابنِ زیاد کے قریب ہی آپ کے ساتھ علیٰحدگی میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت مسلمؓ نے

☆ "البدایہ والنہایہ"، ۸: ۱۵۴، ۱۵۶۔ ماخوذ از "فلسفۂ شہادتِ حضرت امام حسینؑ": ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

اس سے کہا کہ ”کوفہ میں میں نے سات سو درہم قرضہ دینا ہے، تم میری طرف سے یہ قرض ادا کر دینا۔ ابنِ زیاد سے میری لاش مانگ کر دفن کر دینا اور حضرت امام حسینؑ کو پیغام بھیج دینا کہ وہ کوفہ کا قصد نہ کریں۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور میرا خیال ہے وہ روانہ ہو چکے ہوں گے“۔ عمر بن سعد نے حضرت مسلمؑ کی تمام وصیتیں ابنِ زیاد کو بتا دیں۔ اس نے تمام وصیتوں پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد ابنِ زیاد کے حکم سے حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو قصرِ امارت کے چھت پر لے جایا گیا۔ وہ تکبیر و تحلیل، تسبیح و استغفار اور درود شریف پڑھتے ہوئے اوپر چڑھ گئے اور دعا مانگی ”اے اللہ! تو ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے جس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور ہمارا ساتھ چھوڑ گئی ہے“۔ اس کے بعد جلاد نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ پھر ابنِ زیاد نے ہانی بن عروہ کے قتل کا حکم دیا۔ ہانی کو سوق الغنم میں قتل کیا گیا اور ان کی لاش کو کوفہ کے مقام کناسہ پر لٹکا دیا گیا۔ بعد میں ابنِ زیاد نے کچھ دوسرے لوگوں کو بھی قتل کیا اور سارے واقعات یزید کو لکھ بھیجے☆۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ کے صاحب زادے

حضرت مسلم بن عقیلؑ نے کوفہ کے بگڑتے ہوئے حالات دیکھ کر اپنے بچوں محمد اور ابراہیم کو قاضی شریح کے ہاں حفاظت کی غرض سے بھیج چکے تھے۔ تاریخ کی اکثر کتب میں یہی آتا ہے کہ حضرت محمد اور

☆”البدایہ والنہایہ“ ج ۸ ص ۱۵۷۔ ماخوذ از ”فلسفۂ شہادتِ حضرتِ امامِ حسینؑ“ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

حضرت ابراہیم جو نوعمر اور معصوم تھے ان کو بھی حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد شہید کر دیا گیا۔

”روضۃ الشہداء“ میں ملا حسین کاشفی نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے جسے ہم ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ”فلسفۂ شہادتِ امامِ حسینؑ“ سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

”حضرت مسلم بن عقیلؑ نے ان دونوں شہزادوں کو قاضی شریح کے ہاں یہ کہہ کر بھیج دیا کہ بیٹو! تم ادھر ٹھہرو، میں تمہارے چچا ہانی کی رہائی کے لئے جنگ کرنے جا رہا ہوں اور ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ وہ دونوں اسی لمحہ سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دن گزرا، پھر رات بھی بیت گئی لیکن حضرت مسلم بن عقیلؑ کو نہ واپس آنا تھا نہ آئے۔ معصوم بچوں نے شدید مایوسی و پریشانی کے عالم میں کچھ کھایا نہ پیا۔ قاضی شریح ایک آہ بھر کر سر جھکا لیتے کہ خود میں بچوں کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرنے کا یارا نہ پاتے تھے۔ شہزادوں نے دو دن تک کچھ نہ کھایا پیا اور والد کا انتظار کیا۔ انتظار طویل تر ہو جانے پر ابراہیم اپنے بڑے بھائی سے کہنے لگا ”بھائی جان! خدا جانے ابا جان کب آئیں گے؟ میں تو مدینے کی گلیوں کے لئے اداس ہو گیا ہوں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ اُڑ کر مدینے پہنچ جاؤں۔ مجھے رہ رہ کر مدینے کے بچوں کا خیال آ رہا ہے جو کہتے ہوں گے کہ ابراہیم کوفہ جا کر ہمیں بھول گیا ہے“۔ اسی نوعیت کی معصومانہ باتیں بھائیوں

کے درمیان ہوتیں جسے سن کر قاضی شریح اور ان کے گھر والوں
کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

اسی اثناء میں کوفہ کی گلیوں میں اعلان ہونے لگا کہ جو شخص
مسلم بن عقیلؑ کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر کے لائے گا اسے
انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور جو شخص ان کو اپنے گھر
میں پناہ دے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس پر جاسوس
ہر طرف ان بچّوں کو تلاش کرنے لگے۔ اب قاضی شریح سے
رہا نہ گیا اور وہ دل تھام کر بڑی پریشانی کے عالم میں
شہزادوں کے سامنے عرض کرنے لگے ''میں بڑے افسوس کے
ساتھ تمہیں یہ خبر سنانے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ تمہارے بابا
حضرت مسلم بن عقیلؑ کو شہید کر دیا گیا ہے اور ہزاروں کوفی جو
کل تک تمہارے ہاتھ چومتے تھے، تمہارے دامن چھو چھو کر
اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے اور تمہارے بابا کے ہاتھ پر
بیعت کر کے ان کی خاطر کٹ مرنے کا اعلان کرتے تھے سب
کے سب تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اب سوائے اس کے
کوئی چارہ نہیں کہ تم چپکے سے مدینے چلے جاؤ۔ اگر میں تمہیں
مزید اپنے گھر میں ٹھہراتا ہوں تو کسی بھی لمحہ تمہاری گرفتاری
عمل میں آ سکتی ہے''۔

چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے اسد کو بلا کر کہا ''میں نے
سنا ہے آج باب العراقین سے ایک کارواں مدینۂ منوّرہ روانہ
ہونے والا ہے۔ ان دونوں بچّوں کو وہاں لے جاؤ اور کسی
ہمدرد اور محبِّ اہلِ بیتؑ کے سپرد کر کے اس کو حالات سے

آگاہ کر دینا اور تاکید کر دینا کہ ان کو بحفاظت مدینۂ منوّرہ
پہنچا دے''۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ کے بچّوں کی شہادت

قاضی شریح کا بیٹا اسد علی الصبح دونوں صاحب زادوں کو
لے کر باب العراقین پہنچا تو پتہ چلا کہ کارواں کچھ دیر پہلے
روانہ ہو چکا ہے۔ وہ دونوں بچّوں کو ساتھ لے کر اسی
راستے پر چلا، کچھ دور گئے تو گردِ کارواں نظر آئی۔ اسد
بن شریح نے کہا ''بھائی! وہ گرد اسی قافلہ کی ہے، تمہارے
ساتھ میرا جانا اور دوڑنا کچھ مناسب نہیں ہے بلکہ مصلحت کے
خلاف ہے تم دوڑ پڑو، جلد ہی تم اس قافلے سے جا ملو گے''۔
معصوم بچوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک دوسرے کا
ہاتھ پکڑ کر قافلہ کی جانب دوڑ پڑے۔ بچے بہت کم عمر تھے،
تیزی سے دوڑا بھی نہ جاتا تھا۔ کچھ ہی آگے گئے تھے کہ
چھوٹے بھائی ابراہیم کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا، تکلیف کی
وجہ سے وہ بیٹھنا چاہتا تھا اور بڑا بھائی اسے گرفتاری کے
خوف سے آگے بھگانا چاہتا تھا۔ دیر تک یہی صورتِ حال رہی
لیکن بڑا بھائی کب تک چھوٹے بھائی کو اس طرح گھسیٹ
سکتا تھا۔ وہ رکا اور چھوٹے بھائی کے پاؤں سے کانٹا نکالا۔
پھر جب وہ دوبارہ قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تو گرد تقریباً
نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اور پھر قافلہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

یہ پھول سے یتیم بچے عالمِ تنہائی میں انتہائی پریشانی کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔

دن کا اجالا پھیلتے ہی ابنِ زیاد کے سپاہی ان کی تلاش میں وہیں آ پہنچے جہاں شہزادے کھڑے تھے۔ انہوں نے ان کے حسن سے پہچان لیا کہ یہ خاندانِ نبوّت کے چشم و چراغ ہیں چنانچہ وہ ان کو گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس لے گئے۔ ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ اِن کو اُس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک میں ان کے متعلق یزید سے نہ پوچھ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

بچوں کو سیاہ کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ شہزادے یہ تنگ و تاریک اور بھیانک کوٹھری دیکھ کر حیران رہ گئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسی کوٹھری ہے؟ مدینے میں تو ہم نے ایسی کوٹھری کبھی نہیں دیکھی تھی گویا وہ معصوم جیل کے تصوّر ہی سے ناآشنا تھے۔ اداس اور غمگین ایک دوسرے سے چمٹ کر اس کالی کوٹھری میں بیٹھ گئے۔ تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے جسم نڈھال ہو چکا تھا۔ پریشانی کی کیفیت اس کے علاوہ تھی۔ جیل کا داروغہ مشکور نامی ایک پرہیزگار اور محبِ اہلِ بیتؑ شخص تھا جب اس سے ان کی مظلومیت دیکھی نہ گئی تو چپکے سے بچّوں کی رسّیاں کھول دیں اور اپنی انگوٹھی انہیں دے کر کہنے لگا کہ شہزادو! میں بھی دل میں تمہارے خاندان کی محبت چھپائے

ہوئے ہوں لیکن حالات نے ظلم و ستم اور جبر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ میری انگوٹھی لے جاؤ اور چھپ چھپا کر قادسیہ پہنچ جاؤ، وہاں کا کوتوال میرا بھائی ہے، اس سے ملنا اور میری انگوٹھی دکھا کر اپنا تعارف پیش کرنا اور مدینۂ منوّرہ پہنچانے کی فرمائش کرنا، وہ تمہیں بحفاظت مدینۂ منوّرہ پہنچا دے گا‘‘۔

ان معصوم بچّوں کو کیا خبر قادسیہ کہاں ہے؟ رات بھر چلتے رہے مگر قادسیہ نہ آیا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ وہ کوفہ کے مضافات میں ہی گھوم پھر رہے ہیں۔ معصوم بچے ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو پڑے۔ دل قدرے ہلکا ہوا تو دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک خشک درخت کا تنا ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے وہ اس خول میں چھپ گئے کہ دن تو یہاں گزاریں، رات آنے پر دیکھا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد درخت کے قریب بہنے والے چشمے سے پانی بھرنے کے لئے ایک لونڈی ادھر آگئی۔ اس کی نظر ان معصوم بچّوں پر پڑی تو بولی ’’تم کون ہو؟‘‘ بچے ہمیشہ سچ بولنے کے عادی تھے، بولے کہ مسلم بن عقیلؑ ہمارے بابا تھے جو شہید ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کر بچے ہچکیاں لینے لگے۔ وہ ولونڈی بولی ’’صاحب زادو! غم نہ کرو میں اس خاتون کی کنیز ہوں جو اہلِ بیتِ نبوّتؐ کے ساتھ سچی عقیدت و محبت رکھتی ہے۔ بالکل فکر نہ کرو اور میرے ساتھ چلو۔ دونوں شہزادے اس کنیز کے ساتھ اس کی مالکہ کے گھر چلے آئے۔ کنیز نے ان شہزادوں کو اپنی مالکہ کے سامنے

پیش کیا اور تمام واقعہ سنایا۔ اس خاتون کو بڑی خوشی ہوئی ،
اس نے اس خوشی میں کنیز کو آزاد کر دیا ، شہزادوں کے
ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی۔ انہیں نہلایا اور کھانا کھلایا۔
ان کی داستانِ غم سن کر آنسو بہائے اور انہیں ہر طرح سے
تسلّی و تشفی دی۔

ادھر ابنِ زیاد کو اطلاع ہو گئی کہ مشکور نے دونوں بچّوں
کو رہا کر دیا ہے۔ اس نے مشکور کو بلایا اور پوچھا کہ ''تم نے
پسرانِ مسلم کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' مشکور نے کہا ''میں نے
اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ان کو آزاد کر دیا ہے''۔
ابنِ زیاد نے کہا '' تُو مجھ سے نہ ڈرا؟ '' مشکور نے کہا ''جو بھی
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا''۔
ابنِ زیاد نے کہا ''ان کو رہا کرنے سے تجھے کیا ملا؟''
مشکور نے جواب دیا ''ان بچّوں کو شہید کرانے میں تو مجھے کچھ
نہ ملتا مگر اپنے اس عمل کے سبب سے مجھے ان کے جدِ اعلیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روزِ قیامت شفاعت کی امّید ہے۔
وہ میری شفاعت فرمائیں گے جبکہ تُو اس دولت سے محروم
رہے گا''۔ اس پر ابنِ زیاد غضب ناک ہوگیا اور بولا کہ
''میں ابھی تجھے اس کی سزا دوں گا''۔ مشکور نے کہا کہ'' میری
ہزار جانیں بھی ہوں تو بھی وہ آلِ نبیؐ پر قربان ہیں''۔
ابنِ زیاد نے جلّاد کو حکم دیا کہ'' اسے اتنے کوڑے مارو کہ
یہ مر جائے اور بعد میں اس کا سر تن سے جدا کر دو''۔ چنانچہ

جلّاد نے ایسا ہی کیا۔ انّاللّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

ادھر وہ نیک دل خاتون دن بھر دل و جان سے بچّوں
کی خدمت اور دل جوئی میں مصروف رہی۔ رات کو وہ ان کو
ایک علیحدہ کمرے میں سلا کر آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث
آگیا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔
خاتون نے پوچھا ''آج سارا دن تم کہاں رہے کہ اتنی دیر
سے آئے ہو؟'' کہنے لگا کہ ''صبح میں امیرِ کوفہ ابنِ زیاد کے
پاس گیا تھا وہاں مجھے معلوم ہوا کہ داروغۂ جیل مشکور نے
پسرانِ مسلم کو قید سے رہا کر دیا ہے اور امیر نے اعلان کیا
ہے کہ جو کوئی ان کو پکڑ کر لائے گا یا ان کی خبر دے گا اس کو
گھوڑا ، لباسِ فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام دیا جائے گا۔
بہت سے لوگ ان کی تلاش میں نکلے ، میں بھی ان کی تلاش
میں اِدھر اُدھر سرگرداں رہا اور اس قدر بھاگ دوڑ کی کہ
میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا۔ پھر مجھے پیدل ان کی جستجو میں
پھرنا پڑا ، اس لئے تھکاوٹ سے چُور چُور ہو گیا ہوں''۔ خاتون
نے کہا ''اے بندۂ خدا ! اللہ سے ڈر ، تجھے فرزندانِ رسولؐ
سے کیا کام ؟'' حارث کہنے لگا '' تو خاموش رہ ، تجھے نہیں
معلوم کہ ابنِ زیاد نے گھوڑا ، لباسِ فاخرہ اور بہت سا انعام و
اکرام اس شخص کو دینے کا وعدہ کیا ہے جو کوئی ان بچّوں کو
اس کے پاس پہنچائے یا ان بچّوں کے بارے میں خبر
دے''۔ خاتون نے کہا ''کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ جو دنیا

کے مال و دولت کی خاطر ان یتیموں کو دشمن کے حوالے
کرنے کی جستجو کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور دین کو دنیا
کے عوض بیچ رہے ہیں''۔ حارث نے کہا ''تجھے ان باتوں
سے کیا تعلق ، تُو کھانا لا''۔عورت نے کھانا لا کر دیا اور وہ
کھانا کھا کر آرام کرنے لگا۔

رات کو بڑے بھائی محمد بن مسلم نے ایک خواب دیکھا
اور بیدار ہو کر چھوٹے بھائی ابراہیم کو جگاتے ہوئے کہا کہ
بھائی ! اب سونے کا وقت نہیں رہا ، اٹھو اور تیّار ہو جاؤ۔
اب ہمارا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ میں نے ابھی خواب
میں دیکھا ہے کہ ہمارے ابّا جان ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلّم، حضرت علیؑ ، حضرت فاطمۃ الزّہراسلام اللہ علیہا اور
حضرت حسن مجتبیٰؑ کے ہمراہ بہشتِ بریں میں ٹہل رہے ہیں کہ
اچانک حضور اکرمؐ نے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر ہمارے
ابّاجان سے فرمایا کہ ''مسلم تم چلے آئے ہو اور ان دونوں بچّوں
کو ظالموں میں چھوڑ آئے ہو''۔ ابّاجان نے ہماری طرف دیکھ
کر کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ! میرے یہ بچّے
بھی آنے والے ہیں''۔ یہ سن کر چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی
کے منہ پر اپنا چہرہ رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ بڑے بھائی
کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا تو دونوں بھائی نہایت درد کے
ساتھ رونے لگے۔

بچّوں کے رونے کی آواز سن کر اس ظالم حارث کی آنکھ

کھل گئی۔ اس نے اپنی بیوی کو جگایا اور پوچھا کہ یہ کن کے
رونے کی آواز ہے؟ میرے گھر میں کون ہیں جو اس طرح
رو رہے ہیں۔ عورت بےچاری سہم گئی اور کچھ جواب نہ دیا۔
حارث نے اٹھ کر چراغ جلایا اور اس کمرے کی طرف گیا
جہاں سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوا
تو دیکھا کہ دو بچّے ہیں جو ایک دوسرے سے لپٹ کر زار و
قطار رو رہے ہیں۔ حارث نے پوچھا کہ ''تم کون ہو؟''
بچّوں نے ہچکیاں لیتے ہوئے جواب دیا کہ ''مسلم بن عقیلؑ
کے فرزند ہیں''۔ حارث کہنے لگا کہ ''تعجب ہے کہ میں سارا
دن تمہیں تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ میرے گھوڑے نے دم
توڑ دیا اور تم میرے ہی گھر میں موجود ہو''۔ یہ سن کر بچّے
سہم گئے۔ حارث کی بیوی نے جب اپنے شوہر کی یہ سنگ دلی
اور بےرحمی دیکھی تو اس نے اپنے شوہر کے قدموں پر سر رکھ
دیا اور کہنے لگی کہ ''ان یتیموں پر ترس کھاؤ''۔ مگر حارث نے
کہا کہ ''اگر تُو اپنی جان کی خیر چاہتی ہے تو خاموش رہ''۔
یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ مقفّل کر دیا تاکہ اس کی
بیوی بچّوں کو کہیں اور منتقل نہ کر دے۔

جب صبح ہوئی تو حارث نے تلوار ہاتھ میں پکڑی اور
بچّوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلنے لگا۔ جب عورت نے یہ منظر
دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ ننگے پاؤں پیچھے دوڑی اور
اپنے خاوند سے کہنے لگی کہ ''خدا سے ڈر اور ان یتیموں پر ترس

کہا"۔ اس پر اپنی بیوی کی منّت سماجت کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ اس کو مارنے دوڑا۔ اسی اثناء میں حارث کے ایک غلام کو جو اس کے بیٹے کا رضاعی بھائی بھی تھا معلوم ہوا تو وہ بھی پیچھے دوڑا۔ حارث نے اسے دیکھا تو کہنے لگا کہ "ممکن ہے ان بچّوں کو ہم سے کوئی چھین لے اور انعام و اکرام خود لے جائے لہٰذا یہ تلوار لو اور ان کے سرتن سے جدا کر دو"۔ وہ غلام بولا کہ "مجھ میں ان بچّوں کو قتل کرنے کی ہمّت نہیں ہے۔ مجھے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روحِ اقدس سے شرم آتی ہے۔ ان کے خاندان کے بچّوں کو قتل کر کے میں کل قیامت کے دن ان کے سامنے کس طرح پیش ہوں گا"۔ حارث نے کہا "تُو ان کو قتل کر ورنہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا"۔ وہ غلام بولا "قبل اس کے کہ تُو مجھے قتل کرے میں تجھے قتل کر دوں گا"۔ وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ حارث نے غلام کو شدید زخمی کر دیا۔ اتنے میں حارث کی بیوی اور بیٹا آگے آئے۔ حارث کے بیٹے نے کہا "اے باپ! یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ اس کو مارتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی؟" باپ نے بیٹے کو تو کوئی جواب نہ دیا مگر غلام پر ایک ایسا وار کیا کہ وہ جامِ شہادت نوش کر گیا۔ پھر حارث نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "بیٹے! یہ لو تلوار اور ان بچّوں کے سر قلم کر دو"۔ بیٹے نے کہا "ابا جان! میں نے آپ سے زیادہ سنگ دل اور

ظالم آج تک نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا اور نہ آپ کو کرنے دوں گا"۔ حارث کی بیوی نے پھر منّت سماجت کرتے ہوئے کہا کہ "ان بچّوں کو قتل نہ کرو اور اگر تُو ان کو چھوڑ نہیں سکتا تو انہیں زندہ ہی ابنِ زیاد کے پاس لے جا، اس سے تیرا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا"۔ مگر وہ کم بخت کہنے لگا "مجھے اندیشہ ہے کہ جب اہلِ کوفہ ان کو دیکھیں گے تو شور و غوغا کر کے ان کو مجھ سے چھڑا لیں گے اور میری محنت ضائع ہو جائے گی"۔

آخر وہ ظالم تلوار لے کر بچّوں کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی اس کی راہ میں حائل ہوگئی۔ اس نے اپنی بیوی پر تلوار کا وار کیا۔ بیوی گھائل ہو کر گری اور تڑپنے لگی تو ماں کو تڑپتا دیکھ کر بیٹا بھی آگے بڑھا اور باپ کے راستے کی دیوار بن گیا۔ ظالم باپ نے لالچ میں اندھے ہو کر بیٹے پر بھی تلوار کا وار کر کے اسے موت کی نیند سلا دیا۔ ماں نے جب اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹے کو قتل ہوتے دیکھا تو اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور وہ بھی راہیٔ جنّت ہوئی۔ پھر وہ ظالم حارث ان معصوم بچّوں کی طرف بڑھا اور پہلے بڑے بھائی اور پھر چھوٹے بھائی کا سرتن سے جدا کر دیا (اور نعشوں کو دریا میں پھینک دیا)۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

جب اس ظالم نے ان معصوم بچّوں کو شہید کر دیا تو سر

کاٹ کر لاشے کہیں (دریا میں) پھینک دیئے اور سر ایک
تھیلے میں ڈال کر ابنِ زیاد کے دربار کی طرف چلا۔ دوپہر
کے وقت اس نے قصرِ امارت پہنچ کر تھیلا ابنِ زیاد کے سامنے
رکھ دیا۔ ابنِ زیاد نے پوچھا ''اس میں کیا ہے؟'' اس نے
کہا ''اس میں تیرے دشمنوں کے سر ہیں''۔ ابنِ زیاد نے
پوچھا ''یہ دشمن کون ہیں؟''حارث کہنے لگا ''فرزندانِ مسلم
بن عقیلؑ''۔ ابنِ زیاد غضب ناک ہو کر گرجا ''تُو نے کس کے
حکم سے ان کو قتل کیا ہے؟ بدبخت ! میں نے تو یزید کو
لکھ کر بھیجا ہے کہ اگر حکم ہو تو ان کو زندہ بھیج دوں۔ اس نے
زندہ بھیجنے کا حکم دے دیا تو میں کیا کروں گا؟ تو ان کو میرے
پاس زندہ کیوں نہیں لایا؟'' حارث کہنے لگا کہ ''مجھے اندیشہ تھا
کہ اہلِ کوفہ شور و غوغا کر کے ان کو مجھ سے چھین لیں گے''۔
ابنِ زیاد نے کہا ''اگر تجھے یہ اندیشہ تھا تو تُو انہیں کسی محفوظ
مقام پر ٹھہرا کر مجھے اطلاع کر دیتا ، میں خود منگوا لیتا۔ تُو نے
میرے حکم کے بغیر ان کو کیوں قتل کیا ہے؟ تجھے اِس حکم عدولی
پر سزا ملے گی''۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے مقاتل نامی جلاّد کو
اس شخص کے قتل کا حکم دیا اور جلاّد نے حارث کا سر تن
سے جدا کر دیا''۔☆

اب تک جو کچھ لکھا گیا آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اسلام کی کشتی
اب بری طرح منجدھار میں پھنس چکی ہے۔ ہر طرف اسلامی اقدار کی

☆ ''روضۃ الشہداء''،ص۱۵۰ ، ماخوذ از ''فلسفۂ شہادت امام حسینؑ''،پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری۔

ں اڑائی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا شاہ معین الدین ندوی
طراز ہیں:

''اسلام ایک پیغمبرانہ نظامِ حیات ہے جس کا امتیاز یہ ہے
کہ اس میں اقتدار کی مسند بوریائے فقر ہے۔پیغمبرِ اسلام کا
یہی کارنامہ ہے کہ وہ اقتدار کو تختِ شاہی سے اتار کے مسجد
کی چٹائی پر لائے مگر ان کے بعد وہ پھر تختِ شاہی پر پہنچ گیا
اس کی تاریخ اسلام سے بغاوت کی تاریخ ہے اور اقوامِ عالم
نے اسی تاریخ سے اس کو پہچانا جس میں وہ حق بجانب تھے
انہوں نے دیکھا کہ متفرق اور متحارب اعراب نے منظم ہو کے
دنیا کے ایک بڑے حصّے کو فتح کر لیا اور مختلف مقامات پر
شاندار حکومتیں قائم کر کے فلک بوس عمارتیں بنوائیں جن
سے ویرانی اور شکستگی کے بعد بھی جاہ و جلال ٹپک رہا ہے۔
غرناطہ کا قصرِ حمراء اور قرطبہ کا قصرِ زہرا اب تک
سیاحانِ عالم کو اپنی عظمت سے مرعوب کر دیتا ہے۔
بغداد کے قصرالشجراء میں سونے کے درخت میں یاقوت و
زمرّد ، نیلم اور پکھراج کی چڑیاں ہوا کے جھونکوں سے چہکنے
لگتی تھیں۔ دروازوں پر سندس و استبرق کے پردوں میں
مروارید کی جھالر تھی۔ خلیفہ کی سواری اس شان و شکوہ سے
نکلتی تھی۔ اتنی حسین و جمیل کنیزیں ہر وقت موجود رہتی
تھیں۔ بہادر ایسا کہ ایک ہی حملہ میں فلاں ملک فتح کر لیا ، سخی
ایسا کہ ایک ایک شعر پر لاکھوں انعام دے دیا۔ موسیقی کی اتنی
سرپرستی کی کہ اس میں نئے نئے شعبے پیدا ہوئے۔ یہ مذاق

اتنا عام ہوا کہ بیگمات کی محل سرا میں بھی گانا ہوتا تھا جس میں ماہرِ فن مغنّیہ کی تعداد سو سے بھی زیادہ تھی۔ بعض مغنّیوں کو ایک ایک وقت میں چار چار لاکھ درہم انعام دیئے۔

حریمِ خلافت میلوں تک چلا گیا تھا جس کے نادر قصرالخلد قصرالذّہب اور قصرِ اسلام کو خاص امتیاز حاصل تھا اور خلیفہ انھیں محلوں میں رہتا تھا قصرالخلد اپنی زیبائش و آرائش کے لحاظ سے خلد کا نمونہ تھا۔ اس کا وسطی گنبد اسّی گز بلند تھا اور کلس پر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ (بت) تھا☆۔

عالم اب یہ تھا کہ اہلِ بیتؑ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یکہ و تنہا ہو رہے تھے، صرف گنے چُنے چند نیک دل افراد ساتھ تھے۔ جو لوگ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ساتھ دینا بھی چاہتے تھے وہ یزید اور عبیداللہ ابنِ زیاد کے ظلم وستم سے خوف زدہ ہیں۔

قیامِ امام حسینؑ کے بنیادی نکات

ان حالات میں نیک دل انسان بار بار سوچتا ہے کہ آخر حضرت امام حسینؑ نے قیام کیوں فرمایا! بات جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) یزید کی حکومت غیر اسلامی اور غیر شرعی تھی، پھر بیعت کیسی!

(۲) یزید کو یقین تھا کہ حضرت امام حسینؑ کسی قیمت پر بیعت نہیں کریں گے کیونکہ وہ نبیؐ کے نواسے ہیں، علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے ہیں۔ امیرِ شام معاویہ نے تو مدینہ میں کہہ دیا تھا کہ "حسینؑ کا خون جوش مار رہا ہے جو ضرور بہے گا"۔

☆ "تاریخِ اسلام" (حصۂ اول): مولانا معین الدین ندوی، ص ۶۱، ماخوذ از "اسلام پر کیا گزری" مولانا محمد باقر شمس، ص ۱۵۔۱۶۔

(۳) یزیدیوں کا نصب العین تھا "قتلِ حسینؑ"۔ یزید نے دربارِ شام برملا کہا تھا "نہ کوئی وحی آئی نہ خبر، بنوہاشم نے اقتدار کی خاطر کھیل لا تھا"۔

(۴) حضرت امام حسینؑ کو آنے والے واقعات کا علم ہوچکا تھا۔ ضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حضرت امّ سلمٰی کو خاک دینا اور یہ انا کہ جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا میرا حسینؑ د ہو گیا۔

(۵) اگر حضرت امام حسینؑ فوج اکٹھی کرتے تو آخر مسلمانوں کا ہی ن بہتا اور بے حساب بہتا۔ امام عالی مقام مسلمانوں کا خون بہتا دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ امامِ عالی مقامؑ نے مدافعت کو نیا رنگ اور گ دیا اور ایک ایسا لائحۂ عمل اختیار کیا جس کی مثال نہیں ملتی یعنی:
فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے طاقت کا مقابلہ کردار، اقتدار کا مقابلہ صبر سے، کثرت کا مقابلہ قلت سے، ظلم کا مقابلہ ن مظلومیت سے، حیوانیت کا مقابلہ انسانیت سے اور شیطانیت کا بلہ رضائے الٰہی سے کر کے حق اور باطل کے درمیان حدِّ فاصل قائم ر دی۔ حضرت امام حسینؑ کا مقصد حقائق کو اجاگر کرنا تھا جو بدرجۂ اتم را ہوا۔ خود نہ رہے، اسلام کو قائم و دائم کر گئے:

نہ یزید کا وہ ستم رہا، نہ وہ ظلم ابنِ زیاد کا
جو رہا تو نام حسینؑ کا، جسے زندہ رکھتی ہے کربلا
(مولانا ظفر علی خان)

امامؑ عالی مقام کی مظلومیت فعال مظلومیت تھی اس کے اثرات ررس ثابت ہوئے۔ تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام حسینؑ نے مکّہ سے روانگی کا قصد کیوں کیا؟

جب ، جہاں اور جیسے ہی حضرت امام حسینؑ کی مکّہ سے عراق
ی جانب روانگی ذہن میں آتی ہے خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت
ام حسینؑ نے مکّہ میں تقریباً چار ماہ قیام کے بعد جبکہ حج شروع ہونے
ی والا تھا حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور طواف کعبہ کرکے ۸ر ذی الحجہ ۶۰ھ
طابق ۶۷۹ء کو عراق (کوفہ) کی طرف کیوں روانہ ہوگئے؟

اس سوال کے جواب کے لئے مختصراً وہ پس منظر بیان کیا جاتا
ہے جس کے علم میں آنے کے بعد یہ معمّا خود بخود حل ہو جائے گا
کہ امام حسینؑ نے حج کو عمرہ میں تبدیل کرکے مکہ سے روانگی کا قصد
کیوں کیا؟

پچھلے واقعات کے تناظر میں دیکھئے تو صورتِ حال یہ ہو چکی تھی
کہ یزید کا مدینہ میں بھی تہدیدی حکم پہنچ چکا تھا ”حسینؑ سے بیعت لو یا
قتل کردو“۔ ایسی صورت میں حسینؑ کا مدینہ میں قیام ناممکن ہوچکا
تھا۔ چنانچہ امامِ عالی مقامؑ نے شہرِ امن مدینہ کو مجبوراً چھوڑا اور مکّہ یعنی
حرمِ کعبہ کا رخ کیا۔

اگر آپ مدینہ میں مقیم رہتے تو وہیں قتل کردیئے جاتے اس طرح

حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بے حرمتی یقینی تھی ، جو حضرت امام حسینؑ کو کسی قیمت پر قبول نہ تھی۔ آخر ذی الحجہ ۶۳ھ مطابق ۶۸۲ء میں واقعۂ ''حرہ'' پیش آیا اور مدینہ کی ایسی بے حرمتی ہوئی کہ نیک دل انسان خون کے آنسو روتا ہے ، مدینہ کی بےحرمتی ہوئی لیکن امامِ عالی مقام کی شہادت کے بعد میں ہوئی۔(۱)

مکّہ مکرّمہ میں بھی دیر تک قیام پُرخطر تھا۔ مکّہ مکرّمہ کی بےحرمتی ہر نیک دل مسلمان کے لئے سوہانِ روح ہوتی۔ یزید جیسے بد اخلاق اور خود سر سے یہ توقع کہ وہ مکّہ مکرّمہ کے دینی احترام کا لحاظ کرے گا ''ایں خیال است و محال است وجنوں''۔ تاریخ پر نظر دوڑایئے آخر عبداللہ بن زبیر پر اسی مکّہ میں ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں فوج کشی ہوئی ، وہ قتل ہوئے اور خانۂ کعبہ پر آگ برسائی گئی۔ یہی کعبہ کی پہلی بےحرمتی ہے دونوں مقدس مقامات کی بےحرمتی یزید پلید نے کرائی۔

اگر حضرت امام حسینؑ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہتے تو امام حسینؑ اور اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ وہی سب کچھ مکّہ میں قیام کے دوران ذی الحجہ ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء میں ہی وقوع پذیر ہو جاتا جو کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو ہوا۔ حضرت امام حسینؑ کسی حال میں مکّہ مکرّمہ کی بےحرمتی(۲) برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ کیسے کرتے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا:

حُسَیۡنٌ مِنّی وَ اَنَا مِنَ الۡحُسَیۡن۔

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

(۱) بےحرمتی کی تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''ارضِ جلال و جمال'' ص ۲۳۳ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۲) تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''ارضِ جلال و جمال'' ص ۱۵۹-۱۶۰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام حسینؑ کی مدینہ سے ہجرت کے بعد کسی عرب علاقہ مثلاً طائف ، یمن ، بصرہ ، یمامہ وغیرہ کہیں سے بھی یزید کے خلاف آواز نہیں اٹھی کیونکہ سب کے سب یزید کے مظالم سے خائف تھے۔ جان پیاری ہوتی ہے ظالم سے سب ڈرتے ہیں۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی ذات گرامی قدر تھی کہ بھرا گھر لٹا دیا لیکن مدینۂ منورہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی اپنی حیات میں نہ ہونے دی۔

ہاں ، اگر کہیں سے آواز اٹھی تو یہ عراق کا مرکز کوفہ تھا۔ صرف کوفہ سے سات قاصد یکے بعد دیگرے مکّہ بھیجے گئے اور بےشمار خطوط امامؑ کی خدمت میں پہنچے کہ تشریف لایئے ، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ امامِ وقت ہیں ہماری رہنمائی فرمایئے۔ کوفہ سے جو قاصد آئے ان میں حبیب ابنِ مظاہر ، سلیمان بن صرد اور رفاعہ بن شدّاد شامل تھے۔

اب ذرا غور فرمایئے دریں حالات اگر حضرت امام حسینؑ مکّہ میں قیام فرما رہتے اور شہید کر دیئے جاتے تو لوگ کہتے کہ آپ کوفہ کیوں نہیں گئے؟ یہ کون سی ہوش مندی تھی کہ اتنے بڑے خطّہ کی دعوت کو رد کر دیا جب کہ وہیں کے لوگ آپ کے والدِ بزرگوار علیؑ مرتضیٰ کی نصرت کر چکے تھے اور اب آپ کو نصرت کی دعوت پر دعوت دیئے جا رہے تھے۔ آپؑ کو امامِ وقت مانتے تھے اور آپؑ کی رہبری چاہتے تھے۔

مکّہ ایک بےآب و گیاہ علاقہ تھا۔ یہاں کے لوگ پست ہمّت اور بے مہر و وفا چلے آ رہے تھے۔ آخر وہ مکّہ والے ہی تھے جنھوں نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ صرف

چند لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ تھے ، باقی سب جانی دشمن تھے۔[1] یہ وہی مکّہ والے لوگ تھے جنہوں نے ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں عبداللہ بن زبیر کو قتل ہوتے دیکھا ، خود بھی قتل ہوئے ، خانۂ کعبہ کی بے حرمتی دیکھی اور خاموش رہے۔

حضرت امام حسینؑ مکہ والوں کو خوب سمجھتے تھے لہٰذا یہاں قیام بعید از فہم و تدبّر تھا (جو حضرات حج کر چکے ہیں اور حج و عمرہ یا تجارت کے سلسلہ میں مکّہ جاتے رہے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اہلِ مکّہ اور اہلِ مدینہ کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے)۔

کچھ حضرات مثلاً عبداللہ بن عباسؓ ، عبداللہ بن جعفر طیّار وغیرہم نے حضرت امام حسینؑ سے فرمایا کہ آپ عراق نہ جائیں۔ حضرت امام حسینؑ نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ مجھے وہاں کے لوگوں پر اطمینان ہے اور میں وہاں جاؤں گا تو ضرور میری نصرت کریں گے۔ ہاں حضرت امام حسینؑ نے کبھی دبے لفظوں میں اور کبھی کھل کر کہہ دیا کہ اگر میں یہاں رہوں گا تو بھی قتل ہوں گا اور خانۂ کعبہ کا احترام میری موجودگی سے زائل ہوگا جو مجھے کسی قیمت پر گوارا نہیں۔ ایک موقع پر عبداللہ ابنِ زبیر سے امام نے فرمایا تھا ''مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک شخص مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا جس سے کعبہ کی بے حرمتی ہوگی۔ میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا''۔[2]

ایک اور موقع پر عبداللہ ابنِ زبیر نے کچھ چپکے چپکے حضرت امام

(۱) ہجرتِ نبویؐ کی تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''تاریخِ اسلام کا سفر'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔
(۲) طبری ، ج ۶ ، ص ۲۱۷۔

حسینؑ سے کہا ، امامؑ خاموش رہے۔ عبداللہ ابنِ زبیر کے جانے کے بعد امامؑ نے اپنے مخصوصین سے فرمایا ''جانتے ہو ، ابنِ زبیر نے کیا کہا ، پھر خود ہی فرمایا ''ابنِ زبیر نے کہا کہ آپ مکّہ میں ہی قیام فرمایئے اور باہر نہ جایئے''۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ''خدا کی قسم ! میں بالشت بھر مکّہ کی حدود سے باہر قتل کیا جاؤں ، مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ ایک بالشت بھر مکّہ کی حدود کے اندر مارا جاؤں اور قسم خدا کی اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں جا کر رہوں تو بھی یہ لوگ مجھ کو وہاں سے باہر لے آئیں گے اور جیسا چاہیں گے میرے ساتھ سلوک کریں گے۔ مجھ پر یہ لوگ تعدّی کریں گے جیسے یہودیوں نے روزِ شنبہ کے بارے میں ظلم و تعدّی سے کام لیا''☆ (یہودی شریعت میں سنیچر کا دن عبادت کا دن ہے ، اس دن کسی قسم کا ظلم وستم حرام ہے یہاں تک کہ مچھلی کا شکار بھی)۔

حضرت امام حسینؑ کا حج کو عمرۂ مفردہ میں تبدیل کرنے کی وجہ

ذی الحجہ کے اوائل میں جبکہ ایامِ حج کے نزدیک حجّاجِ کرام قافلہ در قافلہ مکّہ مکرّمہ میں داخل ہو رہے تھے حضرت امام حسینؑ کو اطلاع ملی کہ یزید کی طرف سے عمرو بن سعید بن العاص کو بظاہر امیرِ حج ، بباطن انتہائی خطرناک مشن سونپا گیا ہے یعنی ''جہاں بھی ، مع سرزمینِ مکّہ ، جس

☆ طبری ، ج ۶ ، ص ۲۱۷۔

مقام پر بھی ممکن ہو حسینؑ ابنِ علیؑ کو قتل کر دیا جائے☆"۔ چونکہ امامِؑ عالی مقام کو اس امر کی اطلاع ہو چکی تھی لہٰذا خانۂ کعبہ اور مکّہ مکرّمہ کے تقدّس کو محفوظ رکھنے کی خاطر امامؑ نے مراسمِ حج میں شرکت کے بغیر اعمالِ حج کو عمرۂ مفردہ میں تبدیل کر کے ۸ ر ذی الحجہ ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء بروزِ منگل مکّہ سے عراق کی جانب روانہ ہوگئے کیونکہ حضرت امام حسینؑ کو مکّہ مکرّمہ کی پامالی کسی قیمت پر قبول نہ تھی۔

عراق روانگی سے قبل امامؑ نے خاندانِ بنی ہاشم اوراپنے کچھ دیگر حامیوں کے سامنے جو مکّہ میں قیام کے دوران آپ کے ساتھ ہولئے تھے حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

"الحمدللّٰہ وماشاء اللّٰہ و ..... تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ۔ وہی ہو تا ہے جو وہ چاہتاہے۔ اللہ کے سوا کوئی قدرت کار گر نہیں۔ درود و سلام اللہ کے رسولؐ پر ، انسانوں کے لئے موت گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف سے ملاقات کا

☆مکّہ سے روانگی کے موقع پر حاکمِ مکّہ عمرو بن سعید بن العاص کی طرف سے ایک فوجی دستہ نے یحیٰی بن سعید کی قیادت میں بیرونِ شہر آکر آپ سے مزاحمت کی اور آپؑ کو واپس لے جانا چاہا لیکن امامؑ نے واپس جانے سے انکار کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین میں تھوڑی دیر آویزش بھی ہوئی مگر امام حسینؑ کے ساتھ والے پوری بہادری کے ساتھ مقابل جماعت کی مزاحمت کو روکنے پر تیّار ہوگئے اور ان لوگوں کو ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ بہرحال امامؑ کا قافلہ روانہ ہوگیا۔ دینوری نے لکھاہے کہ خود عمرو بن سعید نے اس اندیشہ سے کہ صورتِ حال کچھ نازک نہ ہو جائے اپنے پولیس آفیسر کو واپس آنے کی ہدایت بھیج دی۔ یہ سہ شنبہ ۸ ر ذی الحجہ ۶۰ھ ۶۷۹ء کا واقعہ ہے۔ دوسری جانب اسی روز کوفہ میں ابنِ زیاد کے سپاہیوں سے جناب مسلم بن عقیلؑ جو یکہ و تنہا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے ، اسی دن حضرت امام حسینؑ مکّہ سے نکل کر وادیٔ غربت میں راستہ طے فرما رہے تھے۔ (ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۸)

اشتیاق ہے۔ مجھے اپنے اسلاف اور اجداد سے ملاقات کا اتنا ہی اشتیاق ہے جتنا شوق حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے ملنے کا تھا۔ میری قتل گاہ معیّن ہو چکی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہوکر گروں گا گویا میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے اور وہ سماں کہ میرے جوڑ و بند کو صحرائی درندے (یزیدی فوج) جدا کر رہے ہیں۔ کوئی چارۂ کار نہیں اس دن سے جو خطِ تقدیر میں گزر چکا۔ خدا کی مرضی میں ہم اہلِ بیتؑ کی مرضی ہے۔ ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں اور صابروں کے اجر کو حاصل کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ان کے جسم کے ٹکڑے الگ نہیں ہو سکتے۔ جو شخص ہمارے ساتھ اپنی جان کی قربانی پر آمادہ اور خداسے ملاقات پر تیّار ہے صرف وہ ہمارے ساتھ سفرکرے۔ میں کل صبح ان شاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا☆"۔

یہ تھی وہ تقریر جو آپ نے گرد و پیش کے لوگوں کے سامنے کی تھی۔ اسی رات کے ختم ہونے پر صبح ہوتے ہوتے آپ مکّہ سے روانہ ہوگئے۔

آپؑ نے دوران سفر اہلِ کوفہ کی بدعہدی اور سفر کے نشیب و فراز بھی بیان کئے اور آپؑ کو سفرِ کوفہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی لیکن سیدہ کے لال نے بتایا کہ وہ ان سب باتوں سے آگاہ ہیں اور اپنے رب سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لئے جلد از جلد اپنی وعدہ گاہ

☆لہوف ، ص ۳۳ ، مقتل ابن نما ، ص ۲۔

پر پہنچنا چاہتے ہیں۔امامؑ عالی مقام نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور جن جن اشخاص کو ساتھ لے جانا مقصود تھا انہیں دس دس دینار سرخ اور ایک ایک اونٹ دے کر طواف کعبہ کرایا۔ مکہ میں قیام کے آخری شب آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے نوافل اور سجدۂ شکر بجا لائے ، دل بھر آیا اپنے معبود حقیقی سے مخاطب ہو کر بصد رنج و الم عرض کیا کہ " اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے ! یہ تیرے نبیؐ کا نواسہ حج ادا کئے بغیر تیرے گھر سے رخصت ہو رہا ہے جس کا شدید قلق ہے"۔

ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اثنائے سفر میں آپ ہر منزل پر حضرت یحییٰؑ اور ان کی شہادت کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا کی بے قدری کے لئے اللہ کے نزدیک یہ کافی ہے کہ اس دنیا میں یحییٰؑ بن زکریاؑ کا سر قلم ہو کر بنی اسرائیل کے زناکار☆ کے سامنے بطورِ تحفہ بھیجا گیا۔ یہی کچھ امامِ عالی مقام کے ساتھ ہوا۔ تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام حسینؑ کی مکّہ سے روانگی اور منازل کا ذکر

۱۔ منزلِ صفاح

حضرت امام حسینؑ مکّہ سے روانہ ہو کر منزلِ صفاح پہنچتے ہیں ، دہاں عرب کے مشہور شاعر اور محبِ اہلِ بیتؑ "فرزدق بن غالب" سے ملاقات ہوتی ہے (جبکہ ارشاد مفید میں اس ملاقات کا ذکر حرم کے بہت نزدیک

☆ امامِ عالی مقام کا سر بھی نامعلوم باپ کے لڑکے کے بیٹے عبیداللہ ابنِ زیاد کے سامنے بطورِ تحفہ شمر ذی الجوشن نے کوفہ میں پیش کیا تھا۔

اور یحییٰ بن سعید سے لڑائی سے قبل لکھا ہے) امامؑ ، فرزدق سے کوفہ کے حالات دریافت فرماتے ہیں۔ فرزدق کہتے ہیں"حضور ، قلوبِ عامۃ النّاس تو آپ کی طرف ہیں لیکن تلواریں بنی امیّہ کے ساتھ ہیں☆"۔امامؑ نے فرمایا "تم سچ کہتے ہو۔ اب معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لحہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اس کی مشیّت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امّید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیّتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"۔ یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ امامؑ کی اس مختصر تقریر کے معنی یہ ہوئے کہ اگر انسان کی نیّت اور مقصد نیک ہوں تو نتیجہ کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ ہرچہ بادا باد۔" انّما الاعمال بالنّیات"۔

سرور ما آنکہ گوہر ہا بسفت
اِنَّمَا الْاَعْمَال بِالنِّیَّات گفت

امامِ عالی مقام کے اس مختصر بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کسی کے وعدوں پر اعتماد کرکے منزلِ عمل پر گامزن نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اس کے عائدکردہ فرائض کی تکمیل کے لئے امتحان گاہِ عمل پر گامزن ہو گئے تھے:

مترس از خلائق تو اے مردِ کار
فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ را یاد دار

(اے مردِ کار ، دنیا والوں سے مت ڈرو بلکہ ہمیشہ آیتِ قرآن کے حکم کہ لوگوں سے مت ڈرو کو یاد رکھو)

☆ الاخبار الطوال ، ص ۲۴۵۔

۲۔ منزلِ تنعیم

منزلِ صفاح سے چل کر امامؑ عالی مقام منزلِ تنعیم پر پہنچے۔ منزلِ تنعیم پر یمن کا ایک قافلہ نظر آیا۔ امامؑ نے اس قافلہ والوں سے کچھ اونٹ کرایہ پر لئے اور ان سے فرمایا کہ "اگر تم میں سے کوئی عراق تک جانا چاہے تو ہم اسے پورا کرایہ دیں گے اور کچھ انعام بھی اور اگر کوئی راستے سے واپس جانا چاہے گا تو بھی ہم اسے اتنی دور کا کرایہ دے کر واپس کر دیں گے"۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ عراق تک جانے کے لئے تیّار ہو گئے۔[۱]

مندرجہ بالا واقعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ جب مکّہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تھے تو بے سروسامانی کا عالم تھا یہاں تک کہ باربرداری کا بھی معقول انتظام نہ تھا۔ منزلِ تنعیم پر جناب عبداللہ بن جعفر طیّار حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر اور یحییٰ بن سعید بن العاص نے امامؑ سے ملاقات کی اور آپ کو سفر سے روکنے کی کوشش کی لیکن امامؑ نے قبول نہیں فرمایا کیونکہ آپؑ اپنی منزل اور نتائج سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے۔[۲] اسی مقام پر جناب عبداللہ بن جعفر طیّارؓ[۳] نے اپنے دو بیٹوں عون اور محمد کو امامؑ کے

---

(۱) ارشاد، ص ۲۲۹۔

(۲) عبداللہ بن جعفر نے حاکمِ مدینہ عمرو بن سعید بن العاص سے حضرت امام حسینؑ کے لئے امان کا پروانہ حاصل کیا اور حاکم کے بھائی یحییٰ بن سعید نے عبداللہ بن جعفر کے ہمراہ اس تحریر کو لے کر امامؑ سے راستہ میں ملاقات کی اور آپؑ کو سفر سے روکنے کی کوشش کی لیکن امامؑ نے اتفاق نہیں کیا اور عمرو بن سعید کے نام اس تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا ("شہیدِ انسانیت"، ص ۲۵۴)۔

(۳) حضرت عبداللہ بن جعفر طیّارؓ نے اپنے بیٹوں عون اور محمد کو کب اور کہاں حضرت امام حسینؑ کی سپردگی میں دیا، روایات میں اختلاف ہے۔ اکثر رواتیوں میں مدینہ لکھا گیا ہے۔

ساتھ کر دیا، خود پیری اور علالت کے باعث سفر نہ کر سکے بلکہ واپس مدینہ چلے گئے۔[۱]

۳۔ منزلِ ذاتِ عراق

جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور یحییٰ بن سعید کی واپسی کے بعد حضرت امام حسینؑ تیزی کے ساتھ عراق کی طرف چلتے رہے یہاں تک کہ منزلِ ذاتِ عراق پہنچ کر قیام فرمایا۔[۲]

۴۔ منزلِ بطن الرّمہ اور حاجر

منزلِ ذاتِ عراق سے چل کر امامؑ "بطن الرّمہ" پہنچتے ہیں۔ یہاں سے امامؑ نے کوفیوں کو ایک خط بھی لکھا اور قیس بن مسہر صیداوی کی معرفت روانہ کیا۔ طبری کے مطابق یہ خط "حاجز" سے روانہ کیا۔ خط کا مضمون حسبِ ذیل ہے:

"حسین ابنِ علی کا مومنین و مسلمین کی طرف سلام عرض ہے۔ مسلم بن عقیل کا خط میرے پاس آیا۔[۳] تمہارا اور تمہارا اجتماع ہماری نصرت پر سب معلوم ہوا۔ خدا تم کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ مکّہ سے شنبہ ۸ رذی الحجہ روانہ ہو چکا ہوں۔

---

(۱) مزید تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب "نبیؐ کی نواسی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۲) ارشاد، شیخ مفیدؒ، ص ۲۲۹۔

(۳) مسلم ابنِ عقیل نے ۱۲ رذی القعدہ ۶۰ھ کو خط لکھا تھا اور عابس بن ابی شبیب شاکری کے ذریعہ امامؑ کو روانہ کیا تھا۔ اس خط کے لکھنے کے ۲۷ دن بعد مسلم بن عقیلؓ کوفہ میں شہید کر دیئے گئے جس کی اطلاع امامؑ کو مکّہ سے روانگی کے کافی دن بعد ہوئی۔ تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

جس وقت میرا قاصد قیس بن مسہر تمہارے پاس پہنچے تو اس وقت سے (میرا) انتظار کرنا۔ عنقریب ان شاء اللہ تمہارے پاس پہنچتا ہوں☆۔"

قیس بن مسہر صیداوی خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن قادسیہ میں حصین بن نمیر کی فوج نے قیس کو گرفتار کر لیا اور ان کو عبیداللہ ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا۔ عبیداللہ ابنِ زیاد نے قیس سے کہا کہ "اگر جان بچانا ہے تو منبر پر جا کر حسین ابنِ علی کے خلاف تقریر کرو اور ان کی مذمّت کرو"۔ قیس نے سنا، منبر پر جا بیٹھے، مجمع ہمہ تن گوش کہ دیکھئے قاصدِ حسینؑ کیا کہتا ہے۔ قیس نے حمد و ثناء کے بعد مجمع کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"ایّھاالنّاس! اس وقت خلقِ خدا میں بہترین شخص حسینؑ بن علیؑ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بیٹی فاطمہ زہراؑ کے فرزند ہیں، میں انہی کا بھیجا ہوا نمائندہ تمہارے پاس آیا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی نصرت کے لئے قدم آگے بڑھاؤ اور ان کی آواز پر لبیک کہو"۔

عبیداللہ بن زیاد یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں قصر کی چھت سے زمین پر گرا دو۔ حکم حاکم مرگِ مفاجات، ابنِ زیاد کے فوجیوں نے انہیں قصر سے نیچے گرا دیا جس سے ان کے اعضاء ٹوٹ گئے اور وہیں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس حادثہ کی اطلاع حضرت امام حسینؑ کو نہ ہو سکی تھی لیکن آگے جا کر پتہ چل گیا۔

☆ تاریخ طبری، ج ۵، ص ۲۲۳۔

امامؑ کا سفر جاری رہا۔ اس منزل سے کچھ آگے ایک چشمہ پر عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ عبداللہ بن مطیع نے بھی امامؑ کو کوفہ جانے سے منع کیا لیکن امامِ عالی مقام اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔

۵۔ منزلِ زرود

زہیر بن قین سے ملاقات

اس منزل پر چشمہ کے قریب زہیر بن قین کا خیمہ تھا۔ زہیر بن قین حج کر کے مکّہ سے واپس کوفہ جا رہے تھے۔ ان کو خاندانِ رسولِ مقبولؐ سے کوئی خاص عقیدت نہ تھی بلکہ اہلِ دمشق کے ہم عقیدہ سمجھے جاتے تھے جن کو اس زمانہ میں "عثمانی" مسلک کہا جاتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ زہیر بن قین انکار کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی بیوی نے کہا، "واہ! کیا غضب کی بات ہے کہ رسولؐ کا فرزند تم سے ملنا چاہتا ہے اور تم انکار کرنا چاہتے ہو"۔ زہیر بن قین بیوی کی بات سے از حد متاثر ہوئے اور خود امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امامؑ کی گفتگو کا اتنا اثر ہوا کہ آپ واپس اپنے خیمہ میں آئے اور فرمایا "میں حسینؑ کے ساتھ ہوں"۔ بیوی کو طلاق دے دی اور کہا "اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی جاؤ" اور اپنے ساتھیوں سے کہا "میں نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ جو شخص تم میں سے میرے ساتھ شہید ہونا چاہے ہمارے ساتھ رہے اور جو نہ چاہے یہیں سے علیحدہ ہو جائے چنانچہ ساتھ والے سب الگ ہو گئے☆"۔

☆ طبری، جلد ۶، ص ۲۲۴۔

اسی منزل پر وہ تمام لوگ جو ہوسِ دنیا کی خاطر امامؑ کے قافلہ کے ساتھ مکّہ سے ہو لئے تھے اور راستہ میں بھی جو لوگ برابر ملتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے ، الگ ہوگئے۔ ان لوگوں کو اب یقین ہو گیا کہ حسینؑ کا مقصد حصولِ اقتدار نہیں بلکہ تحفظِ دین ہے[۱] جس کے لئے قربانیاں پیش کرنی ہیں۔ اسی منزل پر عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمول جن کا تعلق اسدی قبیلہ سے تھا حج کے بعد امامؑ سے آملے تھے۔ یہاں ایک شخص کوفہ سے آتا ہوا نظر آیا۔ امامؑ اسے دیکھ کر ٹھہر گئے کہ حالات معلوم کریں لیکن اس نے حسینی قافلہ دیکھتے ہی اپنا رخ موڑ لیا۔ چنانچہ امامؑ آگے بڑھ گئے لیکن وہ دونوں اسدی اشخاص کوفہ کے حالات معلوم کرنے کی خاطر تیزی سے اس کے پاس پہنچ گئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بکیر بن مثعبہ اسدی ہے۔مزید دریافت پر اس نے بتایا "میں ابھی کوفہ سے باہر نہیں آیا تھا کہ مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے اور میں نے خود دیکھا کہ ان کی لاش کے پاؤں میں رسّی باندھ کر بازار میں گھسیٹا گیا"۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جناب محمد بن ابی بکرؓ جن کو حضرت علیؑ نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا ، بنی امیّہ نے قتل کیا اور ان کی لاش مردہ گدھے کی کھال میں بند کر کے آگ لگا دی تھی۔ اتنا بھی خیال نہ کیا کہ وہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے ہیں[۲]۔

---

(۱) خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی — کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اس کو (غالبؔ)

(۲) خلیفۂ اول کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ (اسماء بنتِ عمیس) حضرت علیؑ کے عقد میں آئیں۔محمد بن ابی بکرؓ اور امِ کلثوم ساتھ آئیں۔ دونوں بچے حضرت علیؑ کی کفالت میں رہے۔

۶۔ منزلِ ثعلبیہ

منزلِ ثعلبیہ پر وہ دونوں اسدی جو امامؑ سے پچھلی منزل پر آ ملے تھے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کوئی خبر دینے کی اجازت چاہی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو سب کے سامنے عرض کریں یا تخلیہ میں۔ امامؑ نے ان پر نظر ڈالی اور فرمایا "ان لوگوں سے رازداری کی ضرورت نہیں"۔ اسدی نے کہا "آپؑ نے اس سوار کو دیکھا ہوگا جو شام کے وقت اس طرف سے گزر رہا تھا؟" امامؑ نے فرمایا "ہاں"۔ اسدی نے کہا "ہم ان سے ملے اور کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ وہ ہمارے ہی قبیلہ کا آدمی ہے اور سمجھ دار سچّا اور دانش مند بھی ہے۔ اس آدمی نے بیان کیا کہ وہ کوفہ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے اور ان کی لاشیں بازاروں میں گھسیٹی گئیں"۔

امامِ عالی مقام کے لئے یہ نہایت اندوہناک خبر تھی۔ مسلم بن عقیلؑ چچازاد بھائی اور معتمدِ خاص کی جدائی پر کس قدر صدمہ ہوا ہو گا (اہلِ دل ہی محسوس کر سکتے ہیں) ساتھ ہی ساتھ آنے والے واقعات کا ایک نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا ہو گا۔ امامؑ نے چند بار "انا للہ وانا الیہ راجعو ن. رحمۃ اللّٰہ علیہما" کہا اور خاموش ہوگئے۔

اسدی جس نے ایک رات اس وحشت ناک خبر کو چھپائے رکھا تھا کا بُرا حال تھا۔ امامؑ کا کلام سن کر بولا "خدا کا واسطہ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالئے ، یہیں سے واپس ہو جایئے کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی مددگار ہے اور نہ دوست بلکہ ہمیں خوف ہے کہ اب پورا کوفہ آپ کے خلاف ہوگا"۔امامِ عالی مقام نے اس خبر کے بعد بھی اپنے

ارادۂ سفر میں کوئی تبدیلی نہیں کی کیونکہ امامؑ عالی مقام تمام آنے والے حادثات سے واقف ہو چکے تھے۔ امامؑ نے بہرحال اولادِ عقیلؓ پر نظر ڈالی اور کہا ''تمہاری کیا رائے ہے مسلم تو شہید ہو گئے''۔ عقیلؓ کے تمام خاندان والے کھڑے ہو گئے اور کہا ''خدا کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے جب تک مسلم کے خون کے بدلہ نہ لے لیں یا موت کا ساغر ہم بھی نہ چکھ لیں''۔ امامؑ اسدیوں کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا ''جب یہ نہ ہوئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے''۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا ''آپؑ کی اور مسلم کی برابری نہیں، آپؑ کوفہ پہنچ جائیں تو کوفہ کے لوگ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑیں گے''۔☆ حضرت امام حسینؑ خاموش رہے اور اس خیال کی تائید نہیں کی۔

رات بہرحال اسی منزل پر گزری، صبح آئندہ منزلوں کے لئے وافر مقدار میں پانی لیا گیا اور اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

۷۔ منزلِ زبالہ

منزلِ ثعلبیہ کے واقعات آپ نے پڑھ لئے۔ اب ہم آپ کو منزلِ زبالہ لئے چلتے ہیں۔ ثعلبیہ سے روانہ ہو کر حضرت امام حسینؑ زبالہ پہنچے۔ کوفہ میں اپنی گرفتاری کے بعد مسلم بن عقیلؓ کو یقین ہو گیا کہ کوفہ کے حالات بالکل بدل چکے ہیں، عبیداللہ ابنِ زیاد کی سخت گیری کی وجہ سے کوئی امامؑ کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ عبیداللہ ابنِ زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی جو احکام جاری کئے تھے ان کی تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے، بہتر ہوگا کہ ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

☆ طبری جلد ۶، ص ۲۳۵۔

کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیلؓ کو جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ ان بچنا ناممکن ہے، وہ یقیناً دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوں گے تو انہوں نے وصیت کی کہ حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دے دی جائے کہ کوفہ کے حالات بدلے جا چکے ہیں اور اب کوفہ میں عبیداللہ ابنِ زیاد کی سخت گیری کی وجہ سے آپ کو کوئی مددگار نہیں مل سکے گا لہٰذا یہاں آنے کا ارادہ ترک کر دیجئے۔ ایاس بن عثل طائی نے جن کا شمار اچھے شعراء میں ہوتا تھا، محمد بن اشعث کا خط لے کر امامؑ عالی مقام کی خدمت میں پہنچے۔ یہ خط امام کو منزلِ زبالہ پر ہی ملا۔ قاصد نے امام کو یہ اطلاع بھی دی کہ قیس بن مسہر (امامؑ کے قاصد) قتل کر دیئے گئے۔

مندرجۂ بالا خبریں ابھی عام نہیں ہوئی تھیں چنانچہ امامؑ نے مناسب سمجھا کہ یہ وحشت ناک خبر تمام اہلِ قافلہ کو معلوم ہونی چاہئے تاکہ قافلہ والے جو راستہ میں امامؑ کے ساتھ ہو لئے تھے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو اسلام اور صرف اسلام کی خاطر جان دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ امامؑ نے قافلہ والوں کو حسبِ ذیل بیان دے کر صورتِ حال سے آگاہ کیا:

> ''ہمیں یہ دردناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ قتل کر ڈالے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اس لئے جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے واپس چلا جائے۔ ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمّہ داری نہیں۔ والسّلامؑ''۔

امامؑ کا مقصد تھا کہ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ کوفہ

پہنچ کر حکومت کا اعلان کریں گے ، بیعت لیں گے اور فوج تیار
کریں گے اور ساتھیوں کو نوازیں گے ، ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں ،
صرف اور صرف وہی لوگ ساتھ رہیں جو اسلام کی بقاء کے لئے امامؑ
کے ساتھ رہنا اور جان دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خیال
تھا۔ امامؑ کا بیان سننے کے بعد لوگ متفرق ہونا شروع ہوگئے اور تقریباً
تمام لوگ دائیں بائیں چلے گئے اب صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو
مدینہ سے ساتھ آئے تھے یعنی آلِ ابی طالب اور کچھ افراد جیسے زہیر بن
قین وغیرہ جو ہر حال میں امامؑ اور اسلام کے ساتھ تھے کیوں نہ ہوتے!

حکومت ، بادشاہت ، جاہ و منصب
علیؑ کے گھر میں جنسِ رائیگاں ہے
(علامہ اقبالؒ)

۸۔ منزلِ بطنِ عقیق/بطنِ عقبہ[1]

اس منزل پر قبیلۂ عکرمہ کا ایک شخص عمرو بن لوذان[2] امامؑ سے ملا اور
کہا کہ عبیداللہ ابنِ زیاد گورنرِ کوفہ کی طرف سے قادسیہ اور عذیب کے
درمیان ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ اس نے امامؑ کو مشورہ دیا کہ آپؑ
کوفہ کا قصد ترک کر دیجئے۔ کوفہ والوں کے دل آپؑ کی طرف سہی لیکن
تلواریں آپؑ کے خلاف ہوں گی کیونکہ کوفہ والوں کی سخت نگرانی
اور ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ کوئی فرد آپؑ کی حمایت کا ارادہ بھی نہیں

(۱) ارشاد شیخ مفیدؒ ، ص ۲۳۳۔
(۲) ارشاد شیخ مفیدؒ ، ص ۲۳۳۔

…۔ امامؑ نے بہرحال اس کی خیرخواہی پر اسے دعائے خیر دی اور
…ے روانگی جاری رکھی لیکن امامؑ نے منازلِ سفر میں تھوڑی تبدیلی فرمائی
…ہ قادسیہ سے پرے نکل جائیں۔ یاد رہے کہ کوفہ جانے والوں کے لئے
…سیہ رہ گزر ہے اور سب یہاں سے گزرتے ہیں۔ پچھلے صفحات پر آپ
…ھ چکے ہیں کہ اسی قادسیہ میں قیس بن مسہر پیامبرِ امامؑ، حصین بن نمیر کی
…ج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے اور بعد میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

۹۔ منزلِ سراۃ

حضرت امام حسینؑ منازل میں معمولی تبدیلی کے بعد منزلِ سراۃ پہنچے
رات وہاں بسر کرتے ہیں۔

۱۰۔ منزلِ شراف

منزلِ سراۃ سے روانہ ہوکر منزلِ شراف پہنچے۔ امامؑ نے اس منزل
…کم دیا کہ تمام مشکیں اور چھاگلیں بھر لی جائیں[1]۔ اس کے بعد حضرت
…ام حسینؑ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً اسی مقام پر محرمؑ ۶۱ھ
…ا چاند نمودار ہوا۔ دوسرے دن یعنی محرم ۶۱ھ کی پہلی تاریخ کو قافلہ
…زلِ شراف سے قادسیہ کی طرف بڑھا۔ قادسیہ سے چند میل پہلے
…پؑ کے اصحاب میں سے کسی نے کہا ''اللہ اکبر''۔ امامؑ نے فرمایا: ''بےشک
…ہ سب سے بڑا ہے لیکن اس وقت تکبیر کہنے کی کیا وجہ ہے؟'' اس نے
…ہا: ''مجھے خرمے (کھجور) کے درخت دکھائی دیئے ہیں، گویا کوئی آبادی

(۱) طبری جلد ۶، ص ۲۲۷، ارشاد شیخ مفید، ص ۲۳۳ ـ ۲۳۴۔

نزدیک ہے"۔ اصحاب میں کچھ لوگوں نے کہا: "ہم نے تو کبھی خرمے کے درخت یہاں نہیں دیکھے"۔ امامؑ نے فرمایا: "تم لوگ غور سے دیکھو، کیا دکھائی دیتا ہے"۔ ان لوگوں نے کہا: "ہم تو گھوڑوں کی گردنیں یا کنوتیاں دیکھ رہے ہیں"۔ امامؑ نے فرمایا: "میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں"۔ اسی دوران میں مخالف فوج قدرے نزدیک آگئی اور اصل صورت ظاہر ہوگئی یعنی کھجور کے درخت نہیں دشمنِ دین کے گھوڑوں کی گردنیں تھیں۔

۱۱۔ منزلِ ذوحسم

امامؑ نے محسوس کیا کہ مخالف فوج ہماری طرف بڑھ رہی ہے اور ہمیں گھیرے میں لینا چاہتی ہے۔ چنانچہ امامؑ نے دریافت فرمایا: "کیا قریب میں کوئی پہاڑ ہے جس کی اوٹ میں ہم قیام کرسکیں تاکہ دشمن سے کھلے میدان میں سامنا نہ ہو؟" ظاہر ہے امامؑ کے پاس فوج نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ لوگوں نے بیان کیا کہ "ذوحسم" نام کا پہاڑ تھوڑے فاصلہ پر موجود ہے۔ چنانچہ امامؑ نے فرمایا "قافلہ اس طرف کا رخ کرے اور جلد وہاں پہنچ جائے"۔ مخالف فوج نے دیکھا کہ قافلہ ذوحسم پہاڑ کی طرف جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے بھی اسی طرف کا رخ کیا اور جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہا چنانچہ عام روش سے ہٹ کر ریگستانی راہ اختیار کرلی تاکہ جلد ذوحسم تک پہنچ جائیں۔

امامؑ کا قافلہ بہرحال اسی دوران میں ذوحسم پہنچ گیا۔ امامؑ نے حکم دیا کہ خیمے نصب کر دیئے جائیں۔ یہاں معلوم ہوا کہ حُر بن یزید ریاحی ایک ہزار فوج کے ساتھ سدِّراہ ہونے کے لئے آ رہا ہے۔ چونکہ امامؑ عام راستہ سے نہیں جا رہے تھے جو قادسیہ سے گزرتا ہے، اس لئے حصین

ابن نمیر کی فوج سے تصادم نہیں ہوا۔ بہرحال حصین نے حُر کو ایک ہزار فوج دے کر روانہ کیا کہ امامؑ کو جس طرف سے بھی ان کا گزر ہو روکے۔ حُر جلد سے جلد امامؑ تک پہنچنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے ریگستانی راستہ اختیار کیا اور امامؑ کے قافلہ کے پاس کچھ دیر بعد ذوحسم پہنچ گیا لیکن اس کی فوج کا بُرا حال تھا۔ ریگستانی علاقے سے گزرنے کی وجہ سے اس کی فوج پیاس سے خستہ حال تھی، جانور بھی پیاسے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔

امامؑ پہلے پہنچ چکے تھے لہٰذا امامؑ اپنے اصحاب سمیت سروں پر عمامے رکھے، تلواریں حمائل کئے کھڑے ہوگئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اسی اثناء میں دشمن کی فوج ہانپتے کانپتے قریب آن پہنچی۔

امامؑ نے مخالف فوج کو دیکھا، سب پیاس سے جاں بلب تھے۔ حسینؑ نبیؐ زادے تھے، نیک دل اور ہمدرد تھے، انسان تو انسان امامؑ جانوروں کو بھی پیاسا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ گو فوج دشمن کی تھی لیکن حسینؑ، دشمن کو بھی پیاسا نہیں دیکھ سکے۔ آپؑ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ ان سب کو پانی پلاؤ اور اچھی طرح سیراب کرو۔ گو دشمن ہیں، ہمارا راستہ روکنے آئے ہیں لیکن مخلوقِ خدا ہیں، انہیں سیراب کرو، کل کی فکر نہ کرو، اللہ مالک ہے۔ صرف انسانوں کو ہی نہیں ان کے جانوروں تک کو خوب پانی پلاؤ یہاں تک کہ سب سیراب ہو جائیں۔ سب نے پانی پیا، جان بچائی لیکن انسانیت سے دور رہے۔ امامؑ کا قول:

بھائیو آؤ جو پانی کی طلبگاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے
(میر انیس)

اب دیکھئے امامِ عالی مقامؑ کا ایک اور اندازِ کریمانہ۔ حُر کی فوج میں ایک شخص علی بن طعان محاربی سب سے آخر میں پہنچا، اس کا بیان ہے کہ ”میری حالت پیاس سے تباہ تھی۔ میرا پورا لشکر پیاسا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی پیاس کو دیکھا، فرمایا: ”تم سب پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ“۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ سب کو پانی پلاؤ۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا: ”تم بھی پانی پیو“۔ میں بدحواس تھا، پانی پیا نہ جاتا تھا بلکہ بدحواسی میں گرتا جاتا تھا۔ امامؑ نے مجھ پر نظر ڈالی، مشک کے دہانے کو درست کیا اور مجھے دیا، اب میں نے خود بھی پیا اور پھر گھوڑے کو بھی سیراب کیا۔[1]

حُر نے امامؑ کی اعلیٰ ظرفی دیکھی، ششدرہ ہوا لیکن اظہار نہیں کیا۔ امامؑ بھی فطری حسنِ اخلاق کی وجہ سے خاموش رہے۔ فوجِ حُر کے سپاہی اپنے گھوڑوں کے سایہ میں باگیں پکڑے بیٹھ گئے۔

امامِ عالی مقامؑ پانی پلانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اسی دورانِ نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ امام عالی مقامؑ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کی صفیں تیار ہوئیں، امامؑ نے اقامت کا حکم دیا۔ اس کے بعد حُر سے پوچھا ”تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھنا چاہتے ہو“۔ حُر نے جواب دیا ”آپؑ نماز پڑھایئے، ہم آپؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے“۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، دشمن کی فوج نے بھی امامؑ کے پیچھے نماز ادا کی۔[2]

(۱) طبری، جلد ۶، ص ۲۲۷۔

(۲) اخبار الطوال، ص ۲۴۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۸۔

نمازِ ظہر ختم ہوئی۔ امامؑ نے حُر کی جماعت کو مخاطب کیا:

”اے گروہِ مردم! میں خدا کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں۔ میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں آئے کہ آپؑ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امامؑ نہیں ہے شاید خدا آپؑ کے ذریعہ ہمیں ہدایت پر مجتمع کر دے۔ اب اگر تم اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ ہی گیا ہوں اور اپنے ارادہ پر قائم ہوں اور اگر تم میرے آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں گا، وہیں جہاں سے آیا ہوں یا کہیں اور“۔

امامؑ کی تقریر پر خاموشی چھائی رہی کوئی جواب نہیں ملا۔[1]

امامؑ اپنے خیمہ میں واپس آ گئے اور اصحاب بھی وہیں جمع ہو گئے۔ حُر اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ نمازِ عصر کا وقت ہوا تو امامؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ روانگی کی تیاری کرو۔ اس کے بعد امامؑ باہر تشریف لائے اور عصر کی نماز کا اعلان کیا۔ ظہر کی نماز کی طرح عصر کی نماز بھی دشمن کی فوج نے امام عالی مقامؑ کے پیچھے ادا کی[2]۔ نماز کے بعد آپؑ نے پھر مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

”اگر تقویٰ اختیار کرو اور حق دار کا حق پہچانو تو خدا کی رضا مندی حاصل کرو گے۔ اگر تم لوگ ناپسند کرتے ہو تو میں

☆(۱) اخبار الطوال، ص ۲۴۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۸۔

(۲) امامؑ عالی مقام حالتِ سفر میں اور دشمن کے نرغے میں ہیں لیکن نماز کے وقت کی سخت پابندی ہے۔ پہلے ظہر کی نماز ادا ہوئی کچھ دیر خیمہ میں آرام فرمایا پھر روانگی سے قبل نمازِ عصر ادا ہوئی۔ دونوں نمازوں میں بُعد قابلِ غور مسئلہ ہے خصوصاً صاحبانِ محراب و منبر کے لئے۔ حضرت علیؑ کے فرمان نمبر ۵۲ نہج البلاغہ کا ضرور مطالعہ فرمایئے اور غور کیجئے۔

واپس چلا جاتا ہوں"۔☆

اب حر کی خاموشی ٹوٹی اور بولا: "ہمیں تو بخدا خبر بھی نہیں کہ یہ خطوط کس نے لکھے ہیں جن کا آپ حوالہ دے رہے ہیں؟"۔ امامؑ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا: "لاؤ وہ تھیلے جن میں ان لوگوں کے خطوط بھرے ہوئے ہیں"۔ عقبہ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے لا کر سامنے رکھے اور ان میں سے خطوط نکال کر پھیلا دیئے۔ حُر نے کہا کہ "ہم تو ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے آپؑ کو خطوط لکھے ہیں۔ ہم تو مامور کئے گئے ہیں اس امر پر کہ جہاں بھی آپؑ مل جائیں آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپؑ کو ابنِ زیاد کے پاس پہنچادیں"۔ یہ سننا تھا کہ امامؑ نے زور سے کہا کہ "موت تمہارے لئے اس سے قریب تر ثابت ہوگی"۔

اس واقعہ کے بعد آپؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کلیۃً ترک کر دیا۔ یعنی اس سے پہلے راستہ بدلنے کے بعد بھی آپؑ کا رخ کوفہ ہی کی طرف تھا لیکن اب کوفہ جانے کے خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے موجود لوگوں کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہدِ الٰہی سے پھر جاتا ہے، سنّتِ نبویؐ کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور ٹوکنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا

☆ طبری، ج ٦، ص ٢٢٨۔ ارشاد، ص ٢٣٥-٢٣٦۔

ہے اور نہ اپنے قول سے، خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہوگئے ہیں، فساد ظاہر ہے، حدودِ الٰہی معطّل ہیں۔ اموال پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جارہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام لے کر پہنچے تھے۔ تم عہد کرچکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بیوفائی کروگے نہ مجھے دشمنوں کے حوالے کروگے۔ اگر تم اپنی اس بات پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہِ ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسین ابنِ علی و فاطمہ ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ، میرے بال بچّے تمہارے بال بچّوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے اپنی گردن نہ موڑو، لیکن اگر تم ایسا نہ کرو بلکہ اپنا عہد توڑ دو اور اپنی گردن سے میری وفاداری کا حلقہ نکال کر پھینک دو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ، بھائی اور عم زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ ایسا ہی کرچکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے، لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کروگے۔ تم نے اپنا حصّہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ لی۔ جو بدعہدی کرے گا، خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

امامؑ کی ایک اور تقریر:

(یادرہے کہ حُر کا لشکر ساتھ ساتھ چل رہا ہے)

"معاملہ کی جو صورت ہوگئی ہے تم دیکھ رہے ہو، دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا۔ منہ پھیرلیا۔ نیکی سے خالی ہوگئی۔ ذرا تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے، افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے؟ باطل پر اعلانیہ عمل کیا جا رہا ہے، کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے، وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں بقائے الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا خود وبالِ جان ہے"۔

حُر بن یزید ریاحی کے نام ابنِ زیاد کا خط

رات گزری دوسری صبح امامؑ نے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا، مگر حُر ابنِ یزید ریاحی انہیں پھیلنے سے روکتا رہا۔ باہم کچھ دیر تک کش مکش جاری رہی۔ اسی دوران میں کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ سوار ہتھیار بند تھا۔ قریب پہنچا لیکن حضرت امام حسینؑ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا، حُر کو سلام کیا اور ابنِ زیاد کا خط حُر کو پیش کیا، خط کا مضمون یہ تھا:

"حسینؑ کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ پائیں۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکیں۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا

کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"۔

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امامؑ کو آگاہ کیا اور کہا: "اب میں مجبور ہوں۔ آپ کو بے آب و گیاہ میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں"۔ زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا: "ان لوگوں سے لڑنا اس فوجِ گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی"۔ مگر امامِ عالی مقامؑ نے لڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا"۔ زہیر نے کہا: "تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہوجایئے"۔ امامؑ نے پوچھا: "اس کا نام کیا ہے؟ زہیر نے کہا، "عقر" (عقر کے معنی کاٹنا یا بے ثمر و بے نتیجہ ہونا) یہ سن کر آپ قدرے رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: "عقر سے خدا کی پناہ!"

امامؑ کا بیان سن کر زہیر بن القین کھڑے ہوئے اور فرمایا (یاد رہے زہیر منزلِ زرود پر حضرت امام حسینؑ سے آملے تھے) "آپ لوگ کچھ کہنا پسند کریں گے یا میں کچھ عرض کروں"۔ سب نے کہا: "پہلے تم تقریر کرو"۔ زہیر بن قین نے حمدِ ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: "اللہ آپؑ کو مقصد تک پہنچائے۔ اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم نے آپؑ کے ارشاد کو سنا، بخدا اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی مگر جدا ہونا محض آپؑ کی نصرت اور ہمدردی کی بنا پر ہوتا تو بھی ہم آپؑ کا ساتھ دینے کو دنیا میں ہمیشہ قیام پر ترجیح دیتے"۔ امامؑ نے سنا، زہیر کو دعائے خیر دی اور ان کے خلوص کی تعریف کی☆۔

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۲۹۔

اس کے بعد نافع بن ہلال جملی کھڑے ہوئے اور حسبِ ذیل تقریر کی:

''فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جدِّ بزرگوار کے لئے بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ لوگوں کو اپنی محبت گھول کر پلا دیں اور لوگ حضرتؐ کی اس طرح اطاعت کرنے لگیں جس طرح کہ حضرت چاہتے تھے اور حضرت کے ساتھ والوں میں بہت سے منافق بھی تھے جو حضرت سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے مگر دماغ میں غدّاری کا خیال چھپائے رکھتے تھے۔ وہ باتیں تو ایسی بناتے جو شہد سے زیادہ شیریں ہوتیں مگر کردار سے ایسی مخالفت کرتے جو انتہائی تلخ ثابت ہوتیں یہاں تک کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آپؑ کے والدِ بزرگوار حضرت علیؑ کو بھی اسی صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ ان کی نصرت پر متفق ہوئے اور انہوں نے ان کا ساتھ دیتے ہوئے ناکثین و قاسطین و مارقین (جمل، صفّین و نہروان والوں) سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی، یہاں تک کہ حضرت کی شہادت ہوگئی اور آج ہمارے سامنے آپؑ کے لئے وہی صورت درپیش ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا اور نیّت کو خراب کرے گا وہ خود اپنا برا کرے گا اور خدا آپ کو اس سے لاپروا کر دے گا۔ بسم اللہ، چلئے ہم کو لے کر خیر و سلامتی کے ساتھ چاہے مشرق کی طرف اور چاہے مغرب کی

جانب، ہم بخدا، خدا کے مقررکردہ فیصلہ سے خوف زدہ نہیں ہیں اور نہ اپنے رب کی ملاقات (موت) سے کراہت رکھتے ہیں۔ ہم اپنی نیّتوں اور اعتقادوں پر قائم ہیں، موالات رکھتے ہیں اس شخص سے جو آپ کے ساتھ موالات رکھے اور دشمن ہیں اس کے جو آپؑ سے دشمنی رکھے''۔

اس کے بعد بریر بن خضیر ہمدانی نے تقریر کی:

''خدا کی قسم اے فرزندِ رسولؐ! یہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہم کو موقع دیا اس بات کا کہ ہم آپؑ کے سامنے جنگ کریں اور آپؑ کی نصرت کے سلسلہ میں ہمارے اعضاء و جوارح قطع کئے جائیں یہاں تک کہ آپؑ کے جدِّ بزرگوار روزِ قیامت ہمارے شفاعت خواہ ہوں کیونکہ وہ جماعت کبھی نجات نہیں پا سکتی جس نے اپنے نبیؐ کے نواسہ کو تہِ تیغ کیا ہو اور وائے ہو ان کے لئے وہ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور ان کا کیا حال ہوگا اس دن جب وہ آتشِ جہنم میں نالہ و فریاد کرتے ہوں گے''۔☆

حضرت امام حسینؑ کا واپسی کا قصد اور حُر کی مزاحمت:

اس گفتگو کے بعد امامؑ نے اصحاب سے فرمایا کہ اپنی سواریوں پر سوار ہوجاؤ۔ جب خواتین عماریوں میں سوار ہوگئیں تو امامؑ نے حکم دیا کہ چلو، اس راستے جس راستے آئے ہیں، اسی راستے پر واپس چلو۔ اصحاب

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۶۹۔

پلٹنے کے لئے مڑے لیکن حر کی سپاہ حُر کا اشارہ پاکر سدِ راہ ہوگئی۔ امامؑ نے دریافت کیا: ''تمہارا مطلب کیا ہے؟'' حُر بولا: ''میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کو ابنِ زیاد کے پاس لے جاؤں''۔ امامؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم ! یہ نہ ہوگا''۔ حُر بولا: ''بخدا، میں آپؑ کو چھوڑوں گا بھی نہیں''۔ آخر میں حُر نے کہا: ''میں آپؑ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا ہوں، مجھے تو بس یہ حکم ہے کہ میں آپؑ کے ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپؑ کوفہ پہنچیں''۔ پھر حُر بولا: ''اس صورت میں کہ آپ کوفہ جانے کو تیار نہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجئے کہ جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف، بس میرے اور آپؑ کے درمیان انصاف کا یہی ایک طریقہ ہے یہاں تک کہ مجھے حاکم کی رائے معلوم ہو جائے''۔

امامؑ کو حُر کی یہ بات معقول معلوم ہوئی، قادسیہ اور عذیب کے راستے بائیں سمت روانہ ہوگئے۔ حُر بھی آپؑ کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔☆

دونوں قافلے بظاہر ایک نامعلوم منزل کی جانب چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں حُر ریاحی حضرت امام حسینؑ سے گفتگو کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا ''میں آپؑ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپؑ اپنے اوپر رحم کریں کیونکہ اگر آپؑ نے جنگ کی تو یقیناً آپؑ قتل کر دیئے جائیں گے اور تباہ ہوں گے''۔ امامؑ نے جواب دیا: ''کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو''۔

حُر کی دھمکی کا جواب:

ایک موقع پر آپؑ نے غضب ناک ہو کر فرمایا: ''تُو مجھے موت

☆ الاخبار الطوال، ص ۲۴۸-۲۴۹۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۸-۲۲۹، ارشاد، ص ۲۳۶۔

ڈراتا ہے؟ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے کیا جواب دوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا:

فامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ
اذا ما نویٰ حقاً و جاھد مسلماً !

(میں روانہ ہوتا ہوں۔ مرد کے لئے موت ذلت نہیں ہے جبکہ اس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہادکرنے والا ہو)

وَآسی الرجال الصالحین بنفسه
وفارق مثبوراً یغش و یرغما

(اور جبکہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز، ظالم سے جدا ہو رہا ہو)

''میں اپنے ارادہ پر قائم ہوں اور موت سے دوچار ہونے میں جواں مرد کے لئے کوئی عذر نہیں جب کہ اس کی نیت نیک ہو اور راہِ حق پر چلنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہو''۔

حُر نے امامؑ کا عزم و استقلال دیکھا اور سنا تو حیران ہوا، شاید اس کا ضمیر جاگنے لگا تھا۔ تھوڑے فاصلہ سے ساتھ ساتھ چلنے لگا یہاں تک کہ امامؑ عالی مقام منزلِ بیضہ میں وارد ہوئے۔

۱۲۔ منزلِ بیضہ

منزلِ بیضہ پر امامؑ نے حُر کی فوج اور اپنے اصحاب کے سامنے [illegible] فرمائی:

"ایّھاالنّاس، پیغمبرِاسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا
ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے کہ وہ ظلم و جبر کرتا ہے،
محرماتِ الٰہیہ کو حلال بتائے ہوئے ہے، خدائی عہد و پیمان کو
توڑ دیتا ہے، سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
مخالفت کرتاہے اور بندگانِ خدا میں معصیت کا طرز اختیار
کئے ہوئے ہے اور وہ شخص جو ان باتوں کو گوارا کرے اور
اصلاح کی کوشش نہ کرے اپنے قول اور اپنے عمل سے تو وہ
مستحق ہوگا اس کا کہ اللہ اس کو بھی اسی بادشاہ کے درجہ
میں محسوب کرے"۔ (بروں کے ساتھ رہنا، بُرائی دیکھتے
رہنا اور خاموش رہنا بھی بُرائی سے کم نہیں، ان کا حشر
بھی بُرا ہی ہوتاہے)۔

اس کے بعدامامِ عالی مقامؑ نے موجودہ صورتِ حال پرتبصرہ کی حیثیت
سے ارشاد فرمایا:

"تمہیں معلوم ہوگا کہ بنی امیّہ نے اطاعتِ شیطان کو
اپنا راستہ بنا لیا اور اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی ہے،
مسلمانوں کے اموال کو اپنا لیا ہے اور حرامِ خدا کو حلال اور
حلالِ خدا کو حرام قرار دے دیاہے۔ اس صورت میں مجھ
سے زیادہ کس پر یہ فرض عائد ہوتاہے کہ وہ اصلاح کی
کوشش کرے"☆۔

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۲۹۔

لہ چلتارہا اور تھوڑی دیرمیں عذیب الہجانات تک پہنچ گیا۔

۱۴۔ منزلِ عذیب الہجانات

اس منزل پرحضرت امام حسینؑ اور حر کے لشکر نے نہایت مختصر فاصلہ
ن میں چھوڑ کر الگ الگ قیام کیا۔ اِس منزل کے قیام کے
کوفہ کے پانچ آدمی گھوڑوں پر سوار آ پہنچے، اُن کے ساتھ ایک
گھوڑا بھی تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ان کو راستہ بتانے والے
بن عدی بھی ساتھ تھے۔ یہ پانچ افراد عمر و بن خالد اسدی
، ان کے غلام سعد، مجمع بن عبداللہ عائذی اور ان کے فرزند
مجمع اور جنادہ بن حارث سلمانی تھے۔حُر جو امامؑ کی نقل و حرکت
ان تھا، بڑھ کر امامؑ سے بولا:"یہ کوفہ کے لوگ ہیں اور آپؑ
تھ آنے والوں میں سے نہیں ہیں لہٰذا میں انہیں قید کردوں گا یا کوفہ
کر دوں گا"۔ امامؑ نے فرمایا:"اب جب یہ میرے پاس پہنچ چکے
ان کی حفاظت میرے ذمّہ ہے اور اب وہ میرے انصار و اعوان
اعت میں داخل ہو گئے ہیں"۔حر نے سنا اور خاموش ہوگیا۔
امامِ عالی مقامؑ نے ان سے اہلِ کوفہ کی کیفیت دریافت کی۔ مجمع
بداللہ عائذی نے کہا:"بڑے آدمیوں کو بڑی رشوتیں دی گئی ہیں
ید مال و دولت سے بھر دیا گیا ہے لہٰذا وہ سب آپؑ کے خلاف
ہیں۔ جہاں تک عوام کا سوال ہے ان کے دل آپؑ کی طرف
لواریں آپؑ کے خلاف ہی بلند ہوں گی"۔
ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں نے قیس بن مسہر کی شہادت کے حالات

بھی بیان کیے۔ امام کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے اور آپؑ نے قرآن کی آیت پڑھی:

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا.

(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۲۳)

(پھر کوئی ان میں ہے جو اپنا ذمہ پورا کرچکا اور کوئی ہے جو منتظر ہے اور ایک ذرہ بھی بدلا نہیں)

بہ الفاظِ دیگر امامؑ نے فرمایا: "گویا وہ اس راستہ پر چلے گئے اور ہمیں بھی اسی راستہ پر جانا ہے"۔

طرماح نے امامؑ سے ابنِ زیاد کی افواج کی کثرت بیان کی اور کہا: "کوفہ سے باہر نکلنے کے پہلے میں نے پشتِ کوفہ پر اتنا عظیم لشکر دیکھا جتنا آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میں نے جب دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سب اس لئے اکٹھا ہیں کہ پہلے ان کا جائزہ لیا جائے اور پھر یہ حسینؑ ابنِ علیؑ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوں گے"۔

یہ بیان کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ "اس جماعت سے مقابلہ آپؑ کے لئے ممکن نہیں لہٰذا آپؑ میرے ساتھ کوہِ "اجا" پر چلئے جہاں شاہانِ غسان و حمیر اور نعمان بن منذر ایسے زبردست بادشاہ تک ہم پر قابو نہیں پا سکے۔ میں ذمّہ داری لیتا ہوں کہ قبیلۂ طے کے بیس ہزار سپاہی آپؑ کی مدد کے لئے تیّار ہوں گے"۔

امامؑ نے طرماح کی مخلصانہ پیشکش پر انہیں دعائے خیر دی لیکن ان کے مشورہ پر عمل کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی۔☆ ظاہر ہے امامؑ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں کا خون بہتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۲۔۲۳۔

۱۴۔ قصرِ بنی مقاتل

عذیب الہجانات سے حضرت امام حسینؑ کوفہ کے راستہ کو چھوڑ کر داہنے ہاتھ کی سمت روانہ ہوئے یہاں تک کہ قصرِ بنی مقاتل پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپؑ نے قیام فرمایا، حُر بھی وہیں خیمہ زن ہوگیا۔[۱]

اسی منزل پر کوفہ کے بہادروں اور شہسواروں میں سے ایک شخص عبیداللہ بن حُر جعفی قیام پذیر تھا۔ حضرت نے اتمامِ حجت کے لئے اسے نصرت کی دعوت دی مگر اس کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی۔ اس نے حیلہ حوالہ کر کے اس موقع کو ہاتھ سے گنوا دیا۔[۲] کہتے ہیں اس پر اسے عمر بھر افسوس رہا، یہی نہیں بلکہ بعد میں خونِ امامؑ کے انتقام لینے والوں میں شریک ہوگیا۔

قصرِ بنی مقاتل سے روانگی سے قبل رات کے آخری حصّہ میں امامؑ نے اپنے قافلہ کے جوانوں کو پانی بھر کر ساتھ لینے کا حکم دیا جس کی تعمیل کی، پھر اس کے بعد اگلی منزل کی طرف روانگی ہوئی۔[۳]

ابھی تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ امامؑ پر غنودگی سی طاری ہوئی۔ آنکھ کھلی تو آپؑ نے فرمایا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔ دو تین مرتبہ آپؑ نے یہی کلمات دہرائے۔

یہ کلمات سننے کے بعد آپؑ کے فرزند علی اکبر گھوڑا بڑھا کر آپؑ کے قریب آئے اور اس وقت ان کلمات کے زبان پر جاری کرنے کا سبب

(۱) اخبار الطوال، ص ۲۴۹۔
(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۳۶، اخبار الطوال، ص ۲۴۹۔
(۳) طبری، ج ۶، ص ۲۳۱۔

دریافت فرمایا۔ حضرت نے فرمایا: ”ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ ایک راستہ پر جا رہے ہیں لیکن موت ان کی طرف آ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہماری موت کی اطلاع دی گئی ہے“۔ علی اکبر نے عرض کیا: ”بابا، خدا آپؑ کو رنج کی صورت نہ دکھلائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“ امامؑ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟ یقیناً قسم اس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے، ہم حق پر ہیں“۔ علی اکبر نے کہا: ”جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کیا پروا ہے؟“ امامؑ نے فرمایا: ”بیٹا، تمہیں خدا جزائے خیر دے، بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہو“☆۔ امامؑ کا یہ فرمانا عزّتِ نفس، اطمینانِ قلب اور اثباتِ ضمیر کا عجیب مرقّع ہے جسے اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۱۵۔ منزلِ نینوا

بہرحال قافلہ بڑھتا رہا۔ حُر بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا لیکن کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی یہاں تک کہ قافلہ نینوا کی زمین تک پہنچ گیا۔ یہاں ایک سوار مسلّح کوفہ کی طرف سے آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ سوار پہنچا، اس نے حُر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا لیکن حضرت امام حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کو سلام نہیں کیا۔ دراصل یہ عبیداللہ ابنِ زیاد کا قاصد تھا اور حُر کے نام خط لایا تھا۔ حُر تو یزیدی فوج کا ہی حصہ تھا اور امامؑ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن اب تک اس سے امامؑ کے ساتھ کسی قسم کے ناروا سلوک کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ شاید اسے عقبیٰ کا

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۳۱۔۲۳۲۔

خیال آتا رہا ہو اور امامؑ عالی مقام کا اسے اس کی جاں بلب فوج کو پانی پلانا اس کے ضمیر کو جھنجھوڑتا رہا ہو۔ حُر نے عبیداللہ ابنِ زیاد کا حکم نامہ، نامہ بر سے لیا، پڑھا اور پھر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی مجھے یہ خط پہنچے، وہیں میں آپؑ کو اترنے پر مجبور کروں، حکم لانے والا ابنِ زیاد کا قاصد ہے، اسے حکم ہے کہ وہ مجھ سے بغیر اس حکم کی تعمیل کرائے الگ نہ ہو“۔

حُر نے نہایت صفائی سے صورتِ حال واضح کر دی۔ امامؑ نے سنا اور فرمایا: ”اچھا، ہم کو ذرا آگے بڑھ کر اس قریہ میں قیام کرنے دو جس کا نام ’غاضریہ‘ ہے یا اس دوسرے قریہ میں جس کا نام ’شفیہ‘ ہے“۔ حُر نے جواب دیا: ”مجھے حکم ہے کہ میں آپؑ کو ایسے خشک صحرا میں اتاروں جہاں آب و گیاہ نہ ہو۔ یہ شخص مجھ پر نگراں مقرر کیا گیا ہے۔ یہ میرے طرزِ عمل کی اطلاع ابنِ زیاد کو دیتا رہے گا“۔ اصحابِ امامؑ میں یہ بیان سن کر جوش پیدا ہوا اور زہیر بن القین جو منزلِ ذوحسم سے ساتھ ہو لئے تھے ایک بار پھر بولے: ”فرزندِ رسولؐ، اس وقت ان سے جنگ کر لینا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اُن لوگوں سے جنگ کرنے کے جو اِن کے بعد آئیں گے۔ اِن کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی کہ ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہ ہوگی“۔ امامؑ نے پھر وہی جواب دہرایا جو وہ زہیر بن قین کو پہلے دے چکے تھے۔ فرمایا: ”نہیں، میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا“☆ اور پھر حُر سے مخاطب ہو کر امامؑ نے فرمایا: ”اچھا، کچھ تو چلنے دو“۔ حُر خاموش رہا۔

☆ الاخبار الطوال، ص ۲۵۰۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۲۔ ارشاد، ص ۲۳۸۔۲۳۹۔

۱۶۔ منزلِ کربلا

حضرت امام حسینؑ بائیں جانب مڑ کر تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ حُر کی فوج سامنے آکر سدِّ راہ ہوگئی اور کہا: "بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں"۔ امامؑ نے اس جگہ کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ "کربلا"۔ فرمایا: "اچھا، کرب و بلا کی یہی منزل ہے"۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔[۱] محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۲ء کی دوسری تاریخ تھی اور پنجشنبہ کا دن تھا۔[۲] دینوری نے چہارشنبہ اور یکم محرم لکھا ہے۔[۳]

گویا قافلۂ حسینیؑ ۲ر محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں وارد ہوا۔

کربلا، اے کربلا، تُو حادثۂ کربلا سے پہلے ہی کیوں زمین دوز نہ ہوگیا! لیکن تجھے کیا خبر کہ اگلے چند دنوں میں یہاں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ گو تُو بے جان سپاٹ میدان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور یہ انسان نما درندے ہیں جو خدا کے حکم کی پروا کئے بغیر نیک دل انسانوں پر از حد ظلم و ستم کرتے ہیں، جس نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں اسی کے اہلِ بیتؑ پر جور و ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ جلتے تپتے میدان میں اہلِ حرم کا پانی بند کرتے ہیں اور خاندانِ اہلِ بیتؑ کو شہید کرتے ہیں:

اے کربلا کی خاک، اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاشِ جگر گوشۂ بتولؑ
(مولانا ظفر علی خان)

(۱) طبری ج ۶، ص ۲۳۲۔
(۲) ارشاد۔
(۳) الاخبار الطوال، ص ۲۵۱۔

فلسفۂ قیامِ حضرتِ امامِ حسینؑ

سانحۂ کربلا ظاہر بیں حضرات کی نظر میں دو خاندانوں کی کشمکش کا نتیجہ وم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً دو متصادم قدروں اور نظریوں کی لگاتار آویزش منطقی ردِّ عمل اور دردناک اختتام ہے۔ ایک طرف نظامِ مصطفویؐ ہے تو ری طرف شرارِ بولہبی ہے، ایک طرف خیر ہے تو دوسری طرف شر ہے، طرف روحانیت ہے تو دوسری طرف مادّیت ہے، ایک طرف دینی ت کی تمنا ہے تو دوسری طرف دنیوی اقتدار ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ق و باطل کا براہِ راست ٹکراؤ ہے جو بے مثال و بے نظیر ہے۔ ضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد مشکل سے تیس سال گزرے کہ دینی حکومت پر یلغار ہوئی اور ایسی زبردست یلغار کہ اسلام کا نچہ ملیامیٹ ہوگیا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
(علّامہ اقبالؒ)

محرم ۶۱ھ میں جو حادثہ ہوا وہ یکلخت نہیں ہوا بلکہ اس کے تانے ے کافی پہلے سے بُنے جا رہے تھے۔ اس قتال سے بظاہر یزید بن یہ بن ابی سفیان کامیاب نظر آتا ہے لیکن بباطن اسے ابدی شکست

ہوئی ، ایسی شکست کہ کوئی نام لیوا نہ رہا۔ خود یزید کے بیٹے معاویہ نے
تخت و تاج یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ بنی امیّہ نے بنی ہاشم پر از حد مظالم
ڈھائے ہیں ، میں اسے قبول نہیں کر سکتا اور گوشہ نشین ہوگیا:

پُشتِ پا زد برسرِ تاجِ و نگیں
(علّامہ اقبالؒ)

یزیدبن معاویہ چار سال بھی حکومت نہ کر سکا ، اخیر رجب ۶۰ھ
میں حاکم بنا۔ حادثۂ کربلا محرم ۶۱ھ میں واقع ہوا اور یزید ۱۵ ربیع الاوّل
۶۴ھ کو مر گیا اور ہمیشہ کے لئے لعنتی ٹھہرا یہاں تک کہ" لفظ یزید
داخلِ دشنام ہوگیا"۔

دوسری جانب اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور
ان کے محدود رفقاء شہید ہو کر زندۂ جاوید ہو گئے (یاد رہے یزیدی فوج
کی تعداد کم سے کم تیس ہزار تھی):

قربانیٔ حسینؑ کی ملتی نہیں مثال
کرب و بلا سے پہلے نہ کرب و بلا کے بعد

اگلے صفحات میں انھیں حادثات کی تفصیل اختصار سے پیش کی جائے گی۔

حسینؑ اور یزید کا معرکہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔ حسینؑ حق کے
علمبردار تھے اور یزید باطل کا پرستار ، حسینؑ کے پاس ایمان کی قوّت
اور اللہ کا سہارا تھا اور یزید کے پاس حکومت اور دولت کا زور۔ کربلا
میں دونوں کا ٹکراؤ ہوا ، حق کے پرستار شہید ہوئے ، ان کے سر
نیزوں پر بلند کیے گئے ، ان کی نعشیں روند ڈالی گئیں اور ان کی عورتیں

کر لی گئیں ، ان کے خیمے جلا دیئے گئے ، ان کا مال و اسباب لوٹا
یا۔ غرض یہ کہ ان کو ہر طرح سے تباہ و برباد کر دیا گیا لیکن پھر بھی
روی فتح حسینؑ کی ہوئی۔ اس فتح کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ آج
نیا کے کروڑوں انسان حسینؑ کے نام پر جان فدا کرنے کے لئے تیّار
یں ، اپنی وابستگی کا مظاہرہ کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں لیکن یزید کا
وئی نام بھی نہیں لیتا۔ حسینؑ کے روضے پر لاکھوں زائرین اطراف و
کناف عالم سے پہنچتے ہیں السلام علیک یااباعبداللہ کے نعروں کی آواز ہر
ت گونجتی رہتی ہے۔

حق و باطل کے دوسرے معرکوں اور کربلا کے معرکہ میں بیّن فرق
ہے ، جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر اسے واضح کرتا چلوں تاکہ اس
بے مثال معرکے کا ایک اور بے مثال رُخ آپ کے سامنے آجائے۔

۱۔یونان کی سرزمین پر حق و باطل کا ٹکراؤ ہوا تو اکیلا سقراط تھا جس
نے زہر کا پیالہ لبوں سے لگا لیا۔

۲۔بابل کی سرزمین پر حق اور باطل میں جنگ ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ
گ کے الاؤ میں بے خطر کود پڑے۔

۳۔سرزمینِ مصر میں حق و باطل میں رزم آرائی ہوئی تو اکیلے
ضرت موسیٰؑ نے دربارِ فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ کیا۔

۴۔فلسطین کی سرزمین پر حق و باطل میں کشمکش ہوئی تو اکیلے
ضرت عیسیٰؑ نے صلیب کی دعوت بخوشی قبول کرلی۔

تاریخ گواہ ہے کہ گزشتہ تمام حق والے تنہا تھے لیکن حسینؑ کا کمال
ہے کہ جب وہ حق و باطل کے فیصلہ کن محاربہ کے لئے میدانِ کربلا میں
ریف لائے تو ان کے ساتھ مجاہد مردوں اور خواتین کا ایک چھوٹا سا

قافلہ موجود تھا اور ان سب کے دلوں میں حق پرستی ، وہی ایمان ، وہی ذوقِ فداکاری ، وہی ولولۂ دینی ، وہی عزمِ شہادت اور وہی جذبۂ قربانی موجود تھا جو خود حسینؑ کے دل میں موجزن تھا۔ استاد نے شاگردوں کو کچھ ایسی کامل تعلیم دی تھی کہ سارے شاگرد استاد کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے تھے۔ کربلا کے بن میں حسینؑ کے سارے ساتھی حسینؑ تھے۔ زہیر بھی حسینؑ تھے۔ حُر بھی حسینؑ بن گئے تھے ، حبیب بھی حسینؑ تھے ، عبّاس بھی حسینؑ تھے ، علی اکبر بھی حسینؑ تھے ، علی اصغر بھی حسینؑ تھے اور حد تو یہ ہے کہ زینبؑ بھی حسینؑ تھیں امّ کلثوم بھی حسینؑ تھیں سکینہ اور رقیّہ بھی حسینؑ تھیں ، غرض یہ کہ حسینی قافلہ کا ہر فرد حسینؑ تھا۔ تمام اہلِ قافلہ اس معنی میں حسینؑ تھے کہ ان کے دل و دماغ اور ان کے احساس و شعور پر حسینؑ ہی چھائے ہوئے تھے۔ اور حسینؑ کی بے پناہ تعلیمِ حق پرستی نے مردوں ، عورتوں اور بچّوں کی پوری جمعیت کو خود اپنے سانچہ میں ڈھال کر تاریخِ عالم میں پہلی بار حق پرستوں کی اتنی بڑی جماعت تیّار کر دی تھی کہ نہ ان سے قبل کبھی تیّار ہو سکی تھی اور نہ ان کے بعد کبھی تیّار ہونے کی امّید ہے۔

حسینی قافلہ میں جتنے افراد شریک تھے خواہ وہ بوڑھے ہوں ، بچّے ہوں ، عورتیں ہوں یا مرد ہوں ، سب کے عزائم ایک تھے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک روحِ حسینی تھی جو پورے قافلہ کے جسموں میں حرکت کر رہی تھی ، ایک حسینی قلب تھا جو تمام حق پرستوں کے سینوں میں دھڑک رہا تھا۔ یوں سمجھئے جو کچھ حسینؑ سوچتے تھے وہی ان کے انصار و اعوان سوچتے تھے ، جو حسینؑ کرنا چاہتے تھے وہی ان کے تمام ساتھی کرنا چاہتے تھے۔ معرکۂ کربلا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ پوری حسینی

جماعت فکر و عمل کے لحاظ سے ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور اس میں حق پرستوں کا ایک ایسا عدیم النظیر ڈسپلن کارفرما تھا جس کی مثال حق و باطل کے کسی معرکہ میں نہیں ملتی۔

حق و باطل کے مابین دنیا میں جتنے بھی ٹکراؤ ہوئے ان سب میں حق کے علمبرداروں نے قربانیاں دی ہیں ، لیکن حسینؑ کو دنیا کی ہر امکانی قربانی سے سابقہ پڑا ، انہوں نے اپنا وطن چھوڑا ، عزیزوں اور دوستوں سے جدا ہوئے ، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں ، تین شب و روز کی بھوک اور پیاس جھیلی ، دوستوں کو قتل ہوتے دیکھا ، اپنے عزیزوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے ملاحظہ فرمایا ، بھتیجے کی لاش کی پامالی دیکھی ، بھائی عبّاسِ علمدار کے شانے کٹتے دیکھے ، جوان بیٹے کا جسم پارہ پارہ ہوتے دیکھا ، چھ ماہ کا معصوم بچہ ان کے ہاتھوں پر تیرِ ستم کا نشانہ بنا ، خود امامؑ کا سرِ سجدۂ خالق میں تن سے جدا کیا گیا۔

ظلم یہیں نہیں ختم ہوا ، ان کا مال لوٹا گیا ، خیمے جلائے گئے ، بیبیوں کو قید کر کے کربلا سے کوفہ ، کوفہ سے شام تک سربرہنہ پھرایا گیا ، شام کے قیدخانے میں ان کے اہلِ خانہ کو شدید ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حد یہ ہے کہ خواتین کو اپنے مردوں پر رونے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ امامؑ اور ساتھیوں نے تمام مصائب اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندگیٔ معبود میں برداشت کئے اور اسلام کو زندۂ جاوید کر دیا۔

معرکۂ کربلا حق و باطل کی تمام لڑائیوں کا نچوڑ ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے ہر قسم کی قربانی پیش کر کے کربلا میں ان تمام واقعات کو ایک جگہ سمیٹ دیا ہے جو حق و باطل کے مختلف معرکوں میں پیش آتے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حسینؑ عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں۔ حسینؑ کو صرف

مسلمان ہی نہیں دنیا کے ہر مذہب کے لوگ مانتے ہیں اور اپنا سمجھتے ہیں۔ حسینؑ کا نام دنیا کی ہر قوم میں، ہر ملک میں، ہر مذہب میں احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اگلے صفحات میں دانشورانِ عالم جو مختلف قوم و ملت کے افراد ہیں، کے بیانات پڑھیئے اور غور فرمائیے۔

مقصدِ قیامِ حسینؑ کا تفصیلی جائزہ

پچھلے صفحات میں جگہ جگہ لکھا جا چکا ہے کہ امامؑ کا مقصد نہ تو تخت و تاج کا حصول تھا اور نہ تو یزید سے جنگ کرنا تھا اور نہ یزید کو ختم کرنا تھا بلکہ آپؑ کا مقصد مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا اور اسلامی اقدار کو اجاگر کرنا تھا۔ امامؑ کے قیام کا مقصد کلمۂ توحید کی بقاء، شریعتِ محمدیؐ کا تحفظ، قرآن کی بالادستی، انسانی اقدار کی بحالی اور شخصی آزادی کی بحالی کے لئے تھا جس کی وضاحت آپؑ مدینہ سے کربلا تک قدم قدم پر فرماتے رہے۔ امامؑ کے قیام کا مقصد یزیدیت کو ختم کرنا تھا اور اسلام کی صحیح تصویر سامنے لانا تھی اور ایک ایسا انقلابِ ذہنی پیدا کرنا تھا کہ یزیدیت کی اصلی شکل سامنے آ جائے، ساتھ ہی ساتھ یزید کے ظاہری دعوائے اسلام کی قلعی کھل جائے۔☆

مدینہ میں امامؑ سے بیعت طلب کی گئی، امامؑ نے مدینہ چھوڑا اور مکّہ تشریف لے گئے۔ مدینہ کو کیوں خیرباد کہا پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ امامؑ کو کسی کرائے کے قاتل سے مدینہ ہی میں قتل کرا دیا جاتا اور قاتل کو چھپا دیا جاتا۔ ایسی صورت میں

☆ بنو امیہ کے قبولِ اسلام کی تفصیل فتحِ مکّہ کے بعد "تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرت آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک" میں ملاحظہ فرمائیے۔

ید پر براہِ راست الزام نہ ہوتا کہ اس نے قتل کرایا۔ دنیوی یاست میں یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ آخر حضرت سعد بن عبادہ کو بھی ۱۵ھ میں شہید کر دیا گیا تھا☆۔

یہی صورتِ حال مکّہ کی تھی۔ حج کا زمانہ تھا دنیائے اسلام کے کونے کونے سے حاجی حضرات آئے ہوئے تھے۔ حکومتی کارندے فات، منیٰ، مشعرالحرام، مقامِ ابراہیم یا کسی اور جگہ خاموشی سے لہ آور ہوتے امامؑ کو قتل کرتے اور روپوش ہو جاتے۔ حکومت حال اس کی روپوشی میں مددگار ثابت ہوتی۔ امامؑ شہید ہوتے مکّہ مکرّمہ کی بے حرمتی ہوتی۔ امامِ عالی مقامؑ کو مکّہ اور مدینۂ منوّرہ بے حرمتی کسی قیمت پر قبول نہ تھی۔ بے حرمتی کے خیال ہی سے مؑ عالی مقام نے پہلے مدینہ چھوڑا پھر مکّہ چھوڑا اور کوفہ کی طرف انہ ہو گئے۔

قیامِ مکّہ کے دوران میں بھی آپؑ نے نہ تو خطوط لکھے اور نہ کسی کو بلایا۔ مکّہ میں کوفیوں کے خطوط آنے شروع ہوئے، ان لوگوں نے لکھا تھا: "آپؑ امامِ وقت ہیں، تشریف لائیے اور ہماری ہ نمائی فرمائیے"۔ امام پر دینی رہ نمائی فرض ہوتی ہے اسی وجہ سے امامؑ نے کوفہ کا رخ کیا۔ مقصدِ حسینؑ کو ایک جملہ میں کہنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں:

"مقصدِ حسینؑ، پرچم لاالٰہ الااللہ کو بلند کرنا اور قائم رکھنا تھا" ے یزید بن معاویہ نے سرنگوں کر دیا تھا اور اسلام کی تذلیل کر رہا تھا۔

☆ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ: شاہ مصباح الدین شکیل، ص ۴۵۳۔

امامِ عالی مقامؑ کا ہدف واجباتِ دین پر عمل کرنا اور تمام مسلمانوں سے عمل کرانا تھا گو اس کے لئے حکومت تک پہنچ کر عمل کرانا آسان ہو جاتا لیکن حضرت امام حسینؑ نے یزیدی حکومت کو ختم کرنے کے بجائے یزیدیت کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یزید کو ختم کرنے کے لئے فوج کی ضرورت تھی۔ یعنی جنگ لڑنے کی کوشش کی جاتی مگر حضرت امام حسینؑ جنگ کے خلاف تھے کیونکہ جنگ سے ہزاروں مسلمان قتل ہوتے اور اسلامی قوّت کمزور ہوتی۔ یزیدیت کو ختم کرنے کے لئے ایثار و قربانی ، صبر و شکر کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضرت امام حسینؑ نے اسلامی اور اخلاقی راہ اختیار کی اور اسی راہ پر چلتے ہوئے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانیاں پیش کر کے اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

اگر یزیدیت ختم ہو جاتی تو یزید کو اقتدار چھوڑنا پڑتا۔ اس سے قبل حضرت امام حسنؑ نے بھی جنگ کے بجائے ایثار و قربانی کا راستہ اپنایا تھا صلحِ حسنؑ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

یاد رہے قرآن مجید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قلب پر نازل ہوا۔ نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، انفاق ، حج اور گھریلو اور نجی روابط وغیرہ کا پیغام لایا اور انھیں پر عمل ہوتے ہوئے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دیکھا ، اسی عمل کو حضرت امام حسینؑ جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے۔

امیرشام کا از خود خلیفہ بن جانا ہی کیا کم تھا کہ مرنے سے پہلے اپنے بدمست ، بدکردار اور شرابی بیٹے کو اپنا جانشین بنا دیا۔ یزید نے

ملا کہنا شروع کر دیا "نہ تو کوئی وحی آئی ہے اور نہ خبر ، بنوہاشم نے اقتدار کے لئے کھیل کھیلا تھا"، تفاصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہیں۔ دربارِ شام میں کیا رنگ رلیاں کھیلی جا رہی تھیں آپ پڑھ چکے ہیں۔ جب حالات نہایت خراب ہوچکے ہوں اور زبوں حالی انتہا کو پہنچ چکی ہو تو اللہ تعالیٰ کوئی نیک بندہ سامنے لاتا ہے جو حالات کو درست کرتا ہے خواہ کتنی ہی مشکلات پیش آئیں۔ یہی آئینِ قدرت ہے۔ ہر فرعونے را موسیٰ۔

اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

(سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۷)

(وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے احکام کے سنگین بوجھ اور قید و بند کو اٹھا دیتا ہے)

مقدّس ہستیوں کا قیام ، الٰہی قیام ہوتا ہے اور ان کا ہدف و مقصد بندگانِ خدا کو ظلم کے پنجوں سے نجات دلانا غاصبوں سے مستحقین کو حق دلوانا ، لوگوں کو شریعتِ الٰہی کی تعلیم دینا اور اس کا نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ یہ مقدّس ہستیاں خواہ بندگانِ خدا کی نجات کے لئے قیام کریں ، خواہ شریعتِ الٰہی کے نفاذ کیلئے دونوں صورتوں میں ان کا ہدف اور مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے جس کے لئے وہ اپنی جان کی

بازی لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے عزیز ترین جگر گوشوں کو بھی اس راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ یہ رضائے الٰہی کے طلب گار کبھی اپنی ''اَنا'' اور نفس کو اور اپنے ذاتی اغراض کو اس میں شامل نہیں ہونے دیتے بلکہ صرف اور صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے قیام کرتے ہیں۔

یزید کے اقتدار میں آنے تک حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ اسلامی اقدار ختم ہوتی جا رہی تھیں، دکھاوے کی عبادت ہوتی تھی لیکن نفسِ عبادت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ایسا شخص برسرِ اقتدار تھا جو شراب پیتا تھا، حرام کاموں کا مرتکب ہوتا تھا، قرآن کی مخالفت میں بولتا تھا، گویا وہ مجسّم گندی مچھلی تھا جو پورے تالاب کے پانی کو خراب کر رہا تھا۔ بہ الفاظِ دیگر پورے اسلامی معاشرے کو گندگی سے بھرتا جا رہا تھا۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے قیامِ حسینؑ کے وقت تک حالات اس حد تک خراب ہو چکے تھے کہ حضرت امام حسینؑ پر ''قیام'' فرض ہو جاتا ہے۔ گرچہ جناب عبداللہ بن جعفرِ طیارؓ، جناب محمد حنفیہ بن علیؑ، جناب عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم معاشرہ کے اہم افراد تھے، یہ سب دین شناس تھے، عارف، عالم اور بافہم افراد تھے۔ سب حضرات نے امامؑ سے کہا ''خطرہ ہے، نہ جایئے''۔ غالباً یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب ذمّہ داری کی ادائیگی کی راہ میں خطرہ ہو تو ذمّہ داری وقتی طور پر ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ حضرات یقیناً حضرت امام حسینؑ کے بہی خواہ اور ہمدرد تھے لیکن امامِ وقت کو وہ سب کچھ معلوم تھا جو اِن حضرات کو معلوم نہ ہو سکا تھا۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بچپن

خواب☆ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیر، خاتونِ جنّت سلام اللہ لیہا کی بیٹی زینب کو وصیّت، حضرت علیؑ کی حضرت امام حسنؑ کو وصیّت سب معلومات امامِ وقت کے سامنے تھیں (دیگر حضرات متذکرۂ بالا وائف سے پوری طرح واقف نہ تھے)۔ سب سے بڑھ کر امامِ عالی مقامؑ کا مدینہ چھوڑنے کے وقت قبر رسولؐ پر جانا، ہلکی سی غنودگی میں غیبی آواز کا سننا: ''بیٹے تم اعلیٰ ترین شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گے جس کے لئے تمہیں اپنی اور پورے خاندان کی شہادت پیش کرنا ہے''۔ نانچہ امامِ عالی مقامؑ نے اسلام کو بچانے کی خاطر وہی کچھ کیا جس کی ر نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی، پھر قیام کیوں نہ ماتے! بظاہر وقتی شکست، بباطن ابدی کامیابی، جذاک اللہ۔

سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ.

(سورۃ الرّعد ۱۳، آیت ۱۱)

(یقیناً اللہ نہیں بدلتا اس حالت کو جو کسی قوم کی ہے جب تک کہ وہ خود اسے تبدیل کرنے کی سعی نہیں کرتی)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
(حالیؔ)

چنانچہ امامؑ عالی مقام نے فرمایا کہ اسلامی اقدار کو زندہ کرنا اور قائم

☆ تفصیل مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''نبیؐ کی نواسی حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا'' میں ملاحظہ فرمایئے۔

رکھنا ہے خواہ کتنے ہی مسائل سامنے آئیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ میدانِ جنگ میں ہزاروں مصائب کے سیلاب آئے لیکن اس کوہِ عزم و استقلال سے ٹکرا کر خود پلٹ گئے۔ حضرت امام حسینؑ کی زبان پر ذیل کا شعر جاری رہا:

ان کان دین محمد لم یستقم

الّا بقتلی یا سیوف خذینی

(اگر میرے نانا کا دین برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ میری رگِ حیات قطع نہیں ہو جاتی تو اے تلوارو! آؤ ، یہ جسم حاضر ہے)

مجھے نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت ہر قیمت پر بچانا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے تمام ساتھیوں کے ذہنوں میں سورۃ العصر رچی بسی رہی اور اسی کی تعلیمات پر پیہم عمل پیرا رہے۔ جہاں تک دشمنانِ دین کا سوال ہے تو انہوں نے خود اپنی عاقبت برباد کی۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنسَانَ لَفِی خُسْرٍ اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوا صَوْا بِالصَّبْرِ۔

(سورۃ العصر ۱۰۳ ، آیت ۱ تا ۳)

(قسم زمانے کی یقیناً انسان خسارے میں ہے ، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی ہدایت اور صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہے)

حضرت امام حسینؑ جس مقصد کے لئے نکلے تھے وہ پورا کیا اور دنیا کو دکھا دیا کہ راہِ حق پر چلنے والے اس طرح قربانیاں دیتے ہیں۔ آج کسی قوم میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ حسینؑ نے دنیا کے ہر فرد اور ہر مذہب و قوم کو راہِ حق پر مرنا سکھایا۔ حسینؑ کی شہادت اس نکتہ کو ثابت

ق ہے کہ اگر ایمان پختہ ہو تو مرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ کربلا کا
ہ ہی ہے جس نے اسلامی تاریخ کو رنگین بنایا اور دین و ایمان کی
ب سے بڑی تبلیغ کی۔ مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ دنیا واقعۂ کربلا
ے سبق حاصل کرے گی اور ایک ایسا زمانہ آ جائے گا جب ''حسینیت''
ں ہر شخص کا مذہب ہوگا اور دنیا سے بغض و عناد ، جور و ستم ، فتنہ و
اد ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے اور ''ہر قوم پکارے گی ہمارے
ں حسینؑ''۔

حضرت امام حسینؑ کی نظروں کے سامنے سارے پچھلے واقعات
ھے۔ اگر حضرت امام حسینؑ مادّی جنگ لڑتے تو سوائے کشت و خون
ھ حاصل نہ ہوتا چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے جنگ کا نقشہ (WAR
STRATE یکسر بدل دیا اور طے کیا کہ ہم اب اقتدار کا مقابلہ بے بسی
ے ، کثرت کا مقابلہ قلت سے ، ظلم کا مقابلہ فعّال مظلومیت سے
ر طاقت کا مقابلہ کردار سے کریں گے اور اس طرح سے کریں گے
کہ دنیا نے نہ تو اس سے پہلے ایسی جنگ دیکھی ہوگی اور نہ آئندہ
دیکھ سکے گی اور تاریخ ان واقعات کو قلم بند کرنے پر اپنے آپ کو
مجبور پائے گی۔

قبل اس کے کہ واقعاتِ کربلا لکھے جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قاصدِ حضرت امام حسینؑ مسلم بن عقیلؑ کی شہادت اور اس کے بعد کوفہ کے حالات بھی لکھے جائیں تاکہ شہادتِ حسینؑ کا تمام منظر اور پس منظر نظروں کے سامنے رہے۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کے بعد کوفہ کے حالات

کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیلؓ شہید ہو چکے ہیں۔ شہر میں سخت گیری انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ عبیداللہ ابنِ زیاد پکڑ دھکڑ میں لگا ہوا ہے۔ اسے یہ خطرہ بے چین کئے ہوئے ہے کہ کہیں اہلِ کوفہ اس کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ اسی خوف سے ان تمام اشخاص کو جن پر اسے حضرت امام حسینؑ سے ہمدردی کا شبہہ ہو جاتا ہے، قتل کرا دیتا ہے یا قید کر دیتا ہے۔ مشہور صحابیٔ رسولؐ میثم تمارؓ اور رشید ہجریؓ بھی شہید کئے جا چکے ہیں۔

مختار بن ابو عبیدہ ثقفیؓ ان دنوں کوفہ میں موجود نہ تھے جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تھے۔ انہیں خبر ہوئی، کوفہ آئے لیکن ان کی آمد سے پہلے ہی حضرت مسلمؓ شہید کئے جا چکے تھے۔ حضرت مسلمؓ کے دونوں بیٹے محمد اور ابراہیم گرفتار کر لئے گئے اور ۱۲رذی الحجہ ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء کو شہید کر دیئے گئے (تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے)۔ عمرو بن حریث نے ابنِ زیاد کے حکم سے رایت (علم) بلند کیا ہوا تھا کہ جو شخص اس کے نیچے آجائے گا پناہ میں ہوگا۔ مختار موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جھنڈے کے نیچے آگئے، لیکن پھر بھی انہیں امان نہ مل سکی کیونکہ عبیداللہ ابنِ زیاد کو مختار ثقفی پر شبہہ تھا قیدخانہ میں ڈال دیئے گئے۔ اسی طرح بہت سے دیگر افراد کو قیدخانہ میں ڈال دیا گیا تا کہ حضرت امام حسینؑ کو کسی طرح کی اور کسی طرف سے مدد نہ پہنچ سکے۔

یزید ابنِ معاویہ کو حضرت امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی کی جیسے ہی اطلاع ملی، عبیداللہ ابنِ زیاد کو حکم بھیجا: ”حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو، مورچے مضبوط کرو اور جس کسی پر گمان ہو اس کا تدارک کرو اور گرفتار کرلو“۔ حکم کا ملنا تھا کہ جیل مزید بھرنے لگی، یہاں تک کہ جیل پوری طرح بھر گئی۔ ایک موقع پر ابنِ زیاد نے خود کہا: ”کوئی ایسا شخص نہیں جس پر شبہہ ہو اور وہ جیل میں نہ ڈال دیا گیا ہو“۔

قافلۂ حسینیؑ یکم محرم ۶۱ھ مطابق (۶۸۰ء) کو کربلا کے جلتے تپتے میدان میں پہنچ چکا ہے۔ حُر بن یزید ریاحی نے عمر ابنِ سعد بن ابی وقاص کے حکم سے ایک ہزار لشکر کے ساتھ امامؑ کا گھیراؤ کر رکھا ہے۔ یاد رہے یہ وہی حُر بن یزید ریاحی ہیں جس کے جاں بلب لشکر کو امامِ عالی مقام نے منزلِ ذوحسم پر پانی پلایا تھا، نہ صرف لشکر کو بلکہ اس کے جانوروں تک کو بھی پانی پلایا تھا۔ اگر امامؑ عالی مقام ان کو پانی نہ پلاتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ دیکھئے اب حُر کا لشکر اور بعد میں آنے والی فوج جس کی تعداد کم از کم بیس ہزار بتائی گئی ہے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص کے مختصر حالات

عمر بن سعد صحابی تو نہ تھے لیکن عام اصطلاح میں تابعی کہا گیا ہے۔ خلیفۂ دوم کے انتقال کے دن پیدا ہوئے☆۔ عمر بن سعد کے

☆ الاخبار الا طوال، ص ۲۵۱۔

سن تمیز کے پہنچنے تک بہت سے صحابیٔ رسولؐ موجود تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا یقیناً ان حضرات سے سنا ہوگا۔ حضرت امام حسینؑ ، حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کوفہ سے مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت تک عمر بن سعد تقریباً بیس سال کے ہو چکے تھے ، حضرت امام حسینؑ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوگا اور فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو دیکھا بھی ہوگا۔ امامِ عالی مقامؑ کے زہد و تقویٰ ، عبادت و ریاضت ، خوش اخلاقی اور خوش مزاجی ، غرباء پروری اور سخاوت کے واقعات نہ صرف سنے ہوں گے بلکہ دیکھے بھی ہوں گے۔ یہی وہ امور تھے جن کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ سے متاثر تھے اور آپؑ کے خلاف کچھ کہنا یا کرنا نہ صرف بُرا سمجھتے تھے بلکہ گناہ بھی سمجھتے تھے۔

عمر بن سعد کو ''رے'' اور ''دیلم (موجودہ شیراز)'' کی گورنری کا پروانہ ملا لیکن اسی دوران کربلا کی مہم درپیش ہوگئی۔ چنانچہ عبیداللہ ابنِ زیادنے 'رے' اور 'دیلم' کی روانگی روک دی اور عمر ابنِ سعد کو کربلا روانگی کا حکم دیا۔ عمر ابنِ سعدنے انکار کیا۔ عبیداللہ ابنِ زیادنے کہا: ''اچھا رے اور دیلم (شیراز) کا پروانہ واپس کردو''۔ اب معاملہ سخت آن پڑا تھا۔ ایک طرف رے اور دیلم کی گورنری تھی دوسری طرف فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے جنگ تھی۔ حق و باطل کی ذہنی جنگ شروع ہوئی۔ عمر ابنِ سعد نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ مہلت ملی۔ عمر ابنِ سعدنے احباب و اعزّہ سے مشورہ کیا۔ سب نے

لا کی مہم پر جانے سے منع کیا۔ حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ اس کا بھانجہ اس نے کہا:

''آپ حسینؑ سے جنگ کرنے کو نہ جایئے اور گنہگار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتۂ قرابت کو قطع کرنے کے مرتکب نہ ہو جیئے ، خدا کی قسم اگر تمام دنیا کا مال و دولت اور دنیا بھر کی سلطنت آپ کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ نکل جائے تو بہتر ہے اس سے کہ آپ حسینؑ کے خون کا بار اپنی گردن پر لیں☆''۔

ایک طرف دنیوی جاہ و منال ہے دوسری طرف فرزندِ رسول اللہ علیہ وآلہٖ سلّم اور اسلام سے وفاداری ہے۔ ایک طرف نقد ہے ، دوسری طرف جنّت کا وعدہ ہے۔ بہرحال دنیوی دل فریبی ب آئی اور فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ سلّم سے جنگ کرنے پر ہو گیا:

''رے'' کا اگر امیر بھی تو ہو گیا تو کیا
انجامِ کار موت کرے گی تجھے فنا
مانا کہ ملک و زر میں سلیماں سے بڑھ گیا
وہ کب رہا جو تجھ سے کرے گا فلک وفا

بہرحال وہی چار ہزار فوج جو ایران جانے والی تھی کربلا کی طرف

طبری ، ج ۶ ، ص ۱۳۳۔

روانہ ہوگئی۔ عمر ابنِ سعد اس فوج کے ساتھ ۳رمحرم کو کربلا پہنچ گیا۔
امامِ عالی مقامؑ یکم محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو کربلا پہنچ چکے تھے اور حر بن یزید ریاحی کی ایک ہزار فوج نے امامِ عالی مقامؑ کو روک رکھا تھا۔ اب عمر ابنِ سعد کے پاس کُل پانچ ہزار فوج ہوگئی۔حصین بن تمیم کی سرداری میں تین ہزار فوج قادسیہ کے ناکے پر تھی اسے بھی کربلا بھیج دیا گیا۔ یہی آٹھ ہزار فوج چند جاں نثاروں کے لئے کیا کم تھی کہ عبیداللہ ابنِ زیاد نے کوفہ میں عام لام بندی کا حکم دیا اور خود مقامِ ''نخیلہ'' جو کربلا کے راستہ پر تھا خیمہ زن ہوگیا تاکہ آنے والی تمام فوجوں کا رخ کربلا کی طرف کرتا رہے۔ کوفہ میں بھرتی ہوتی رہی اور سردارانِ کوفہ حجار بن ابجر، شیث بن ربعی ، عمرو بن الحجاج وغیرہم کی سرکردگی میں فوج کربلا روانہ ہوتی رہی۔ کچھ لوگوں نے عذر کیا لیکن ابنِ زیاد نے کسی کا عذر قبول نہیں کیا۔ ایک شخص جو شام سے کسی کام سے آیا ہوا تھا اس نے عذر کیا ، اسے پکڑ کر عبیداللہ کے سامنے لایا گیا عبیداللہ ابن زیاد کے حکم سے اس کی گردن مار دی گئی۔ اس واقعہ نے ایسی دہشت طاری کردی کہ پھر کسی نے انکار کی جرأت نہ کی۔ نتیجتاً کم از کم بیس ہزار مزید فوج کربلا پہنچ گئی(بعض تاریخ نویسوں نے تیس/ چالیس ہزار اوربعض نے ایک لاکھ تک فوج کی تعداد لکھی ہے)
ادھر امامِ عالی مقام کے ساتھ گنے چنے نفوس تھے جن میں بچّے ، بوڑھے اور جوان سبھی شامل تھے (تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے)۔

انصارانِ حسینؑ کی قلت کیوں؟

فراد کے ذہنوں میں فطرتاً یہ بات آتی ہے کہ امامِ عالی مقامؑ
اہم ترین مشن پر جا رہے ہیں اس کے باوجود ساتھیوں کی تعداد
کے بجائے گھٹاتے جا رہے ہیں ، آخر یہ کیوں اور کیسے ہو رہا ہے!
سلسلہ میں آپ کی توجہ امامِ عالی مقامؑ کی مدینہ سے روانگی
دلاتا ہوں۔ امامِ عالی مقامؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت
صرف اولادِ ابوطالب کو ساتھ لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ چند
ان کو بھی بوجوہ مدینہ میں چھوڑ آئے (تفصیل پچھلے صفحات
ں ہے)۔

عالی مقامؑ مکّہ میں قیام پذیر ہیں ، نہ تو احباب کو خطوط لکھے
کو حمایت کے لئے کہا۔ یہی نہیں بلکہ مکّہ سے روانگی سے پہلے
لوگ راہِ حق میں قربان ہونا چاہتے ہیں ساتھ چلیں ورنہ
ائیں''۔ چنانچہ بہت سے لوگ الگ ہوگئے۔ مکّہ سے روانگی کے
ف اہلِ خاندان ساتھ تھے اور چند خدمت گزار ، مجموعی تعداد
ی۔ ہاں ، کچھ افراد راستہ میں ملتے اور ساتھ چلتے رہے لیکن
ل مقامؑ نے حادثۂ کربلا سے ایک شب پہلے فرمایا:''یہ ایثار و
ی منزل ہے ، صرف وہی رکے رہیں جو اللہ کی راہ میں جان
ے لئے تیار ہوں''۔

ؑ نے ۱۰رمحرم ۶۱ھ کی شب میں خطبہ دیا اور فرمایا:''چراغ گُل
ہوں ، اندھیرے میں جایئے اور میرے اہلِ خاندان سے کوئی

جانا چاہے تو اسے بھی ساتھ لیتے جایئے ، میں بیعت اٹھائے لیتا ہوں''۔
لیکن یہاں تو صرف وہ جاں‌نثارانِ اسلام و امامِ عالی مقامؑ موجود تھے
جو جان بخوشی دے سکتے تھے لیکن اسلام اور امامؑ کا ساتھ نہیں چھوڑ
سکتے تھے۔ چنانچہ ایک فرد بھی امامؑ کا ساتھ چھوڑ کر نہیں گیا۔ جاتے
کیسے؟ یہ تو اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کرنا جانتے تھے (تفصیل اگلے
صفحات پر پڑھئے)۔

یاد کیجئے ، امامؑ بار بار فرما چکے تھے ''یہ حق و باطل کا معرکہ ہے۔
میں یزید کو نہیں ، یزیدیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں''۔ یزید کو ختم کرنے
کے لئے فوج کی ضرورت تھی ، یزیدیت کو ختم کرنے کے لئے ایثار و
قربانی کی ضرورت تھی ، صبر و شکر کی ضرورت تھی جو امامِ عالی مقامؑ
کے ساتھیوں میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اسی پر عمل ہوا۔ یزیدیت ختم
ہوئی ، اسلام کا پرچم لہرایا اور بفضلِ تعالیٰ اب تک لہرا رہا ہے اور
ان شاء اللہ تعالیٰ لہراتا رہے گا۔ ایثار و قربانی کی تفصیل اگلے صفحات پر
ملاحظہ فرمایئے۔ امامؑ نے بار بار فرمایا: ''جنگ ہوئی تو مسلمانوں کا خون
بہے گا جو مجھے قبول نہیں''۔

کربلا میں مصالحت کی گفتگو

معرکہ آرائی سے پہلے مصالحت کی بات کرنا مہذّب دنیا کا طریقہ رہا
ہے لیکن جہاں جبر ہو ، قہر ہو ، ضد ہو اور اقتدار کا نشہ ہو وہاں انسانیت
اور مصالحت کی بات مشکل ہوتی ہے۔ امامِ عالی مقامؑ بہرحال اتمامِ حجت

خاطر صلح پسندی کی بات سننے اور کرنے کے لئے ہمہ وقت تیاّر
تھے۔ گو عمر ابنِ سعد حضرت امام حسینؑ کی دل سے عزّت کرتا تھا
لیکن حرصِ دنیا اور عبیداللہ ابنِ زیاد کے خوف سے کربلا کی مہم کے لئے تیاّر
ہو گیا تھا۔

کربلا پہنچنے کے بعد عمر ابنِ سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو امامؑ
کے پاس بھیجا۔ حبیب ابنِ مظاہر امامؑ کے ساتھ تھے ، امام سے فرمایا:
میں اسے جانتا ہوں''۔ حبیب ابنِ مظاہر امامؑ سے گفتگو فرما ہی رہے
تھے کہ وہ قریب آگیا اور امامؑ کو سلام کیا اور کہا: ''عمر سعد نے
دریافت کیا ہے کہ آپؑ کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے''۔ امامؑ
نے فرمایا: ''مجھ کو تمہارے شہر کے لوگوں نے لکھا تھا کہ میں آؤں ،
میں آگیا ہوں۔ اگر پسند نہیں کرتے تو کہیں اور چلا جاؤں گا''۔ امامؑ
کا جواب اتمامِ حجّت اور صلح پسندی کا آئینہ دار تھا۔

قاصد واپس جانے لگا تو حبیب ابنِ مظاہر نے کہا: ''اے قرہ بن
قیس ، اب ظالم جماعت کی طرف کہاں واپس جاتے ہو ، آؤ اس
مظلوم کی مدد کرو جن کے بزرگوں کی بدولت تمہاری اور ہماری سب کی
ہدایت ہوئی ہے''۔ قرہ نے کہا: ''میں جو پیغام لایا تھا اس کا جواب
پہنچا دوں پھر غور کروں گا''۔

قرہ نے واپس جا کر عمر بن سعد سے امامؑ کا جواب بیان کر دیا۔
امامؑ کے جواب سے عمر ابنِ سعد کو توقّع ہوئی کہ صلح ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس
نے عبیداللہ ابنِ زیاد کو لکھ بھیجا کہ ''حسینؑ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کوفہ

نے بلایا تھا میں آ گیا لیکن اگر ان لوگوں کے خیال میں تبدیلی آ گئی ہے تو میں واپس کہیں اور چلا جاتا ہوں''۔ عمر ابنِ سعد کا پیغام عبیداللہ ابنِ زیادنے پڑھا ، غرور و تکبّر، فرعونیت اورظلم و سفّاکی کا پیکر بول اٹھا: ''اب جبکہ ہمارے چنگل میں آ پہنچے ہیں تو نجات کے طالب ہیں ، ہرگز نہیں ، اب وہ ہم سے بچ کر نہیں جاسکتے''۔

عبیداللہ ابنِ زیادنے عمر ابنِ سعد کو لکھا '' تم حسینؑ کے سامنے یہ سوال پیش کرو کہ وہ اور ان کے تمام اصحاب یزید بن معاویہ کی بیعت کرلیں پھر ہم رائے قائم کریں گے''☆۔

عبیداللہ ابنِ زیاد کے جواب سے عمر ابنِ سعد کی تمام امّیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس خط کے عنوان میں ابنِ زیاد کی مفسد اور فتنہ پسند ذہنیت کا پورا پورا ثبوت موجود تھا۔ اوّل بیعتِ یزید کا امام حسینؑ سے مطالبہ ہی ایسا تھا جس کا قبول کرنا ناممکن تھا۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ '' بفرضِ محال '' بیعت کر لینے کی صورت میں بھی حکومت کی طرف سے کسی خوش گوار نتیجہ کا وعدہ نہ تھا بلکہ یہ کہا جا رہا تھا کہ ہم پھر رائے قائم کریں گے۔ اس کے یہی معنی ہو سکتے تھے کہ اس کے بعد بھی حکومت حضرت امام حسینؑ کے گزشتہ انکارِ بیعت کی بناء پر آپؑ کے لئے کچھ سزا تجویز کرنے کا حق رکھے گی۔

خط کا انداز بتاتا ہے کہ ابنِ زیاد حضرت امام حسینؑ کے اتمامِ حجّت پر مبنی جواب کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے خیال کیا کہ فوج کی کثرت کو دیکھ کر حسینؑ ڈر گئے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ میں واپس

☆ الاخبارالطوال ، ص ۲۵۲۔

جاؤں گا مگر عمر سعد ،حسینؑ اور ان کے اصحاب کے تیوروں کو قریب سے دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ آپؑ کا جواب صرف امن پسندی اور سلامت روی کا نتیجہ ہے کسی ہیبت اور خوف پر مبنی نہیں ہے۔ اس نے ابنِ زیاد کے اس خط کو بالکل نامعقول سمجھتے ہوئے کہا: ''مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ عبیداللہ ابنِ زیاد امن کے خواہاں نہیں ہیں''۔(۱) بہرحال اس نے ابنِ زیاد کا خط حضرت امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے وہی کہا جو عمر سعد سمجھ چکا تھا ، یعنی ''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ موت ہی تو ہے۔ میں اس کا خیرمقدم کرنے کے لئے تیار ہوں''۔(۲) عمر سعد نے حضرت امام حسینؑ کا جواب بھی ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا۔

کربلا میں بندشِ آب

حضرت امام حسینؑ میدانِ کربلا میں یکم محرم کو پہنچ چکے تھے ، عبیداللہ ابنِ زیادنے قاصد کے ذریعہ حُربن یزید ریاحی کو پیغام بھیج دیا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور ان کو ایسی جگہ قیام پر مجبور کرو جہاں پانی موجود نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ پیغامبر کو ہدایت تھی کہ تم حر کے ساتھ رہو یہاں تک کہ اس حکم پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ حرنے امامؑ کو بے آب و گیاہ مقام پر قیام کے لئے مجبور کر دیا۔(۳) عالم

(۱) طبری ، ج ٦ ، ص ۲۳۵۔ ارشاد ، ص ۲۳۹۔ الاخبارالطوال ، ص ۲۵۱۔
(۲) الاخبارالطوال ، ص ۲۵۲۔
(۳) الاخبارالطوال ص ۲۴۹ ،طبری جلد ٦ ص ۲۳۲ ، ارشاد ص ۲۱۳ ، کامل ابنِ اثیر جلد ۴ ص ۲٦ ، ابوالفدا ج ۱ ص ۱۹۰۔

یہ تھا کہ خیامِ حسینیؑ عرب کی جلتی، تپتی ریت پر تھا اور یزیدی فوج
نہرِ فرات کے کنارے تمام ضروریاتِ زندگی کے ساتھ خیمہ زن تھی۔
حر ابنِ یزید ریاحی بھی کافی حد تک حضرت امام حسینؑ کے مراتب
سے واقف تھا لیکن خوفِ یزید سے مجبور۔ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں
خیامِ حسینیؑ میں کسی نہ کسی طریقہ سے پانی پہنچتا رہا گرچہ بعض مواقع پر
جھڑپیں بھی ہوئیں۔ عمر ابنِ سعد کے کربلا پہنچنے کے بعد حر کی رہی سہی
طاقت بھی ختم ہوگئی۔ سات محرم ۶۱ھ کو عبیداللہ ابنِ زیاد کا دوسرا
خط عمر ابنِ سعد کے پاس پہنچا کہ ''حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی
بند کر دو، اس طرح کہ انہیں ایک قطرہ بھی پانی نہ ملنے پائے، جیسا
عثمان بن عفّان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا[1]'' (یہ امر ذہن نشین رہے کہ
خلیفہ سوم پر بندشِ آب کے موقع پر حضرت علیؑ نے اپنے فرزندوں
کے ذریعے پانی بھجوانے کا انتظام کیا تھا)۔ اس خط کے ملتے ہی عمر
ابنِ سعد نے عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے
ساتھ گھاٹ پر مقرر کر دیا اور تاکید کر دی کہ ایک قطرۂ آب خیامِ حسینیؑ
تک نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ خیامِ حسینیؑ تک پانی پہنچنا دشوار ہوگیا[2]۔

ساتویں محرم تک کسی نہ کسی طرح خیامِ حسینیؑ تک کچھ پانی پہنچتا
رہا۔ حضرت عباسؑ کا جہاد کرکے ساتویں محرم کو کچھ پانی حاصل کرنے
کی روایت ملتی ہے (غالباً یہ آٹھویں شب کا واقعہ ہے) بہرحال اس
کے بعد آٹھویں، نویں اور دسویں محرم کو پانی دستیاب نہ ہوا۔ خیامِ حسینیؑ
کے سبھی مکین تین شب و روز پیاسے رہے۔

---
(۱) الاخبار الطوال ص ۲۵۲، طبری جلد ۶ ص ۲۳۳، ارشاد ص ۲۱۳۔
(۲) الاخبار الطوال، طبری ج ۶، لہوف سیّد ابنِ طاؤس وغیرہ۔

حضرت امام حسینؑ کی بلندنظری دیکھئے کہ حصولِ آب کے لئے
بھی جنگ نہیں کی، صرف اتمامِ حجّت اور یزیدی فوج کے ضمیر کو
بیدار کرنے کے لئے گفتگو کرتے رہے۔

حضرت امام حسینؑ نے بریر ہمدانی کو ان کی درخواست پر اجازت
دی کہ وہ عمرِ سعد سے مل سکتے ہیں۔ بریر ہمدانی عمرِ سعد کے پاس
گئے اور فرمایا: ''عمر سعد، تم کیسے مسلمان ہو کہ آلِ رسولؐ کے قتل پر
تیار ہو کر آئے ہو اور آبِ فرات خیامِ حسینیؑ پر بند کر رکھا ہے''۔

عمرِ سعد بولا: ''کیا کروں، رَے کی حکومت مجھ سے جاتی رہے گی
اگر عبیداللہ ابنِ زیاد کے حکم کے خلاف کروں گا''۔ جہاں دنیاطلبی ہوتی ہے
دین و ایمان اور اخلاق سب ختم ہو جاتا ہے۔ صبر و شکر کرنے والے دنیاپرستی
سے بھاگتے ہیں، دین و ایمان اور اخلاق اپناتے ہیں اور اہلِ دنیا کو
راہِ مستقیم دکھاتے ہیں۔ یہی وہ راہِ مستقیم ہے جس پر اہلِ بیتِ رسولؐ
چلتے رہے، سخت ترین مصائب برداشت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کا
شکر ادا کرتے رہے۔

صلح کی آخری کوشش

حضرت امام حسینؑ امن پسند تھے پوری قوم کو امن و امان میں دیکھنا
چاہتے تھے ساتھ ہی ساتھ اقدارِ اسلامی کا قیام یقینی بنانا چاہتے تھے اس
کے لئے راہِ حق میں خواہ کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔ آپؑ راہِ حق میں
فنا ہونے کو حاصلِ زندگی سمجھتے تھے:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

چنانچہ اتمامِ حجّت کا دروازہ کھلا رکھا اور دوبارہ اپنی جانب سے صلح کی گفتگو کا آغاز فرمایا۔ آپؑ نے عمرو بن قرظتہ بن کعب انصاری کو عمر ابنِ سعد کے پاس بھیجا اور فرمایا: ''آج شب کو مجھ سے دونوں طرف کے لشکروں کے درمیان مل لینا''۔ چنانچہ عمر ابنِ سعد کوئی بیس سوار لے کر نکلا اور امامؑ بھی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ قریب پہنچے تو امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا، عمر ابنِ سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو الگ کر دیا۔ گفتگو کافی دیر ہوتی رہی جس کے بعد امامؑ اپنے خیام کی طرف پلٹ آئے اور ابنِ سعد بھی اپنے لشکر کی طرف چلا گیا☆۔ تاریخ التواریخ اور سبطِ ابنِ جوزی کے مطابق عمر ابنِ سعد نے امامؑ سے ملنے کی استدعا کی تھی جسے امامؑ نے قبول فرما لیا۔

واقعۂ کربلا کے ایک عینی شاہد عقبہ بن سمعان کا بیان ہے:

''میں مدینہ سے لے کر مکہ اور مکہ سے لے کر عراق تک برابر امام حسینؑ کے ہمراہ رہا اور ان کی شہادت تک میں ان سے علیحدہ نہیں ہوا۔ امامؑ نے مدینہ سے مکہ اور درمیانی راستہ عراق اور لشکر میں جامِ شہادت نوش کرنے تک کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو میں نے نہ سنا ہو۔ جو کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حسینؑ نے یہ کہا تھا کہ وہ یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں یا مسلمانوں کی کسی سرحد کی طرف نکل جاتے ہیں بخدا امامؑ

☆ تاریخ طبری، ج ٦، ص ٢٣٥۔

نے ہرگز ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کہی تھی البتہ یہ ضرور فرمایا تھا کہ میں اس وسیع و عریض زمین میں چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ دیکھیں لوگوں کے معاملہ کا انجام کیا ہوتا ہے''۔[1]

(قارئین پچھلے صفحات پر پڑھ چکے ہیں کہ جناب محمد حنفیہ بن علیؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت امام حسینؑ سے فرمایا تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو آپؑ مکّہ سے بھی نکل کر دور دراز مقامات، جنگلوں، بیابانوں میں پھرتے رہئے یہاں تک کہ حالات سازگار ہوجائیں)۔

حضرت امام حسینؑ کے صلح کے اقدام سے عیاں ہے کہ آپؑ امن پسند تھے اور امن سب کے لئے چاہتے تھے لیکن اسلامی اقدار کو ہر حال میں قائم و دائم دیکھنا آپؑ کا مقصدِ حیات تھا۔ امامؑ کے اس اقدام کو یزیدی فوج کے افسرِ اعلیٰ عمر بن سعد نے بھی پسند کیا اور اس امر کا معترف ہوا کہ حضرت امام حسینؑ امن پسند ہیں اور اسی راہ پر گامزن ہیں۔ چنانچہ ابنِ سعد نے عبیداللہ ابنِ زیاد کو مطلع کیا تھا کہ حضرت امام حسینؑ مصالحت چاہتے ہیں اور یوں لکھا: ''الحمدللہ، فتنہ کی آگ فرو ہوگئی اور مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع رہنے کی صورت پیدا ہوگئی اور امّتِ اسلامی کا معاملہ رو بہ اصلاح ہوگیا''۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی رائے بھی لکھی کہ میرے نزدیک اب مخاصمت کی بات نہیں ہے۔ اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہئے''۔[2]

(١) تاریخ طبری، ج ٦، ص ٢٣٥۔ تاریخِ کامل جلد ٣، ص ٢٨٤۔
(٢) طبری، ج ٦، ص ٢٣٥۔٢٣٦۔

کہا جاتا ہے کہ عبیداللہ ابنِ زیاد بھی عمر بن سعد کی رائے منظور کرنا چاہتا تھا لیکن شمر[۱] بھڑ گیا اور کہنے لگا: ''بھلا ایسا موقع ہاتھ آئے اور آپ اسے چھوڑ دیں۔ حسینؑ آپ کے پہلو میں آگئے ہیں اگر وہ آج چلے گئے اور آپ کی اطاعت اختیار نہ کی تو یاد رکھئے قوّت و عزّت ان ہی کا حق ہوگا اور کمزوری و عاجزی آپ کا حصّہ۔ میری رائے میں ان کی یہ خواہش کبھی منظور نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ہمارے لئے بڑی ذلّت اور کمزوری کی نشانی ہوگی۔ انہیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دینا اور سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اگر آپ انہیں ان کے (معاذاللہ) جرم میں قتل کرنا چاہیں تو آپ کا حق ہوگا اور اگر معاف کردیں تو آپ کو اختیار ہے''۔[۲]

بعض روایات کے مطابق خولی بن یزید اصبحی نے عمر ابنِ سعد کی شکایت میں ابنِ زیاد کو خط لکھا تھا جس کی وجہ سے ابنِ زیاد عمر سعد سے بدظن ہوگیا۔

شمر کے مفسدانہ بیان سے مصالحت کے سارے راستے مسدود ہوگئے۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے طے کر لیا کہ شمر کو حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے بھیجا جائے لہٰذا اس نے فوج اور ایک خط کے ساتھ شمر بن ذی الجوشن کو کربلا روانہ کر دیا۔

عبیداللہ ابنِ زیاد نے عمر ابنِ سعد کو لکھا:

''میں نے تم کو حسینؑ کی جانب اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم ان کے ساتھ مراعات کرو، ان کے ساتھ معاملات کو طول دو یا ان کو زندگی کی امیدیں دلاؤ یا ان کی مجھ سے سفارش کرو اور نہ اس لئے کہ فرش پر بیٹھ کر ان کے ساتھ

(۱) شمر کا اصلی نام شرحبیل بن عمرو بن معاویہ تھا۔ (الاخبار الطوال، ص ۲۵۳۔۲۵۴)
(۲) طبری، جلد ۶، ص ۲۳۶۔

گفتگو کرو جیسا کہ ان امور کی مجھے اطلاع ملی ہے، دیکھو! اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلیں اور اپنے آپ کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو ان کو خاموشی سے میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کر دو[۱] پانی بند کر دو اور خیال رکھنا کہ ان تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔ انہیں قتل کر دو اور ان کے اعضاء و جوارح کو قطع کرو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں''۔

بس اتنا ہی نہیں عبیداللہ ابنِ زیاد بدنسل اور بداعمال مزید لکھتا ہے:

''جب حسینؑ قتل ہو جائیں تو ان کے سینہ اور ان کے پشت کو گھوڑوں کے ٹاپوں سے پامال کرنا۔ اگر تم نے ان احکام پر عمل کیا تو تمہیں معاوضہ ملے گا جو ایک وفادار کو ملتا ہے اور اگر تمہیں یہ احکام نامنظور ہوں تو لشکر کی سرداری سے الگ ہو جاؤ اور اس منصب کو شمر کے حوالے کردو''۔

عبیداللہ ابنِ زیاد نے یہ خط شمر کے حوالے کیا اور کہا:

''اگر عمر سعد اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو معزول تصور ہوگا اور تم اس کی جگہ سردارِ لشکر قرار پاؤ گے۔ تم حسینؑ سے جنگ کرنا اور عمر سعد کو بھی قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دینا''۔[۲]

(۱) الاخبار الطوال، ص ۲۵۳۔
(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۳۶۔ ارشاد، شیخ مفید، ص ۲۳۱۔۲۳۲۔

عبیداللہ ابنِ زیاد کا تنبیہ بھرا خط شمر کے ذریعے عمر ابنِ سعد کے پاس پہنچا۔ ابنِ سعد نے خط پڑھا اور گویا ہوا:

''کم بخت ! تُو نے یہ کیا کیا ، خدا تجھ سے سمجھے خدا تجھے غارت کرے اور اس پیغام کو بھی غارت کرے۔ بخدا میں سمجھتا ہوں کہ تُو نے ہی ابنِ زیاد کو میرے مشورہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور بات بگاڑ دی ، مصالحت کی بات ختم ہو گئی۔ خدا کی قسم ! حسینؑ کبھی بھی اپنے کو ابنِ زیاد کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑیں گے۔ یقیناً حسینؑ اپنے باپ کا دل اپنے سینے میں رکھتے ہیں''☆ (عمر سعد جیسا دشمنِ جان بھی حضرت امام حسینؑ کے کردار اور شخصیّت کا اقرار کرتا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ''جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے'')۔

شمر بولا: ''ان باتوں کو جانے دو ، یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ امیر کے حکم پر عمل کرو گے یا سرداری میرے سپرد کرو گے''۔

عمر سعد سخت الجھاؤ میں مبتلا ہے۔ حکم عدولی کرتا ہے تو دنیوی مال و منال سے ہاتھ دھوتا ہے ، سرداری جاتی ہے ، زندگی خطرے میں ہے ، بال بچے قید ہوتے ہیں۔ اقرار کرتا ہے تو آلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے ، جہنّم کا ایندھن بنتا ہے ، سخت عذاب میں مبتلا ہے۔ آخر کار دنیوی عیش غالب آتا ہے ، شمر کے جواب میں کہتا ہے: ''مہم میں سر کروں گا ، ہاں تمھیں پیادوں کا افسر بنائے دیتا ہوں''۔ عمر سعد کو یہ بھی خدشہ پیدا ہوا کہ اب اگر جنگ میں ذرا بھی دیر ہوئی تو شمر میرے خلاف عبیداللہ ابنِ زیاد کو لکھ بھیجے گا وہ میرے

☆ ارشاد شیخ مفید ص ۲۳۶ ، تاریخِ کامل ، جلد ۳ ص ۲۸۴۔

خلاف کوئی بھی کارروائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ عمر سعد نے حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

بغیر اطّلاع پہلے حملہ کی ابتداء

پنجشنبہ کا دن اور محرم ۶۱ھ (مطابق ۶۸۰ء) کی نویں تاریخ تھی۔ شام ہونے سے پہلے ہی بغیر اطّلاع حملہ کر دیا گیا۔ حضرت امام حسینؑ عصر کی نماز کے بعد خیمہ کے دروازے پر تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے ، آپؑ کی آنکھ لگ گئی کہ یکایک گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے غل کی آواز جناب زینبؑ کے کان میں گئی۔ آپ گھبرا کر پردہ کے پاس آئیں اور حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کیا کہ دیکھئے فوج دشمن کی آوازیں بہت نزدیک سے آ رہی ہیں۔ آپؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''میں نے ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دیکھا ، حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم عنقریب ہمارے پاس آیا چاہتے ہو''۔

اچانک دشمن کے حملہ سے زینبؑ کا دل پریشان تھا ہی کہ امامؑ نے خواب بیان کیا ، جناب زینبؑ مزید مضطرب ہوگئیں اور کہا: ''ارے یہ غضب !'' امامؑ نے بہن کو تسلّی دی۔ فرمایا: ''اے بہن ! غضب تمہارے دشمنوں کے لئے۔ خاموش رہو ، خدا مالک ہے''۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ابوالفضل العبّاسؑ نے آکر اطّلاع دی کہ فوجِ اعداء نے چڑھائی کر دی ہے۔ حضرت یہ سن کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''عبّاسؑ ! جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اِس وقت حملہ کا سبب کیا ہے؟'' جناب عبّاسؑ

بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے اور فوجِ مخالف سے خطاب کرتے ہوئے دریافت کیا کہ ''تمہاری رائے میں کیوں تبدیلی ہو گئی اور اب تم کیا چاہتے ہو؟''۔ جواب ملا ''امیر عبیداللہ ابنِ زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے بصورتِ انکار جنگ شروع کر دی جائے''۔ آپ نے فرمایا ''اچھا جلدی نہ کرو۔ میں امامؑ کے پاس جا کر تمہارا مطالبہ پیش کرتا ہوں۔اس کے بعد جیسا کچھ امامؑ فرمائیں گے اس سے تم کو مطلّع کردوں گا''۔ جناب عباسؑ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں واپس آئے اور آپؑ کو صورتحال سے آگاہ کیا[1]۔

حضرتِ عباسِؑ علمدار ایک شب کی مہلت لیتے ہیں

حضرت عباسؑ علمدار کی بات سن کر امامؑ نے فرمایا ''اگر ممکن ہو تو آج کی شب ان سے مہلت حاصل کر لوتا کہ آج رات بھر ہم عبادتِ الٰہی اور دعا و استغفار میں بسر کر لیں۔ اللہ ہی واقف ہے کہ میں اُس کی نماز و عبادت، تلاوتِ قرآن اور دعا و استغفار سے کتنی محبّت رکھتا ہوں''[2]۔ اس دوران حبیب ابنِ مظاہر اور زہیر بن قین فوجِ مخالف سے گفتگو کرتے رہے اور حضرت امام حسینؑ پر بلاوجہ ظلم وستم کرنے پر اُن کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ عروہ بن قیس نے ان سے کہا: ''اے زہیر، ہم تو تمہیں اس خاندان کا شیعہ (دوست) نہیں سمجھتے تھے بلکہ تم تو عثمانی تھے''۔ زہیر نے جواب دیا: ''کیا میرے یہاں

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۳۸۔

(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۳۷۔۲۳۸۔ارشاد، ص ۲۳۲۔۲۳۳۔

کھڑے ہونے پر تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ میں انہیں کے شیعوں میں سے ہوں؟''

حضرت عباسؑ فوجِ مخالف کے پاس گئے اورا مامؑ کے ارشاد کے مطابق ان سے ایک رات کی مہلت طلب کی[1]۔ عمر سعد گزشتہ واقعات کی بناء پر شمر کی موجودگی کو اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ''تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' شمر نے جواب دیا: ''جیسا آپ مناسب سمجھیں اس لئے کہ آپ افسر ہیں اور آپ کی رائے معتبر ہے''۔

عمر سعد نے سمجھ لیا کہ شمر کا یہ جواب طنزیہ انداز کا ہے، اس نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دی جائے''۔ دراصل اس کا ضمیر اس کے خلاف تھا اس لئے وہ دوسرے سرداروں کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ ''کیوں تم لوگوں کی کیا رائے ہے''۔ عمرو بن حجاج زبیدی، ہانی بن عروہ کے برادرِ نسبتی نے جو مسلم بن عقیلؑ کے قتل کی خبر سن کر دار الامارہ پر چڑھ دوڑے تھے (تفصیل پچھلے صفحات میں لکھی جا چکی ہے)، کہا: ''سبحان اللہ! اگر یہ لوگ قبیلۂ ترک و دیلم سے بھی ہوتے اور اتنی رعایت کے طالب ہوتے تو تمہیں ان کے ساتھ یہ مراعات لازم تھی اور یہ تو فرزند رسولؐ ہیں جو صرف ایک رات کی مہلت طلب کر رہے ہیں''۔ قیس بن اشعث نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مہلت دینی چاہئے[2]۔

حضرت عباسؑ کے ضبط و صبر کا بے نظیر نمونہ دیکھئے کہ یہ تمام گفتگو ان میں ہوتی رہی اور آپ خاموش نتیجہ کے منتظر کھڑے رہے۔ آخر مہلت

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۳۸۔

(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۳۸۔ ارشاد، ص ۱۴۳۔

کا مسئلہ طے پایا اور جناب عبّاسؑ اس طرح پلٹے کہ آپ کے ساتھ عمر سعد کا ایک نمائندہ بھی تھا۔ اس نے کہا: ''ہم آپ کو کل تک کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر کل آپ نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہم آپ کو اپنے امیر عبیداللہ ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو پھر جنگ یقینی ہوگی''۔ امامِؑ عالی مقام خاموش رہے:

بس اک سوال بیعتِ فاسق کو رد کیا
ورنہ کسی کی بات نہ ٹالی حسینؑ نے

خیامِ حسینیؑ اور محرّم کی دسویں رات

۹ محرّم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء کو جنگ رک گئی، حضرت امام حسینؑ کو ایک شب کی مہلت ملی، دیکھئے امامِؑ عالی مقام کیا اہتمام و انصرام کرتے ہیں۔

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام حسینؑ جنگ نہیں امن چاہتے تھے اور اسلامی اقدار کا تحفظ۔ مدینہ چھوڑا، صرف اولادِ ابو طالب ساتھ لے کر چلے، مکّہ سے رخصت ہوئے، فرمایا: ''وہی ساتھ چلے جو ایثار و قربانی کے لئے تیار ہو''۔ مکّہ سے کربلا کی راہ میں یہی دہراتے رہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اس خیال سے ساتھ ہو لئے تھے کہ حکومت بنے گی ہم کو نوازا جائے گا، رخصت ہو گئے۔ امامِؑ عالی مقام جب کربلا پہنچے تو امامؑ کے ساتھ صرف گنے چنے جاں نثار تھے جو ہر حال میں ساتھ رہے۔

شام ہوئی نمازِ مغرب بجا لائی گئی۔ وقتِ عشاء آیا، نمازِ عشاء ادا

۔ اس کے بعد امامؑ نے پھر فرمایا: ''کل دشمن ضرور جنگ کرے گا، میں [illegible] اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ میں بیعت [illegible] ذمّہ داری تم سے اٹھاتا ہوں۔ رات کا پردہ پڑ چکا ہے اسی کو اپنا مرکب [illegible] کر روانہ ہو جاؤ۔ تم ہی کو میں جانے کے لئے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک [illegible] میں سے میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑے [illegible] اپنے ساتھ لیتا جائے۔ دیکھو، دشمن میری جان کا طالب ہے، اگر [illegible] قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجّہ نہیں ہوں گے''۔☆

امامؑ کی تقریر ختم ہوئی حضرت عبّاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''ہم کس [illegible] ایسا کریں ہم آپؑ کے بغیر زندہ رہنا نہیں چاہتے''۔ تمام اعزّہ حضرت [illegible] س کے ہم آواز ہو گئے۔ حضرت امام حسینؑ اس کے بعد اولادِ عقیلؑ کی [illegible] ف متوجّہ ہوئے اور فرمایا ''تمہارے لئے مسلم کا قتل ہو جانا ہی کیا کم [illegible]؟۔ تم لوگ چلے جاؤ، تمہیں اجازت ہے''۔ لیکن سب نے کہا: ''نہیں [illegible] نہیں کریں گے''۔

اس کے بعد مجاہدین باری باری کھڑے ہونا شروع ہوئے۔ سب [illegible] سے پہلے مسلم بن عوسجہ، ان کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی، زہیر بن قین [illegible] ر دیگر مجاہدین کھڑے ہوئے اور سب نے ملتے جلتے الفاظ میں وہی کچھ [illegible] رمایا جو اگلے مجاہدین فرما چکے تھے۔ امامؑ نے سب کو دعائے خیر دی اور [illegible] ر خیام میں تشریف لے گئے۔

اس رات سے متعلّق بہت سی روایات مختلف تواریخ اور مقاتل میں [illegible] ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اس تمام گفتگو کے

☆ [illegible] اقتباس از ''ارشاد'' شیخ مفیدؒ، ص ۲۳۳۔۲۳۴۔ طبری، جلد ۶، ص ۲۳۸۔ کامل، جلد ۳، ص ۲۵۸۔

بعد حضرت زین العابدین کے خیمے میں تشریف لے گئے جہاں جناب زینبؑ بھی موجود تھیں۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ چند اشعار پڑھ رہے تھے۔

جناب امام سجادؑ فرماتے ہیں کہ پدرِ بزرگوار نے دوتین بار ان اشعار کی تکرار کی تو میں سمجھ گیا کہ مصیبت نازل ہو چکی ہے۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ نے وصیّت فرمائی اور باہر تشریف لائے۔

اب امامؑ فرماتے ہیں کہ عبّاس کو مہلت کے لئے بھیجا تھا مہلت مل گئی لہٰذا آج کی رات ہم سب پروردگار کی عبادت کریں گے اور دعا و استغفار میں مصروف رہیں گے۔ چنانچہ آپؑ نے اور آپؑ کے اصحاب نے تمام رات عبادت میں گزاری ، نمازیں پڑھتے رہے ، دعا اور استغفار کرتے رہے۔ بارگاہِ الٰہی میں تضرّع وزاری میں شب بسر ہوئی۔ جنگ کی قطعاً کوئی تیاری نہیں۔ تیاری کیسی ! ذکر تک نہیں ہوا۔ دنیا ان واقعات کو پڑھتی ہے ، سنتی ہے ، حیران رہ جاتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ تو یزیدیت ختم کرنا چاہتے تھے جس کے لئے جنگ کی نہیں ایثار و قربانی کی ضرورت تھی اور صبر و شکر کی۔ امامِ عالی مقام اور اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ، سب دمِ آخر تک صبر و شکر پر قائم رہے اور ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو گئے۔ جب بھی جہاں کہیں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے احترام سے لیا جاتا ہے۔

خواتین کی حفاظت کا انتظام

دشمن ! اور وہ بھی یزیدبن معاویہ بن ابی سفیان جو فتحِ مکہ کے بعد جبراً و قہراً اسلام لائے تھے اور عبیداللہ ابنِ زیاد جیسا بدنسل اور بدکرار دشمن ! امامؑ کو یقین تھا دشمن حملہ کرے گا۔ انسانیت سوز حرکات کر سکتا ہے

عورتوں اور بچّوں کے لئے امکانی حد تک تحفّظی تدابیر بھی کیں۔ امامؑ نے اصحاب سے فرمایا: ”خیموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں اور ہر خیمہ کی طنابوں کو دوسرے خیمہ کے ساتھ باندھ دیں“۔☆

اس کے علاوہ آپؑ نے پشت کی جانب خندق تیار کرا دی اور اس میں لکڑیاں جمع کرا دیں۔ اگر ضرورت پڑے تو اس میں آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن پشت کی جانب سے حملہ نہ کر سکے اور بچّے اور خواتین قدرے محفوظ ہو جائیں۔ خود اور تمام جاں نثار اصحاب راہِ حق میں جان دینے کے لئے تو تیار تھے ہی :

سر کٹے ، کنبہ مَرے ، سب کچھ لٹے
دامنِ احمدؐ نہ ہاتھوں سے چھٹے

ابتلا و مصیبتِ روزِ عاشور

(۱۰ محرّم ۶۱ھ مطابق ستمبر/اکتوبر ۶۸۰ء)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوا.

(سورۃ البقرۃ ۲ ، آیت ۲۱۴)

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں وہ (مشکلات) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلوں کو پیش آئی تھیں ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ جھڑ جھڑا گئے؟)

شبِ عاشور عبادتِ الٰہی میں بسر ہوئی۔ نمازِ صبحِ عاشور امامِ عالی مقام کی امامت میں ادا ہوئی۔ یہ وہ نماز تھی جس کی تعقیبات میں کربلا کا جہاد

☆ ”ارشاد“ ، ص ۲۳۰۔

تھا۔[۱] یہ نماز حضرت امام حسینؑ کی امامت میں آخری باجماعت نماز ثابت ہوئی۔ اس نماز کے بعد امامؑ نے اپنے جاں نثاروں کو مژدۂ شہادت سنایا اور فرمایا: ”راہِ حق میں ہم سب کو قربان ہونا ہے اور مرتبۂ شہادت جو عظیم ترین عبادت اور حاصلِ زندگانی ہے، حاصل کرنا ہے“۔

ان حالات میں بھی اصحابِ امام حسینؑ کے دل خوشی سے معمور ہیں، چہروں پر رونق ہے اور ہر فرد حصولِ شہادت کے لئے بے چین ہے۔ درحقیقت حیاتِ شہید کی حقانیت پر اعتماد اور اخروی کامیابی پر کامل یقین سب کے چہروں سے ٹپک رہا ہے کہ یہی شانِ مردِ مومن[۲] ہے۔ عام انسان سوچ سکتا ہے کہ اصحابِ حسینؑ پر خوف و ہراس کا عالم رہا ہوگا کیونکہ جدھر نظر جاتی ہوگی دشمن کی فوج نظر آتی ہوگی جن کی تعداد کم از کم بیس ہزار تھی لیکن اصحابِ امامؑ عالی مقام عام انسان نہ تھے، یہ راہِ حق کے سپاہی تھے۔ ان کے نزدیک موت شہد سے زیادہ شیریں تھی، پھر خوف و خطر کس بات کا؟ سب شہادت کے متمنی تھے اور راہِ حق میں فدا ہونا چاہتے تھے۔ غور فرمایئے کم از کم بیس ہزار یزیدی فوج کے مقابلہ میں امامؑ کے جاں نثاروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی عموماً تعداد بہتّر کہی گئی ہے جن میں بتّیس سوار اور چالیس پیدل بتائے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے شہدائے کربلا کے لئے بہتّر کی تعداد زبان زدِ خلائق ہے (امامِ عالی مقام کے جاں نثاروں کی تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے)۔

(۱) ”شہیدِ انسانیت“ مولانا سید علی نقی النقوی، ص ۳۶۹۔

(۲) شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی
(علامہ اقبالؒ)

دیکھئے یزیدی فوج کا کمانڈر عمر ابنِ سعد اپنی فوج کو کس طرح ترتیب دیتا ہے:

میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن ہے اور سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمسی اور پیادوں کا افسر شبث بن ربعی یربوعی ہے۔ عمر ابنِ سعد نے علَم اپنے غلام دُرید کو دیا (الاخبار الطوال)

یزیدی فوج ترتیب پا کر میدان میں اتری۔ یزیدی فوج کی تعداد میں اختلاف ہے:

کم سے کم چھ ہزار (تذکرۂ خواص، علاّمہ سبطِ ابنِ جوزی)

اَسّی ہزار (مقتل ابی مخنف ازدی)

حضرت امامؑ زین العابدینؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ لشکرِ مخالف کی مجموعی تعداد تیس ہزار تھی تو پھر اس کے بعد دوسرے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔☆

امامِ عالی مقام کی میدانِ جہاد میں دعا

امامؑ عالی مقام نے دشمن کی فوج پر نظر دوڑائی، پھر اپنے جاں نثاروں کی طرف دیکھا اور میدانِ جہاد میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ بڑھے۔ امامِ عالی مقام نے ہاتھ بلند کئے اور بارگاہِ ربّ العزّت میں عرض کیا:

”خداوندا! تو ہی میرا سہارا ہے، ہر تکلیف میں میرا قبلۂ امید ہے ہر سختی میں اور ہر مہم میں جو درپیش ہو تجھ پر بھروسہ ہے۔ کتنے ہی صدمے ایسے ہیں جن کے برداشت

☆ منتخب التواریخ، ص ۲۴۳۔ ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۲۵۔

کرنے سے دل کمزور ثابت ہوتا ہے اور حیلہ و تدبیر کی راہیں بند نظر آتی ہیں ، دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں ہر حال میں تیری بارگاہ میں عرض معروض کرتا ہوں اس لئے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لَو لگانا ہی نہیں جانتا تو اس تکلیف کو دور کرتا اور اس کا تدارک کرتا ہے۔ یقیناً تُو ہی ہر نعمت کا مالک اور احسان کا مرکز اور ہر مطلب کے لئے آخری جائے پناہ ہے"☆۔

اس کے بعد امامؑ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا:

میمنہ پر زہیر بن قین ، میسرہ پر حبیب ابنِ مظاہر اور علَم بھائی عباس کو عطا فرمایا۔ یہ تھی امام عالی مقامؑ کے اپنے مختصرترین لشکر کی ترتیب۔ سپاہِ حسینیؑ کی تعداد حضرت امام محمد باقرؑ کے قول کے مطابق ۱۴۵ تھی۔ کیا دنیا نے کبھی اتنا مختصر لیکن جاں نثار لشکر دیکھا ہے جو کم از کم تیس ہزار مسلح فوج کے مقابلہ کو نکلا ہو؟

امامِ عالی مقام دین و آئین اور شریعت دشمنِ دین پر ظاہر کرنا چاہتے تھے اور اس پر عمل کرانا چاہتے تھے اسی وجہ سے آخر وقت تک صلح کی بات کرتے رہے یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: "میں ملکِ عرب چھوڑنے اور در بدری کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہوں اگر جنگ نہ ہو اور مسلمانوں کا خون نہ بہے"۔

امامؑ نے تمام تر اشتعال کے باوجود اپنے ساتھیوں کو پہل کرنے سے روکے رکھا۔

☆ طبری ، ج ۶ ، ص ۲۳۱۔

صبحِ عاشور خیامِ حسینیؑ کی پشت پر خندق میں آگ کے شعلے بھڑکا دیئے گئے تھے تاکہ دشمن پشت کی جانب سے حملہ نہ کر دیں۔ شمر بن ذی الجوشن ادھر سے گزرا اور نہایت اشتعال آمیز جملہ کہا۔ مسلم بن عوسجہ نے امامؑ سے اجازت چاہی کہ اسے تیر کا نشانہ بنا کر ختم کر دیں کیونکہ وہ فاسق و فاجر تیر کی زد میں تھا لیکن امامؑ نے فرمایا: "نہیں ، ایسا نہ کرو۔ میں جنگ میں پہل نہیں کر سکتا۔ میں جنگ نہیں ، امن چاہتا ہوں"☆۔ امامؑ یہ سب کچھ "اتمامِ حجت" کے لئے کر رہے تھے۔

روزِ عاشور امامِ عالی مقامؑ کا خطبہ

امامؑ اونٹ پر سوار ہوئے (اونٹ پر سواری امن کی دلیل ہے) اور دشمن کی فوج کے قریب آئے اور فرمایا:

"اے گروہ مردم! میری بات سنو ، عجلت سے کام نہ لو ، یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے تحت تم کو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کردوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقتِ حال بیان کردوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا؟ اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے تسلیم کر لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہیں میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی اور اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہ کیا اور انصاف

☆ طبری ، ج ۶ ، ص ۲۳۱۔

سے کام نہ لیا تو شوق سے مجتمع کر لو اپنی طاقتوں کو اور اکٹھا کر لو جس جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے اور کوئی کوشش اٹھا نہ رکھو، پھر پوری طاقت سے بغیر ایک دم کی بھی مہلت دیئے ہوئے میرا خاتمہ کر دو۔ میرے لئے وہ پروردگار کافی ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک اعمال بندوں کا مددگار ہے"☆۔

اس کے بعد امامؑ نے حمدِ الٰہی ادا فرمائی، خدا کے اوصاف بیان کئے اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور فرمایا:

"ذرا میرے نام و نسبت پر غور کرو اور دیکھو تو میں کون ہوں پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ غور کرو کہ تمہارے لئے میرے خون کا بہانا اور ہتک حرمت کرنا جائز ہے؟ کیا میں نہیں ہوں تمہارے نبیؐ کا نواسہ اور ان کے وصی، ان کے چچازاد بھائی اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے کا فرزند، کیا حمزہ سیّدالشہداء میرے باپ کے چچا اور جعفر طیّار خود میرے ہی چچا نہیں تھے؟ کیا یہ حدیث جو زبان زدِ خلائق ہے، تمہارے گوش زد نہیں ہوئی کہ حضرت رسولِ خداؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانانِ اہلِ جنّت کے سردار ہیں؟ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقتاً وہ سچ ہی ہے، اس لئے کہ کبھی میں نے غلط بات نہیں کہی اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو اسلامی

☆ ماخوذ از "شہیدِ انسانیت" سیدالعلماء سید علی نقی نقوی، ص ۳۲۳۔

دنیا میں ابھی ایسے اشخاص ہیں جن سے اگر تم پوچھو تو وہ بتا دیں گے۔ پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے، ابو سعید خدری سے سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس بن مالک سے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسالتمآبؐ سے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے جو آپؐ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔ پھر کیا یہ تمہیں میری خونریزی سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہے؟"☆

شمر کچھ دیر سنتا رہا پھر بول اٹھا: "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔ حبیب ابنِ مظاہر نے شمر کو مخاطب کیا اور بلند آواز سے کہا: "بخدا! میں جانتا ہوں تیری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے کیونکہ تُو انتہائی مکّار ہے۔ خدا نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے"۔

امامؑ نے خطبہ جاری رکھا اور فرمایا:

"کیا اس میں شک ہے کہ میں تمہارے رسولؐ کا نواسہ ہوں؟ خدا کی قسم! مشرق و مغرب کے عالم میں کوئی بھی نبیؐ کا نواسہ میرے سوا موجود نہیں ہے نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسری اقوام میں اور میں تو خود تمہارے ہی نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل پر تم کس لئے آمادہ ہوئے ہو؟ کیا کسی اپنے مقتول کا قصاص لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کر دیا ہو؟ یا کسی اپنے مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کیا ہو؟ یا کسی زخم کا

☆ طبری، جلد ۶، ص ۴۳۲۔

بدلہ چاہتے ہو جو میرے ہاتھ سے کسی کو لگا ہو؟"۔ ایک
خاموشی سی چھائی رہی، ان میں سے کسی سے کچھ جواب دیتے
نہ بن پڑا۔(۱)

بیس/تیس ہزار کا مجمع خاموش کھڑا رہا۔ امامؑ نے ان لوگوں کے نام
لے کر پکارنا شروع کیا جنہوں نے خطوط بھیجے تھے۔ اہلِ کوفہ نے جب
خطوط بھیجے تھے آزاد تھے لیکن اب یزید بن معاویہ، عبیداللہ ابنِ زیاد
اور عمر بن سعد کے غلام ہیں۔ سب نے انکار کیا اور کہا: "ہم نے خطوط
نہیں بھیجے تھے"۔ امامؑ نے فرمایا: "اچھا اگر تم لوگوں نے خطوط نہیں بھی
بھیجے تھے تو پھر مجھے یہاں سے چلا جانے دو کسی دور دراز جگہ جہاں میں
امن وامان کی زندگی گزار سکوں اور مسلمان خوں ریزی سے بچ جائیں"۔
قیس بن اشعث(۲) نے بلند آواز سے کہا: "آپؑ یزید کی بیعت کیوں
نہیں کر لیتے؟" امامؑ نے فرمایا: "تم بھلا ایسا کیوں نہ کہو گے! آخر تم
محمد بن اشعث ہی کے بھائی ہونا۔ کیا تم اتنے ظلم کو کافی نہیں سمجھتے
کہ مسلم بن عقیلؑ کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی! قسم غلاموں
کی طرح خطرہ سے جان بچا کر بھاگوں گا نہیں اور نہ اپنا ہاتھ تمہارے
ہاتھ میں دوں گا"۔
حضرت امام حسینؑ کو امید تو نہ تھی کہ فوجِ یزید متاثر ہوگی لیکن آپؑ کو
فرض پورا کرنا تھا تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ

(۱) طبری، ج ۶۔ ارشاد، ص ۲۵۶۔
(۲) قیس بن اشعث کی بہن جعدہ بنتِ اشعث نے حکومتِ شام کے ساتھ سازش میں شریک
ہوکر حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا تھا۔

کے خطبہ کے بعد زہیر بن قینؑ(۱) پوری طرح مسلح ہوئے، گھوڑے پر سوار
ہوئے اور صف سے باہر نکلے اور پکار کر کہا: "کوفہ والو! خدا کے
عذاب سے ڈرو۔ عبیداللہ ابنِ زیاد کا ساتھ چھوڑو۔ یزید اور ابنِ زیاد
سے تم کو سوا برائی کے اچھائی نظر نہیں آئے گی۔ وہ آنکھوں میں
سلائیاں پھرواتے ہیں، ہاتھ پاؤں قطع کراتے ہیں، سولیاں دلواتے
ہیں۔ نیک اعمال اور حفاظِ قرآن مثلاً حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ
افراد کو قتل کرتے رہے ہیں"۔(۲)

شمر ذی الجوشن تیر چلاتا ہے

شمر بن ذی الجوشن نے کمان میں تیر لگایا اور کہا: "بس خاموش۔
خدا تیری زبان کو چپ کرے"۔ مگر زہیر نے تیر کی پروا نہیں کی اور
مصروفِ کلام رہے۔ شمر نے کہا: "دیکھو، تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے
سردار سب قتل ہو جاؤ گے"۔ زہیر نے قوتِ ایمانی کے ساتھ جواب دیا:
"تُو مجھے موت سے خوف دلاتا ہے۔ خدا کی قسم! ان کے ساتھ مرنا مجھے
تم لوگوں کے ساتھ زندگیٔ جاوید حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے"۔
حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ باتوں کا جواب تیر سے دیئے جانے کا
پورا امکان ہے تو کسی سے کہلوایا: "زہیر! واپس آ جاؤ۔ اتمامِ حجت کا
فرض پورا ہو چکا ہے"۔ زہیر بن قین نے آواز سنی اور واپس آ گئے۔
یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کی اس

(۱) زہیر بن قین امامؑ عالی مقام سے مکہ اور کربلا کے راستہ میں آملے تھے۔ ان کا ذکر پچھلے
صفحات میں ہو چکا ہے۔
(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۴۳۔

گفتگو کا فوجِ اشقیاء پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بے حد اثر ہوا اور اس کا ثبوت حُر ابن یزید کا حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے☆۔

حُر ابنِ یزید ریاحی کی منزلِ حق کی طرف روانگی

حُر ابنِ یزید ریاحی کے حقِ باطن پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردہ ہٹا، حق ظاہر ہوا اور حر کی قسمت جاگی (حر بن ریاحی کا مختصر ذکر پچھلے صفحات پر ہوچکا ہے، مناسب ہوگا ایک بار نظر دوڑا لیں)۔ ۹ محرم تک گو فوجِ یزید کے ساتھ تھا لیکن دل بے چین۔ انہیں یاد آیا ہوگا کہ مجھے اور میرے لشکر کو حضرت امام حسینؑ نے سخت تشنگی میں پانی پلایا تھا۔ حر کا ضمیر ملامت کرنے لگا۔ ۹ محرم گزرا، شبِ عاشور بے چینی میں گزری۔ ۱۰ محرم کا سورج طلوع ہوا، حُر کی بے چینی اور بڑھی، حُر نے سوچا، میں ہی وہ بدنصیب ہوں جس نے امامؑ کو اس بے آب و گیاہ میدان میں خیمہ زن ہونے پر مجبور کیا۔ کیا کروں میں ابنِ زیاد کے حکم سے مجبور تھا! آج تیسرا دن ہے اہلِ بیتِ رسولؐ پر پانی بند ہو چکا ہے۔ سب پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ فرزندِ رسولؐ ہیں۔ حضرت علیؑ اور فاطمہؑ کے بیٹے ہیں، یہ فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر سکتے۔ پھر کیا ہوسکتا ہے؟ یزید و عبیدہ ظالم ہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

حُر کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک جاتا ہے۔ وہ عمر سعد کے پاس پہنچا

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۳۴۔ کامل ابنِ اثیر، ج ۳، ص ۲۸۸۔

اور کہتا ہے: ''کیا تم واقعی اہلِ بیتِ رسولؐ سے جنگ کرو گے''؟[1]
ر سعد جواب دیتا ہے: ''ہاں قسم بخدا! ایسی جنگ جس کا بہت ادنیٰ ظہر یہ سمجھنا چاہئے کہ سروں کی بارش ہوگی، ہاتھ قلم ہوں گے اور خون کا دریا بہے گا''۔ حر بولا: ''کیا اتنی صورتیں مصالحت کی جو حسینؑ نے پیش کیں ان میں سے کوئی بھی تم لوگوں کے قریب قابلِ قبول نہیں''[2]۔ عمر سعد بولا: ''خدا کی قسم! اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں تمہارا حاکم (عبیداللہ) نہیں مانتا''۔
عمر سعد کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دل سے جنگ کے حق میں نہیں تھا لیکن ''حکمِ حاکم مرگِ مفاجات''۔ اس بات سے عمر سعد کے دل کی اندرونی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے اور حضرت امام حسینؑ کی صلح جوئی کا قائل نظر آتا ہے اور عبیداللہ ابنِ زیاد کی ہٹ دھرمی کا بھی کہ وہ قتلِ حسینؑ سے کم کسی بات پر رضا مند نہیں۔ عبیداللہ ابنِ زیاد بدنسل اور بدذات تھا، اس سے نیک عمل کی توقع کیسی!

حُر بن یزید ریاحی کا فیصلہ

عمر ابنِ سعد سے گفتگو کے بعد حُر نے اپنا گھوڑا حسینیؑ قافلہ کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مہاجر بن اوس نے حُر کی بے چینی دیکھی تو بولا: ''حر، تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے؟'' حُر اب خاموش نہ رہ سکا اور فرمایا:

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۳۴۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۸۔
(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۳۵۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۸۔

''میرے سامنے اس وقت بہشت اور دوزخ کا سوال ہے ، میں تو بہشت پر کسی شے کو مقدّم نہیں سمجھوں گا خواہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور مجھے آگ میں جلا دیا جائے''۔[(۱)] اس کے ساتھ ہی اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گویا ہوا:

''فرزندِ رسولؐ ! میری جان آپؑ پر فدا ، میں وہی گنہگار ہوں جس نے واپس جانے سے آپؑ کو روکا اور آپؑ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ یہ لوگ آپؑ کی تمام شرائط مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ اچھا اب میں حاضر ہوں نہایت شرمساری کے ساتھ توبہ کرتا ہوں''۔

امامؑ نے فوراً فرمایا: ''ہاں ہاں ! خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو۔ واقعی تم حُر (آزاد) ہو۔ گھوڑے سے تو اترو۔ حُر نے کہا: ''میرا آپؑ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہنا نیچے اترنے سے بہتر ہے۔ چاہتا ہوں تھوڑی دیر جنگ کر لوں پھر مرکر تو گھوڑے سے اترنا ہی ہے''۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ''جو جی چاہے کرو خدا تم پر رحم فرمائے''۔[(۲)]

فوجِ دشمن نے دیکھا کہ ان کا ایک سپہ سالاران سے الگ ہوکر حسینؑ قافلہ سے مل گیا گو فوجِ حسینؑ پیاسی ہے ، بھوکی ہے۔ چنانچہ عمر سعد نے اب جنگ میں دیر کرنا خطرناک سمجھا۔ اسے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں دوسرے سالار بھی حسینؑ کی طرف نہ چلے جائیں لہٰذا فوجِ اشقیاء نے تیر چلانا شروع کر دیئے۔

---

(۱) ، (۲) طبری ، ج ٦ ، ص ۲۴۴۔ کامل جلد ۳ ، ص ۲۸۸۔ ارشاد ، شیخ مفید ، ص ۲۲۹۔

بہرحال حُر گھوڑے سے نہیں اترے ، اپنی خطائیں معاف کرانے کے بعد میدانِ کارزار میں پہنچے اور فوجِ اشقیاء کو راہِ راست پر آنے کی دعوت دی مگر اُن کی تقریر کا جواب تیروں سے دیا گیا (تفصیلات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے)۔

اب تک دن کا اچھا خاصا حصہ گزر چکا تھا ، دھوپ کافی تیز ہو چکی تھی۔ عمر سعد نے لشکر کو آگے بڑھایا اور اپنے غلامِ ورید کو جسے علَم دے رکھا تھا قریب بلایا۔ غلام رایتِ لشکر (فوج کا علَم) لئے اس کے قریب آ گیا۔ نقّارہ بجا ، جنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔

یومِ عاشور جنگ کا باقاعدہ آغاز

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْ خُلُ الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْ سَاْ ءُ وَالضَّرَّاءُ وَ زُلْزِلُوا۔
(سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۱۴)

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ
ابھی تمہیں وہ (مشکلات) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلوں کو
پیش آئی تھیں؟ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ جھنجھوڑ گئے)

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔
(سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیت ۱۰۷)

(اور ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا)

شمع ہا بردہ ام از صدق بخاک شہداء
تا دل و دیدۂ خونابہ فشانم دادند

(میں صدق نیت کے ساتھ شہداء کی قبروں پر شمعیں روشن کرنے لے گیا
ہوں کیونکہ انہوں نے مجھے آنسو بہانے والا دل اور آنکھیں بخشیں ہیں)

عمر سعد نے تیر کمان سے جوڑا، فوجِ حسینیؑ کی طرف پھینکا اور اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہا: "گواہ رہنا! سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔ ☆

☆ طبری، ج ۶، ص ۴۴۳۔ کامل جلد ۳، ص ۲۸۸۔ ارشاد، ص ۲۲۹۔

عمر سعد کے تیر کے ساتھ ہی سپہ سالاروں اور لشکریوں نے بھی تیر چلانے شروع کر دیئے، ہزاروں چلّے کھنچے اور تیر چلے۔ اب دیکھئے دوسری طرف کیا ہو رہا ہے؟ حضرت امام حسینؑ کی مختصر سی سپاہ، اچانک جنگ کا آغاز، ہزاروں تیر کا چلنا، ایسے میں کیا کرتے! لیکن وہ سب تو اللہ کے سپاہی تھے، جاں نثارانِ حسینؑ تھے۔ اللہ کی راہ میں قربان ہو کر اسلام کو بچانے والے تھے، تنے سینوں سے تیروں کے استقبال کے لئے موجود، ان کے دل و جگر شوقِ شہادت میں ناوکوں کو ہاتھوں ہاتھ لینے پر آمادہ۔

یزیدی جلد سے جلد جنگ ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں مختلف علاقوں سے حضرت امام حسینؑ کو مدد نہ پہنچنی شروع ہو جائے۔ آخر حضرت امام حسینؑ اسلام کے سپاہی ہیں۔ اسلام پسندوں کو خبر ہوتی تو مدد آنی شروع ہو جاتی لہٰذا عمر سعد نے تیر چلا کر باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا۔

امامِؑ عالی مقام اذنِ جہاد دیتے ہیں

امامِؑ عالی مقام نے یہ کہہ کر اذنِ جہاد دے دیا: "خدا تم پر رحم کرے۔ استقبالِ موت کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ یہ تیر درحقیقت قومِ اشقیاء کے قاصد ہیں جو پیامِ مرگ کی خاطر تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں"۔☆ اس کے بعد فوجِ حسینیؑ جنگ پر

☆ "ارشاد"، شیخ مفید، ص ۲۵۷۔ "طبری" ج ۶، ص ۲۵۴۔

آمادہ ہوگئی اور امامؑ کی مختصر سپاہ نے تیروں کا جواب تیروں سے دیا گویا مقابلہ کے لئے اظہارِ آمادگی کر دیا۔ امامؑ کی مختصر سپاہ میں جوشِ شہادت تھا۔ دشمن حیران کہ نہایت مختصر سپاہ کیسے صف بستہ ہے اور سب اپنی اپنی جگہ تیّار کھڑے ہیں! یزیدی یہ بھول گئے کہ یہ وہ جنگ ہے جس میں ہتھیاروں سے زیادہ دل کی طاقت اور پختہ ذہن کی ضرورت ہے۔

صبح سے دوپہر تک گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ تیس ہزار کے مقابلہ میں حسینیؑ جاں‌نثار دیوار بنے جمے رہے اور دشمن کو برابر نقصان پہنچاتے رہے۔ یاد رہے اصحابِ حسینؑ میں صرف بتّیس سوار تھے جو فوجِ یزید کے حملے روکتے رہے اور اس کی فوج کو منتشر کرتے رہے۔ عزرہ بن قیس ، یزیدی فوج کے سواروں کا افسر تھا۔ وہ اپنی فوج کے متواتر نقصان پر سخت حیران تھا کہ ایک نہایت قلیل فوج کس طرح اس کی کثیر فوج کو منتشر کئے دیتی ہے اور برابر نقصان پہنچا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن بن حصین کو عمر ابنِ سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''آپ دیکھتے ہیں کہ آج صبح سے ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھوں ہماری فوج کی کیا حالت ہے ! اب آپ پیادہ فوج اور تیراندازوں کے لشکر کو بھیجئے کہ وہ مقابلہ کریں''۔

اس کے بعد عمر بن سعد نے شبث بن ربعی کو جو پیادہ فوج کا افسر تھا حکم دیا کہ آگے بڑھو ، اس نے کہا: ''افسوس ہے اس مہم کو سر کرنے کے لئے سواروں کی اتنی بڑی فوج ناکافی سمجھی جا رہی ہے اور مجھ ایسے بڑے سردار کو زحمت دی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ

تیراندازوں کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کیا میرے سوا کوئی اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے نہیں ملا ! '' چنانچہ عمر سعد نے حصین بن نمیر کو پانچ سو تیر اندازوں کے اضافے کے ساتھ خیمۂ حسینیؑ کی طرف بھیجا جس نے قریب پہنچ کر تیروں کا مینہ برسا دیا[1]۔ یاد رہے کہ تیروں کی بارش بزدلانہ طریقۂ جنگ ہے اور شجاعانِ روزگار کے لئے ننگ ہے لیکن فوجِ یزید کے لئے ننگ ہی جنگ تھی۔

انصارِ حسینؑ نے تیروں کی بارش کا جواب نئے آہنگ اور ڈھنگ سے دیا جس کی تاریخِ عالم میں مثال نہیں ملتی۔ حسینیؑ جاں نثاروں نے تلواریں سونت لیں اور لوہے کی چادروں کو سینے سے لگائے لیتے ہوئے دشمن کی فوج پر جا پڑے اور ان میں گھس کر شمشیر زنی شروع کر دی۔ یہی وہ عظیم الشان حملہ اور گھمسان کی جنگ ہے جس نے دشمن کے چھکّے چھڑا دیئے اور جس کو تاریخ کی کتابوں میں ''حملۂ اولیٰ'' کا نام دیا گیا۔ جنابِ حُر حملۂ اولیٰ سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے[2]۔

حملۂ اُولیٰ

حملۂ اولیٰ ظہر سے قبل شروع ہوا تھا۔ اس حملہ میں انصارانِ حسینؑ کامیاب ہوئے۔ طرفین کا کافی نقصان ہوا۔ یزیدی فوج بھاگنے پر مجبور ہوئی۔ جنگ رکی کہ یزیدی لڑنے والے بھاگ چکے تھے۔گرد و غبار ہٹا تو معلوم ہوا کہ حسینیؑ مختصر فوج اور بھی مختصر ہوگئی ہے۔ شہادت پانے والے

(۱) ''طبری'' ج ۶ ، ص ۲۵۴ ، ۲۵۵۔

(۲) ''ارشاد'' شیخ مفید ، ص ۲۵۶۔ ''شہیدِ انسانیت'': سید العلماء علی نقی النقوی ، ص ۳۹۲۔

زیادہ تر تیراندازوں کا نشانہ بنے تھے۔ یہی نہیں اصحابِ حسینؑ جو گھوڑوں پر سوار تھے وہ سب پیادہ ہو گئے۔ حُر بن یزید ریاحی بھی پیادہ ہو گئے لیکن برابر لڑتے رہے (تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے)۔

چند گھنٹوں کی لڑائی کوئی لڑائی ہوتی ہے۔حسینیؑ فوج کے مختصر جاں نثاروں کی تیغ آزمائی ، بھوکوں پیاسوں کی معرکہ آرائی ، دشمنِ اسلام کی تیس ہزار فوج پوری طرح ہتھیار بند تھی نتیجہ ظاہر لیکن اسلام کے جاں نثار فرزند ، جگرگوشۂ نبوّتؐ حضرت امام حسینؑ کے سایۂ وقار میں جھوم رہے تھے۔ چہروں پر خوشی و کامرانی سے سرخی ، چتونوں پر بل ، بازوؤں میں تڑپ اور سینوں میں ولولے ، ایسے لڑے کہ دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ پلٹے ، بھاگے ، پھر پلٹے پھر بھاگے لیکن حسینیؑ جاں نثار اس وقت تک جمے رہے جب تک کہ جامِ شہادت نہ پی لیا:

سر کے نہ پھر دغا میں جو بڑھ کر قدم گڑے

حملۂ اولیٰ اور خیمۂ حسینیؑ میں آگ لگانا

خیمۂ حسینیؑ میں آگ لگانا: حملۂ اولیٰ ظہر سے ذرا پہلے ختم ہو گیا۔ دشمن کے کئی ہزار فوجی کام آئے لیکن دشمن کے پاس تیس ہزار فوج تھی چند ہزار کم ہونے سے کیا فرق پڑتا۔ حسینیؑ جماعت نہایت مختصر تھی ، کچھ جاں باز حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے ، جو بچ رہے ان کے پاس سواری کے گھوڑے بھی نہیں رہے۔ دشمن نے یہ دیکھا تو ان کو جرأت ہوئی کہ

خیمۂ حسینیؑ کا رخ کرے۔ حسینیؑ اصحاب کی تعداد اب اور بھی کم ہو چکی تھی لیکن عدیم المثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ ”انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہو گیا ، سخت ترین جنگ جو خلقِ خدا نے کبھی دیکھی ہو!“

یزیدی لشکر کی کوشش تھی کہ کسی طرح پسِ پشت پہنچ کر بچے کھچے بہادروں کو گھیرے میں لے لے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ خیمے ایک دوسرے سے متصل تھے اور طنابیں ایک دوسرے کے اندر جو ایک مضبوط دیوار کا کام کر رہی تھیں۔ عمر سعد نے حکم دیا طنابیں کاٹ کر ان کو گرا دیا جائے تاکہ پوری طور پر محاصرہ ہو جائے لیکن دشمن اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکے جو بھی آتا مارا جاتا۔ اب عمر سعد نے خیموں میں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ یزیدی سپاہی آگ لگانے لگے ، حسینیؑ مدافعت کرنے لگے لیکن حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ”انہیں آگ لگانے دو۔ شعلے بھڑکنے لگیں گے تو دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر سکیں گے“۔ ایسا ہی ہوا ، آگ لگی ، شعلے بھڑکے ، دشمن کی تدبیر ناکام ہوئی وہ پشت سے حملہ نہ کر سکے۔ تمام تدبیریں الٹی ہو گئیں۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر یزیدی فوج اور عمر سعد کی کمینہ طبیعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔خیموں میں آگ لگانا تاریخِ عالم میں پہلی بار ہوا۔

عمر سعد کی کمینگی ثابت ہوئی ، تدبیر ناکام ہوئی ، کمینہ طبیعت شمر بن ذی الجوشن برافروختہ ہوا۔ خیمۂ حضرت امامِ حسینؑ پر حملہ آور ہوا ، خیمہ پر نیزہ مارتے ہوئے چلایا: ”اس خیمہ میں آگ لگا دو تاکہ خیمہ مکینوں کے ساتھ جل جائے!“

امامِ عالی مقام نے سنا پھر اس کو للکار کر فرمایا: ''اے شمر! تُو آگ اس لئے لگا رہا ہے کہ میرے خیمہ کو میرے اہل و عیال سمیت جلا دے۔ خدا تجھے آگ میں جلنا نصیب کرے!''

لشکرِ یزید کے دوسرے سرداروں نے بھی خیمۂ حسینؑ میں آگ لگانے سے منع کیا اور شبث بن ربعی نے شمر کے پاس جا کر کہا: ''میں نے آج تک ایسی شرم ناک بات نہیں سنی جیسی تم زبان سے نکال رہے ہو، تم عورتوں کو خوف زدہ کرتے ہو''۔ شمر مجبور ہو کر خیمۂ حسینؑ سے دور ہو گیا۔

عبداللہ بن عمیر اور نافع بن ہلال جملی برابر لڑتے رہے اور دشمنِ اسلام ابنِ زیاد کے پہلوانوں کو تہِ تیغ کرتے رہے تو عمرو بن الحجاج، ابنِ زیاد کی فوج کا پہلوان جو پہلے ہی اپنے حملہ میں ناکام ہو چکا تھا، اس نے اپنی فوج کو للکارا اور بلند آواز سے پکارا: ''اے بے وقوفو! تم کو پتہ ہے کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ ملک کے خاص شہسوار اور جاں باز ہیں، تم میں کوئی انفرادی طور پر ان سے جنگ نہیں کرسکتا لہٰذا کوئی بھی تنہا نہ نکلے۔ ان کی تو تعداد اتنی مختصر ہے کہ تم سب مل کر ان پر پتھر ہی برساؤ تو یہ ختم ہو سکتے ہیں''۔

عمر سعد کو یہ مشورہ بہت پسند آیا چنانچہ اس نے فرمان جاری کر دیا کہ کوئی شخص مبارز طلبی (جو عربوں کا طریقہ رہا ہے) کے لئے باہر نہ نکلے اب اجتماعی جنگ ہوگی۔

روزِ عاشور تین بار جنگِ مغلوبہ ہوئی (پہلی) حملۂ اولیٰ (دوسری) جناب مسلم بن عوسجہ کی شہادت سے قبل (تیسری) نمازِ ظہر سے ایک گھنٹہ

...س کے علاوہ باقی تمام جنگ مبارزت طلبی کے مطابق ہوئی۔[1]

نمازِ ظہر درمیدانِ کربلا

...جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ ابو ثمامہ عمرو بن ... صائدی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: ''دشمن بالکل ... آ چکے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آخری نماز آپؑ کے ساتھ پڑھ لوں ... خدا میں مارا جاؤں''۔

...امامؑ نے آسمان پر نظر کرتے ہوئے فرمایا: ''تم نے نماز کو یاد کیا، ... کو نمازگزاروں اور یاد رکھنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں، یہ نماز ... وقت ہے''۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''ان لوگوں سے کہو کچھ دیر نماز ... لئے جنگ روک دیں تاکہ ہم نماز پڑھ لیں''۔[2] حصین بن نمیر صف ... ہر نکلا اور بولا: ''تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی''۔

...للہ اللہ! رسول اللہؐ پر قرآن نازل ہوا، اسی گھر سے نماز کی ابتداء ... آج کس قیامت کا دن ہے کہ اسی رسول اللہؐ کا فرزند نمازِ ظہر ... لئے وقت مانگتا ہے تو دشمنِ دین کہتا ہے تمہاری نماز قبول نہ ہوگی!

نمازِ ظہر بطورِ نمازِ خوف ادا ہوتی ہے

...لشکرِ یزید کو جنگ کی فکر تھی نہ کہ قیامِ نماز کی۔ اس نے جنگ ملتوی ...کی لیکن حضرت امام حسینؑ نے نماز قائم کی۔ دیکھئے امامِ عالی مقام

...ع ایامِ محرّم''، ص ۳۹۱۔ ''مقتل الحسین''، ص ۲۸۸۔

...ج ۶، ص ۲۵۱۔ کامل ابنِ اثیر ج ۳، ص ۲۹۱۔

میدانِ قتال میں کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں!

امامؑ نے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی سے فرمایا: "تم دونوں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ، میں نمازِ ظہر پڑھ لوں"۔ دونوں جاں نثار اور بچے کھچے اصحابِ امامؑ کی تقریباً نصف تعداد آگے بڑھی اور امامؑ کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئی اور امامؑ نے نمازِ خوف ادا کی۔☆

نمازِ خوف کی ادائیگی کا طریقہ

شرع میں نمازِ خوف کا طریقہ یہ ہے کہ فوج کے دو حصے ہو جائیں۔ ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہے اور دوسرا حصہ نماز میں شریک ہو۔ یہ حصہ امامؑ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور باقی نماز تخفیف کے ساتھ فرادیٰ پڑھ کر ختم کرے اور دشمن کے سامنے جا کھڑا ہو۔ پھر پہلا حصہ آ کر نماز میں شریک ہو جائے اور اسی طور نماز پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا جائے۔ محدود حسینیؑ جاں نثاروں کا کافی بڑا حصہ تو جنگِ اولیٰ میں شہید ہو چکا تھا جو بچ رہے تھے باری باری اللہ کی راہ میں شہید ہوتے رہے۔ امامِؑ عالی مقام نے میدانِ قتال میں نمازِ ظہر ادا کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نماز کا قیام قائم و دائم کر دیا:

کیا وہ سجدہ بوقتِ رواروی تو نے
نماز جاتی تھی دنیا سے، روک لی تو نے
(قمر جلالوی)

☆ طبری ج ۶، ص ۲۵۱۔ بحار، ص ۱۹۷۔

شہدائے کربلا

حضرت امام حسینؑ کے ساتھ نہایت مختصر جاں نثاروں کی تعداد عموماً کم بتائی جاتی ہے لیکن بعض حوالوں میں یہ تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک بتائی گئی ہے۔ تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے:

شمع ہا بردہ ام از صدق بخاک شہداء
تا دل و دیدۂ خونابہ فشانم دادند
(میں صدقِ نیت کے ساتھ شہداء کی قبروں پر شمعیں روشن کرنے لے گیا ہوں کیونکہ انھوں نے مجھے آنسو بہانے والا دل اور آنکھیں بخشی ہیں)

شہداء کی تفصیل

ا۔ حُرابنِ یزید ریاحی

پچھلے صفحات پر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے جاں نثاروں کا تقریباً نصف حصہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہو چکا تھا۔ اب یہ بتانا کہ حملۂ اولیٰ میں کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد میں محال ہے۔ ہم شہداء میں حُر بن یزید کا ذکر پہلے کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ یہ وہی حُر ہیں جو کل تک (۹ محرم تک) نہ صرف فوجِ یزید میں افسر تھے بلکہ حضرت امام حسینؑ کو گھیر کر یہاں تک لائے تھے اور بے آب و گیاہ میدان میں فرات سے دور

خیمہ زن ہونے پر مجبور کیا تھا۔ وقتِ آخر قسمت نے یاوری کی اور صبحِ عاشور لشکرِ یزید سے الگ ہو کر اصحابِ حسینؑ میں شامل ہوگئے اور امامِ عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو کر سب سے پہلے شہید ہونے کی اجازت طلب کی۔ حملۂ اولیٰ میں شہید تو نہ ہوئے لیکن روزِ عاشور ہی راہِ حق میں شہید ہوئے۔ ایوب ابنِ مشرح خیوانی نے آپ کو شہید کیا:

خوابِ غفلت سے جگایا حُر کو جب اقبال نے
کھینچ کر جنّت میں ڈالا فاطمہؑ کے لال نے

حُر کا شمار کوفہ کے رؤساء میں ہوتا تھا۔ ان کا نسب نامہ اس طرح ہے: حُر بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن ہرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی الیربوعی الریاحی۔

۴۔ عبداللہ بن عمیر کلبی

ابو وہب عبداللہ بن عمیر بن عباسؑ بن عبد قیس بن علیم بن خباب الکلبی العلیمی۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ نہایت بہادر، نیک دل انسان تھے۔ جب ابنِ سعد اپنی فوجیں کربلا بھیجنے لگا تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ فوجیں دخترِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ کے فرزند حضرت امام حسینؑ سے جنگ کے لئے بھیجی جا رہی ہیں۔ یہ سنتے ہی عبداللہ کے جذبۂ ایمانی میں تلاطم پیدا ہوا، رات کے وقت روانہ ہوئے۔ عجیب خوش نصیب تھے کہ بیوی بھی اسی پایہ کی تھی چنانچہ اس نے سنا تو ساتھ ہولی۔

جس وقت عمر ابنِ سعد کی طرف سے تیروں کی بارش ہوئی تھی ٹھیک اُسی وقت عبداللہ بن عمیر کلبی کربلا پہنچے اور انصارانِ حسینؑ میں

شامل ہوگئے۔ تیروں کی بارش کے ساتھ ہی سالم اور یسار فوجِ یزید سے باہر آئے اور مبارزطلب ہوئے۔ اصحابِ حسینؑ سے حبیب ابنِ مظاہر اور بریر بن خضیر آگے بڑھے لیکن امامؑ نے انہیں روک دیا۔ اب عبداللہ بن عمیر جو جذبۂ جہاد سے سرشار تھے کھڑے ہوئے اور اجازت طلب فرمائی۔ امامؑ نے دیکھا، جنگ آزما اور بہادر نظر آئے، فرمایا: ”جاؤ اگر تمہارا دل چاہتا ہے“۔ عبداللہ میدانِ جنگ میں اترے۔ فریقِ مخالف نے حسبِ دستور نام و نسب پوچھا۔ عبداللہ نے بتایا۔ فریقِ مخالف گویا ہوا: ”ہم تمہیں نہیں جانتے، ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین یا حبیب ابنِ مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے“۔ یہ سنتے ہی عبداللہ کو غصہ آیا اور فرمایا: ”ایسی مار ماروں جیسے کوئی مومن نوجوان مار سکتا ہے“۔ حملہ کر کے پہلے ہی وار میں یسار کا کام تمام کر دیا۔ سالم نے اب عبداللہ پر حملہ کیا۔ عبداللہ نے شمشیر سے حملہ کیا اور اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ اس کے بعد رجز پڑھنے لگے جو اس دور کا طریقہ تھا۔ ان کی زوجہ نے جو ساتھ تشریف لائی تھیں، جوش و جذبہ سے بھرپور ایک گرز اٹھایا اور میدانِ جنگ میں در آئیں اور رجز پڑھنے لگیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ملاحظہ فرمایا اور آواز دی: ”اللہ تعالیٰ تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے مومنہ! اہلِ حرم کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھی رہو کیونکہ عورتوں کے ذمہ جہاد نہیں ہے“۔ ناموسِ شریعت کے پاس کی انتہا اور سنجیدگی و متانت کہ واپس خیمہ میں چلی گئیں۔ عبداللہ بن عمیر مجاہدہ میں شریک رہے، آخر کار جامِ شہادت نوش فرمایا اور ابدی حیات حاصل فرمائی:

ابھرتے ہیں وہی اک دن جو اپنے کو مٹاتے ہیں

ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی نے آپ کو شہید کیا۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ آپ کی بیوی امّ وہب کو آپ کی شہادت دیکھ کر تابِ ضبط نہ رہی اور میدان میں پہنچ گئیں۔ شمر کے غلام رستم نے سر پر گرز مار کر آپ کو شہید کر دیا۔

۳۔ مسلم بن عوسجہ اسدی

مسلم بن عوسجہ بن سعید بن ثعلبہ بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی۔ سردارِ قوم تھے، نہایت عابد و زاہد تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت بھی نصیب ہوئی تھی۔ ۲۰ھ میں جب حذیفہ بن الیمان کی سرکردگی میں آذر بائیجان فتح ہوا، مسلم بن عوسجہ شریکِ کار تھے اور شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ۶۱ھ میں حادثۂ کربلا کے وقت گو سِن رسیدہ اور کمزور ہو چکے تھے لیکن شریکِ جہاد ہوئے۔ مسلم بن عقیلؑ جن دنوں کوفہ میں ہانی کے گھر میں مقیم تھے مسلم بن عوسجہ، مسلم بن عقیلؑ کے حق میں نہایت فعال تھے لیکن حضرت مسلم کی شہادت کے بعد گوشۂ تنہائی میں چلے گئے یا روپوش ہو گئے مگر حیرت ہے کہ کربلا میں خدمتِ حسینؑ میں حاضر ہو گئے۔

شبِ عاشور حضرت امام حسینؑ نے تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا تھا: "تم سب مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھے تنہا ان کا مقابلہ کرنے دو"۔ عزیزوں کے بعد سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور نہایت پُرخلوص اور جوشِ جذبات سے بھرپور الفاظ میں فرمایا:

"بھلا ہم آپؑ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں، خدا کے سامنے جواب دہی کا کوئی سامان نہ کریں، یہ نہیں ہوسکتا۔ بخدا! میں تنہا لڑوں گا، یہاں تک کہ ان کے سینوں میں اپنا نیزہ توڑ دوں اور تلوار چلاتا رہوں گا جب تک کہ تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے۔ آپؑ سے کبھی جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ میرے پاس ہتھیار نہ ہوں جن سے جنگ کر سکوں۔ پھر آپؑ کی نصرت میں انہیں میں پتھر ماروں گا یہاں تک کہ آپؑ کے ساتھ رہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ بخدا اگر مجھے یقین ہوتا کہ قتل ہونے کے بعد پھر زندہ ہو جاؤں اور پھر مجھے قتل کر دیا جائے گا اور لاش کو جلا کر اُس کی راکھ ہوا میں اُڑا دی جائے گی اور یہ سلوک ستّر بار کیا جائے گا تب بھی آپؑ کی تائید و نصرت سے دست برداری اختیار نہ کرتا"۔

صبحِ عاشور خیامِ حسینیؑ کی پشت پر خندق کی بھڑکتی آگ دیکھ کر شمر نے گستاخانہ خطاب کیا تھا تو مسلم بن عوسجہ نے جوش میں آکر اپنے تیر کا نشانہ بنانا چاہا لیکن امامؑ عالی مقام نے منع فرمایا، عوسجہ خاموش ہوگئے۔ روزِ عاشور جب جنگ چھڑ گئی تو بھلا مسلم بن عوسجہ کیسے کسی سے پیچھے رہتے! بوڑھے ضرور تھے لیکن حوصلہ بلند تھا، جوش و جذبات سے بھرپور تھے، امامؑ عالی مقام پر قربان ہونا فرض سمجھتے تھے کہ امامؑ اسلام کی بقاء کے لئے مصائب برداشت کر رہے تھے۔ بعض روایات کے مطابق اصحابِ حسینؑ میں روزِ عاشور سب سے پہلے شہید ہوئے اور خالقِ کائنات

سے جا ملے:

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ فرد جس کا فقر خذف کو کرے نگیں

تاریخوں میں یہ بھی تحریر ہے کہ مسلم بن عوسجہ کی شہادت اس طرح واقع ہوئی:

عمرو بن الحجاج نے میمنہ کی فوج کے ساتھ پورے جوش و خروش سے فرات کی جانب سے مختصر سی جماعتِ حسینیؑ پر حملہ کیا۔ حسینیؑ افواج کے نہایت مختصر افراد نے ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ یزیدی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جب گرد و غبار کا پردہ چاک ہوا تو معلوم ہوا کہ مسلم بن عوسجہ جاں بلب ہیں۔ امامؑ عالی مقام مسلم بن عوسجہ کے پاس پہنچے، دیکھا ان میں رمقِ جان باقی ہے۔ امامؑ نے ان کے لئے دعائے خیر کی اور آیتِ قرآن تلاوت فرمائی:

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۲۳)

(کچھ جانے والے گزر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں مگر کوئی ایک ذرہ بدلا نہیں)

حبیب ابنِ مظاہر جو امامؑ کے ساتھ تھے، مسلم بن عوسجہ کے قریب گئے اور کہا: "تمہارا ساتھ چھوٹنے کا بڑا صدمہ ہے مگر تمہیں جنت کی مبارک باد دیتا ہوں"۔ مسلم نے نہایت نحیف آواز میں جواب دیا: "تمہیں بھی ہر طرح کی خیر و برکت کی مبارک باد دیتا ہوں"۔ حبیب ابنِ مظاہر

گویا ہوئے: "اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ میں بھی جلد تمہارے پیچھے آ رہا ہوں تو کہتا کہ کچھ وصیّت کرو، میں وصیّت پوری کروں گا"۔ مسلم نے جواب میں حسینؑ کی طرف اشارہ کیا اور کہا "وصیّت جو کچھ بھی ہے اسی ذات سے متعلّق ہے، بالفاظ دیگر تم بھی ان ہی پر اپنی جان نثار کرنا"۔ حبیب نے کہا: "ضرور، خدا کی قسم! ایسا ہی ہوگا"۔

عمرو بن الحجاج کی فوج گو کثیر تھی لیکن حسینیؑ فوج کے مختصر سے جاں نثاروں کے سامنے ٹھہر نہ سکی تھی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ مسلم بن عوسجہ شہید ہو چکے ہیں لیکن جب اسے خبر ہوئی تو بہت خوش ہوا۔

ظاہر بظاہر یہ واقعات کچھ افراد کو معمولی معلوم ہوں گے لیکن حقیقت یہ واقعات حضرت امام حسینؑ کی حقّانیت اور انصار و اعوان کے خلوصِ نیت کے بیّن ثبوت ہیں۔

۴۔ زہیر بن قین بجلی

زہیر بن قین کا اشرافِ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ کوفہ کے باشندہ تھے۔ کئی جنگوں میں شریک ہو چکے تھے۔ جنگِ جمل اور صفین کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ جو لوگ دنیاپرست تھے امیرِ شام معاویہ کے طرف دار ہو گئے اور "عثمانی" کہلائے اور جو لوگ متّقی تھے، حضرت علیؑ کے ساتھ ہو گئے وہ "علوی" کہلائے۔ زہیر بن قین عثمانی جماعت سے متعلّق سمجھے جاتے تھے۔ ۶۰ھ میں مناسکِ حج کے بعد اہل و عیال کے ساتھ کوفہ جا رہے تھے، تقدیر نے یاوری کی حضرت امام حسینؑ

کے ساتھ ہو گئے (تفصیل پچھلے صفحات میں آ چکی ہے)۔ بہرحال تسلسل کے لئے یہاں اتنا لکھنا ضروری ہے کہ زہیر بن قین کو منزلِ زرود پر امامؑ نے بلا بھیجا تھا۔ امامؑ کی گفتگو سے زہیر ازحد متاثر ہوئے اور دل و جان سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہو لئے۔

کربلا پہنچنے پر جب حُر نے امامؑ عالی مقام کو نہر کے پاس خیمہ زن ہونے سے روکا تو زہیر بن قین نے امامؑ سے فرمایا: ''ہمیں اسی فوج سے جنگ کر لینے دیجئے کیونکہ اس کے بعد اتنا لشکر آئے گا کہ اس سے مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہوگی''۔ امامؑ نے فرمایا: ''نہیں، ہم جنگ نہیں چاہتے پھر جنگ میں پہل کیسی!''

نویں محرم کی شام فوجِ یزید کے غیر متوقع حملہ پر جب ابوالفضل العباسؑ امامؑ سے صورتِ حال بیان کرنے گئے تو حبیب بن مظاہر نے افواجِ مخالف کو وعظ و پند شروع کیا تھا اور عزرہ بن قیس نے بدتہذیبی کے ساتھ دورانِ کلام مداخلت کی تو زہیر نے اس کا جواب دیا کہ بے شک حبیب کے نفس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اس کی رہ نمائی کی ہے۔ اے عزرہ! میں تم کو نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس جماعت کے ساتھ شریک نہ ہو جو گمراہی کی حمایت کر رہی ہے اور پاک نفوس کو قتل کرتی ہے۔ زہیر کی یہ آواز تعجب کے ساتھ سنی گئی اور عزرہ نے انہیں پہچان کر کہا تھا: ''زہیر! تم تو اس گھرانے کے شیعہ نہیں تھے، تم تو عثمانی گروہ میں سے تھے''۔ زہیر نے کہا: ''اس وقت میرے یہاں کھڑے ہونے سے تم کو سمجھ ہی لینا چاہئے کہ میں شیعۂ علیؑ ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے نہ کبھی حسینؑ کو خط لکھا تھا نہ کوئی قاصد

بھیجا تھا اور نہ نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستہ میں اتفاق سے میرا اور ان کا ساتھ ہوگیا۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہؐ یاد آ گئے اور اُن کی خاندانی خصوصیت کا مجھے خیال آ گیا اور مجھے احساس ہوا کہ حقیقتاً وہ دشمنوں کے ظلم و تعدی میں مبتلا ہیں۔ بس میں نے طے کر لیا کہ مجھے ان کی مدد کرنا چاہئے اور ان کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی جان ان پر فدا کرنا چاہئے۔ خدا اور رسولؐ کے اس حق کو ادا کرنے کے لئے جسے تم لوگوں نے ضائع و برباد کر دیا ہے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے''۔[1]

جب شبِ عاشور حضرت امام حسینؑ نے اصحاب کو جمع کر کے اور انہیں بیعت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش کرنے کا اعلان کیا تھا تو اصحاب میں مسلم بن عوسجہ اور سعید بن عبداللہ کے بعد زہیر نے بھی تقریر کی تھی اور کہا تھا: ''بخدا! میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل ہوں، یوں ہی ہزار دفعہ ہو لیکن آپ اور آپ کے خاندان کے یہ جوان قتل ہونے سے محفوظ ہوجائیں''۔[2]

صبحِ عاشور جب حضرت امام حسینؑ نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر مقرر کیا، زہیر نے میدان میں نکل کر فوجِ مخالف کے سامنے ایک معرکہ آرا تقریر کی تھی۔ پھر جب لڑائی شروع ہوگئی اور افواجِ مخالف کی صفوں میں سے یسار اور سالم میدانِ جنگ میں آئے تو عبداللہ بن عمیر کلبی مقابلہ کے لئے نکلے، ان دونوں نے کہا:

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۳۷۔
(۲) ارشاد، ص ۲۵۲۔

"ہم تم کو نہیں پہچانتے، ہمارے مقابلہ کے لئے زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریربن خضیر کو آنا چاہئے"۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ زہیر فوجِ حسینیؑ کے ان نمایاں افراد میں سے تھے جو دشمنوں کے نزدیک بھی ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔

زہیر بن قین کی شجاعت کے کارنامے صبحِ عاشور سے ہنگامِ ظہر تک متعدّد بار ظاہر ہوچکے تھے۔ چنانچہ ظہر کے کچھ پہلے جب شمر نے خیمۂ حسینیؑ پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمہ پر مار کر کہا تھا کہ آگ لاؤ، میں اس خیمہ کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں گا تو زہیر نے اپنے دس بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کر کے اس کی فوج کو پسپا کر دیا☆۔ پھر جب حبیب شہید ہو چکے اور حُر میدانِ جنگ میں آئے تو زہیر نے حُر کے ساتھ مل کر جنگ کی۔

۵۔ عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری

عمرو کے والد قرظہ بن کعب اصحابِ رسولؐ میں سے تھے۔ غزوۂ احد اور بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔

۲۳ھ مطابق ۶۴۳ء خلیفۂ دوم کے زمانہ میں "رے" (ایران) ان کے ہاتھوں فتح ہوا تھا حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر جب آپؑ جنگِ صفّین کے لئے جانے لگے تو ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور کوفہ کی حکومت ابو مسعود بدری کے سپرد کی۔ قرظہ سب لڑائیوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ رہے اور آپؑ

☆ارشاد، ص ۲۵۲۔

ہی کے زمانۂ خلافت میں کوفہ میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت علیؑ نے ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔

قرظہ بن کعب کے دو فرزند تھے عمرو اور علی۔ کربلا میں عمرو حضرت امام حسینؑ کی طرف تھے۔ غالباً یہی بڑے تھے اس لئے کہ ان کے والد قرظہ بن کعب کی کنیت ان ہی کے نام پر ابو عمرو تھی۔ علی کے لئے تاریخوں میں تحریر ہے کہ وہ لشکر پسرِ سعد میں تھا۔

عمرو بن قرظہ کوفہ ہی میں رہتے تھے۔ وہ امامؑ کی خدمت میں میدانِ کربلا میں پہنچے تھے۔ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں جب جنگ ہونے کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا امامؑ نے ان کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ "تم مجھ سے شب کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات کرو"۔

روزِ عاشور نمازِ ظہر کے بعد جب تمام اصحاب میں جذبۂ فداکاری تیز ہو گیا تھا اور شمعِ امامتؑ کے پروانے جاں سپاری میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ عمرو بن قرظہ نے جنگ کرنا شروع کی تو رجز پڑھتے رہے۔

"تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمّہ داری کی حدود کی حفاظت کروں گا۔ ایسے جواں مرد انسان کی طرح شمشیرزنی کرتے ہوئے جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسینؑ پر میری جان اور میرا گھر بار سب فدا ہو"۔ عالم یہ تھا کہ جو تیر آتا اسے اپنے اوپر روکتے اور جو وار ہوتا خود سپر بن جاتے۔ آخر زخموں سے چُور ہو گئے اور امامؑ سے مخاطب ہوئے: "کیوں فرزندِ رسولؐ! میں نے فرض کو ادا کیا؟" آپؑ نے فرمایا:

"ہاں ، تم جنت میں مجھ سے پہلے جاؤ گے۔ رسولِ خدا کو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں"۔ بہادر اور جاں باز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔ شہادت ان کا مقدر تھا۔

۶۔ نافع بن ہلال جملی

نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرۃ بن مذحج۔ اپنے قبیلہ کے سردار اور نہایت بہادر شخص تھے۔ حافظِ قرآن بھی تھے۔ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جمل ، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے تھے۔ عراق کی طرف امام کی روانگی کی اطلاع پا کر کوفہ سے روانہ ہوئے اور راستے میں جماعتِ حسینیؑ میں شامل ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جنابِ مسلم کی خبر شہادت امامؑ عالی مقام تک نہیں پہنچی تھی۔ نافع کا ایک گھوڑا جس کا نام "کامل" تھا کوفہ میں رہ گیا تھا ، اس کے متعلق انہوں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ بعد میں ان کے پاس پہنچا دیا جائے چنانچہ عذیب الہجانات میں جب عمرو بن خالد صیداوی ، مجمع بن عبداللہ عائذی اور جنادہ بن حارث سلمانی وغیرہ پانچ آدمیوں کا قافلہ حسینیؑ جماعت سے ملحق ہوا تھا ان کے ساتھ یہ گھوڑا بھی تھا۔ حُر سے ملاقات اور گفتگو کے بعد ذوحسم میں امامؑ نے جو خطبہ دیا تھا اس کے جواب میں جملی نے پُرزور تقریر کی تھی۔

جب ۷ محرم ۶۱ھ کو نہرِ فرات پر دشمنوں کی مزاحمت شروع ہوئی تو خیامِ حسینیؑ میں پانی کی قلت ہوئی ، امامؑ اور ان کے ساتھیوں پر پیاس کا

غلبہ ہوا۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کو پانی لانے پر مامور کیا۔ جناب عباسؑ بیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ مشکیزے لے کر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہنچے۔ اس وقت نافع بن ہلال نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور سب سے آگے ہو گئے۔ عمرو بن حجاج بن زبیدی جو نہر کا محافظ تھا اس نے ٹوکا اور کہا: "کون ہے جو نہر پر جا رہا ہے؟" عمرو بن الحجاج قبیلۂ زبیدہ سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے اور قبیلۂ جمل بھی جن سے نافع تھے۔ یہ بھی مراد ہی کی ایک شاخ تھی لہٰذا نافع نے جب اپنا نام بتایا اور قبیلہ کا پتہ دیتے ہوئے کہا کہ ہم پانی لینے آئے ہیں تو عمرو نے کہا: "تم شوق سے پیو ، تمہارا پینا گوارا ہے"۔ نافع نے جواب میں کہا: "میں اکیلا تھوڑی پیوں گا ، ایسی صورت میں کہ حسینؑ اور ان کے سب ساتھی پیاسے ہوں"۔ یہ سنتے ہی فوج مخالف یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی: "یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ان تک پانی پہنچ سکے۔ ہم یہاں مقرر اسی لئے کئے گئے ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ بھی جماعتِ حسینیؑ تک نہ جانے دیں"۔ نافع خود ان لوگوں سے گفتگو کے لئے آگے بڑھے اور ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ تیزی سے مشکیں پانی سے بھر لو۔ چنانچہ ساتھیوں نے جلدی جلدی پانی بھر لیا اور جب ادھر سے نگہبانوں کی فوج آگے بڑھی تو ابوالفضل العباسؑ کے ساتھ نافع بن ہلال اور چند دوسرے بہادروں نے مقابلہ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی دوران میں وہ لوگ جو مشکیں لئے ہوئے تھے ساحل سے اوپر آ گئے چنانچہ بہادروں نے ان کو خیامِ حسینیؑ کی طرف روانہ کر دیا اور خود وہیں کھڑے رہے۔ نہر کے پاسبانوں نے بڑھ کر

مشک برداروں پر حملہ کر دیا۔

اس موقع پر نافع بن ہلال جملی نے عمرو بن الحجاج کی فوج کے ایک شخص پر جو قبیلۂ صدا سے تھا نیزہ کا وار کیا جس سے وہ بعد میں ہلاک ہوگیا۔ مشک بردار پانی لے کر خیامِ حسینؑ کی طرف بڑھے۔[1] پانی خیامِ حسینؑ تک پہنچا کہ نہیں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بقول طبری چند مشکیں پہنچ گئیں (یہ ۷رمحرم ۶۱ھ کا واقعہ ہے)۔ بفرضِ محال چند مشک پانی پہنچ بھی گیا تو حسینؑ جماعت کے لئے جن کے ساتھ گھوڑے بھی تھے صرف ذرا سی دیر تک تسکینِ عطش کا باعث ہوا ہوگا۔ بہرحال آٹھ، نو اور دس محرم کو خیامِ حسینؑ میں پانی نہیں پہنچا اور سب پیاسے رہے۔[2]

جہادِ نافع بن ہلال جملی:

روزِ عاشور جنگ چھڑنے کے ساتھ ہی سے نافع بن ہلال جملی کا ولولۂ جنگ کام کرنے لگا تھا چنانچہ افواجِ مخالف کے ایک پہلوان مزاحم بن حریث کے ساتھ ان کا دست بدست کامیاب مقابلہ ہوا تھا۔ اس کے بعد عمرو بن قرظہ کی شہادت کے موقع پر جب ان کے بھائی علی بن قرظہ[3] نے امامؑ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اور حملہ کیا تھا تو نافع نے اس کا مقابلہ کر کے اسے مغلوب کیا تھا۔

نافع تیراندازی میں بڑے مشّاق اور یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے

(۱) طبری، ج، ص ۲۵۳۔
(۲) کسی ضعیف سے ضعیف تاریخ میں بھی یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ ۹ اور ۱۰رمحرم کو خیامِ حسینؑ میں پانی موجود ہو۔
(۳) قرظہ کے بیٹے عمرو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے جبکہ دوسرا بیٹا علی یزیدی فوج کے ساتھ تھا۔

اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھ دیا تھا اور تیروں کو زہر میں بج
لیا تھا۔ چنانچہ ظہر کے بعد انہوں نے تیر چلانا شروع کر دیا تھا۔
کہتے جاتے تھے کہ ''میں جملی ہوں اور علیؑ کے مسلک پر ہوں''۔ انہو
نے افواجِ مخالف کے بارہ آدمیوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو زخم
یہاں تک کہ دشمنوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر مارنا شرو
کیا جس سے ان کے دونوں بازو شکستہ ہو گئے اور وہ گرفتار کر لئے
گئے۔ شمر سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ ان کو پکڑ کر عمر سعد کے
پاس لے گیا اس وقت عالم یہ تھا کہ ان کی ڈاڑھی سے خون ٹپک ر
تھا۔ ان کو دیکھ کر عمر سعد نے کہا: ''نافع! یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کی
سلوک کیا؟'' نافع نے کہا: ''میرے ضمیر سے خدا واقف ہے۔ خدا کی قسم
میں نے تمہارے بارہ آدمی جان سے مارے ہیں اور زخمیوں کی تعداد
اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مجھے مسرّت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے اد
کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے
اس طرح ہرگز گرفتار نہ کرسکتے''۔ شمر نے کہا: ''اس شخص کو ہرگز زند
نہیں چھوڑنا چاہئے''۔ عمر سعد نے جواب دیا: ''تم گرفتار کرکے لائے ہو
تم کو اختیار ہے''۔ شمر تلوار کھینچ کر بڑھا تو نافع نے کہا: ''اگر تو مسلمان
ہوتا تو کبھی ہم لوگوں کے خون میں ہاتھ نہ رنگتا۔ خدا کا شکر ہے کہ
اس نے ہم لوگوں کی موت بدترینِ خلائق افراد کے ہاتھوں قرار دی''۔
شمر نے تلوار لگائی۔ نافع شہید ہوئے۔ پست حوصلہ اور کمینہ فطرت شمر
اس زخمی اور مجبور مجاہد کو قتل کر کے فتح مندی کا اعلان کرنے لگا اور
رجز کے اشعار پڑھتا ہوا حسینؑ کے باقی ماندہ اصحاب پر حملہ آور ہوا۔☆

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۵۳۔ مقتل، ص ۲۸۴۔

۷۔ عابس بن ابی شبیب شاکری

عابس ابی شبیب شاکری بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الہمدانی شاکری۔ بنو شاکر قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ تھی اور ان ہی کی نسبت حضرت علیؑ نے جنگِ صفین کے موقع پر فرمایا تھا کہ ''اگر ان کی (شاکری) تعداد ایک ہزار ہو جائے تو خدا کی عبادت اس طرح ہونے لگے جس طرح کہ ہونا چاہیے''۔

یہ لوگ بڑے شجاع اور جنگ آزما تھے اور '' فتیان الصّباح '' کے لقب سے مشہور تھے جس کے معنی ہیں ''وقتِ صبح کے جواں مرد''۔

عابس اہلِ کوفہ میں سے رئیسِ قوم، بہادر، مقرر، عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے۔ متعدّد لڑائیوں میں کارِ نمایاں انجام دے چکے تھے لوگوں کے دلوں پر ان کی شجاعت کا سکّہ قائم تھا۔

جب حضرت مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں وارد ہوئے تھے اور آپ نے پہلا جلسہ منعقد کر کے حضرت امام حسینؑ کا خط سنایا تھا تو اس وقت سب سے پہلے عابس ہی کھڑے ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ '' میں دوسروں کا ذمہ دار نہیں مگر جہاں تک میری ذات کا تعلّق ہے میں نے طے کر لیا ہے کہ آخری دم تک آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا''(عابس شاکری کا ذکر پچھلے صفحات پر بھی ہو چکا ہے)۔

ان کی تقریر اتنی جامع اور پُرمغز تھی کہ حبیب بن مظاہر نے ان کی تعریف کی اور ان ہی کی تائید میں اپنی نصرت و وفاداری کا عہد کیا۔

جب کوفہ کے تقریباً اٹھارہ ہزار آدمیوں نے مسلم بن عقیلؑ سے

...ت کر لی تو آپ نے اس صورتِ حال سے مطمئن ہو کر حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دینا چاہی تو آپ نے وہ خط عابس ہی کے ہاتھ مکّہ بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ یہ خط لے کر حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچے اور پھر آپؑ سے جدا نہیں ہوئے۔

شوذب بن عبداللہ الہمدانی الشاکری کوفہ کے مشہور شیعیانِ علیؑ میں سے تھے۔ جناب عابس کے ساتھ آپ حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچے اور کربلا میں روزِ عاشور جناب عابس سے پہلے شہید ہوئے۔

جب شوذب درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے تو عابس نے امامؑ کی ...مت میں عرض کیا: ''بخدا! روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مجھے آپؑ سے زیادہ عزیز و محبوب ہو۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں اپنی ...ن سے زیادہ کوئی عزیز شے آپؑ کی خدمت میں پیش کروں تو ایسا کرتا مگر اب تو بس میری جان باقی ہے۔ بس اب اجازت دیجئے۔ ...ں آخری سلام عرض کرتے ہوئے خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپؑ اور آپؑ کے پدرِ بزرگوار کے دین اسلام پر قائم ہوں''۔

اظہارِ حق کیا اور امامؑ سے رخصت ہوئے اور تلوار کھینچے ہوئے ...ف مخالف کے سامنے پہنچے۔ ان کی پیشانی پر ایک زخم موجود تھا شاید پہلے کسی حملہ میں آ گیا تھا۔ فوج کوفہ کا ایک فرد ربیع بن تمیم جو ...ہ کربلا میں موجود تھا، بیان کرتا ہے کہ ''میں نے عابس کو آتے ...ا تو پہچان لیا اس لئے کہ میں انہیں اس سے پہلے لڑائیوں میں دیکھ ...تھا اور ان کی شجاعت سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ...ں سے کہا: '' ایّہا النّاس! یہ شیروں کا شیر ہے۔ یہ ابنِ ابی شبیب

ہے۔ دیکھو! کوئی ایک شخص تم میں سے تنہا اس کے مقابلہ کو نہ نکلے"۔ عابس نے آواز دینا شروع کی: "کیا کوئی مردِ میدان نہیں جو ایک مردِ میدان کے مقابلہ کو نکلے؟" مگر فوجِ یزید میں سے کوئی شخص بھی باہر نہ نکلا۔ عمر سعد نے کہا: "اس بہادر کو پتھروں سے مار لو"۔ چنانچہ ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ یہ عجیب طریقۂ جنگ دیکھ کر عابس نے زرہ اور خود بکتر اتار کر پھینک دیا اور تلوار سونت کر صفوفِ مخالف پر ٹوٹ پڑے۔ جس صف کی طرف رخ کرتے سیکڑوں آدمی ان کے سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد فوج کے ایک بڑے حصہ نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔

ان کا سر قلم کیا گیا، اس کے بعد بہت سے آدمیوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کیا، ہر ایک کہتا تھا کہ اس شخص کو میں نے قتل کیا ہے۔ بالآخر عمر سعد نے اس کا یہ کہہ کر فیصلہ کیا کہ جھگڑا نہ کرو، اس شخص کا قاتل کوئی ایک نہیں ہو سکتا، تم سب اس کے قاتل ہو۔ اس طرح یہ نزاع ختم ہوئی۔

۸۔ عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندانِ عروہ☆ بن حراق غفاری

حضرت ابوذر غفاری کے قبیلہ سے حراق غفاری، اصحابِ حضرت علیؑ بن ابی طالب میں سے تھے اور آپؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک رہے تھے۔ ان کے دونوں پوتے عبداللہ اور

☆ بعض کتابوں میں عزرہ ہے (طبری، ج ۶، ص ۲۵۴)۔

عبدالرحمٰن، اشراف و شجاعانِ کوفہ میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ دونوں بھائی حضرت امام حسینؑ کے پاس میدانِ کربلا میں پہنچے اور آپؑ کے انصار میں شامل ہوئے۔

ظہر کے بعد وقت سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔ اصحابِ حسینؑ میں سے ہر ایک کی اب یہ کوشش تھی کہ میں اپنی جان پہلے نثار کر دوں۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا: "یا ابا عبداللہ! ہمارا سلام قبول کیجئے۔ دشمن اب آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور ہمارا بس نہیں چل رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپؑ کے سامنے قتل ہو جائیں اور آپؑ کی نصرت کا حق ادا کریں"۔ امامؑ نے فرمایا "اللہ تمہیں جزائے خیر عطا کرے۔ آؤ، میرے قریب آؤ"۔ یہ دونوں امامؑ کے قریب آئے امامؑ نے اجازت دی، اجازت ملتے ہی اس فوج سے جو بڑھ آئی تھی برسرِ پیکار ہو گئے۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"تمام بنی غفار اور خندف و بنی نزار کے قبائل اس بات سے واقف ہیں کہ ہم فاسق و فاجر گروہ پر حملے کریں گے باڑھ دار برّان شمشیروں کے ساتھ۔ اے میرے رفیقو! آلِ رسولؐ کی حفاظت میں شمشیر و نیزہ کے ساتھ جنگ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو"۔ بھرپور جنگ کی۔ آخرِ کار دونوں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے☆۔

۹۔ حنظلہ بن اسعد شبامی

حنظلہ بن اسعد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد بن ہمدان

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۵۴۔

الہمدانی الشبامی۔

اہالیانِ کوفہ میں سے نام آور اور خوش بیان مقرر، بہادر اور حافظِ قرآن تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے میدانِ کربلا میں وارد ہونے کے بعد پہنچے تھے۔ امامؑ نے گفتگوئے صلح کے دوران میں ان کو عمر سعد کے پاس نامہ و پیام کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔

روزِ عاشور ظہر کے بعد جب حسینی مجاہدوں میں سے بہت سے شہید ہو چکے تو وہ امامؑ کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور فوجِ کوفہ کو مخاطب کرکے باآوازِ بلند کہنے لگے:

"اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس روزِ بد کا جو بہت سی قوموں کو نصیب ہوا، جیسے قومِ نوحؑ اور عاد اور ثمود وغیرہ۔ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا بلکہ صرف ان کی بداعمالیوں ہی کا بدلہ دیتا ہے۔ اے میری قوم! میں تمہارے لئے اندیشہ رکھتا ہوں قیامت کے دن سے جب کہ تم اس دنیا سے پشت پھراؤ گے، اس وقت خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یاد رکھو جس کی ہدایت سے خدا ہاتھ اٹھالے اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے۔ اے میری قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو، اگر ایسا ہوا تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا"۔☆

دشمنانِ اسلام پر ایسی تقریروں کا اثر نہ ہونا تھا، نہ ہوا۔ امامؑ نے پکار کر فرمایا:

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۵۴۔ ارشاد، شیخ مفید، ص ۲۵۲۔ ناسخ التواریخ، ج ۷، ص ۲۵۴۔

"اے ابنِ اسعد! خدا اپنی رحمت شاملِ حال کرے۔ تمہارے فوجی عذاب کے مستحق تو اسی وقت ہوگئے جب انہوں نے حق بات قبول نہ کی چہ جائیکہ اب! اب تو یہ بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل بھی کر چکے ہیں"۔ حنظلہ نے کہا: "حضور سچ فرماتے ہیں۔ حضور سے بڑھ کر ان باتوں کو کون سمجھ سکتا ہے، اچھا تو اجازت دیجئے کہ ہم بھی جائیں خدا کی طرف اور اپنے ساتھیوں سے مل جائیں"۔ امامؑ نے فرمایا: "جاؤ، دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے"۔ حنظلہ نے رخصتی سلام کیا۔ میدانِ جنگ میں گئے، جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔[1]

۱۰، ۱۱۔ سیف بن حارث بن سریع
مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی

دونوں چچازاد اور ایک ماں کی اولاد تھے۔[2] اُن دنوں میں کہ جب عمر بن سعد سے گفتگو ہو رہی تھی، میدانِ کربلا میں پہنچ کر جماعتِ حسینی میں شامل ہوگئے تھے۔ ان کا غلام شبیب بھی ان کے ساتھ تھا جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوگیا۔

روزِ عاشور جب بازارِ شہادت گرم تھا تو یہ دونوں جوان امامؑ کے نزدیک کھڑے ہو کر رونے لگے۔ یہ ان کے دل کی بےچینی تھی جس نے اسے غم کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا یہاں تک کہ ان کے منہ سے

(۱) طبری، ج ۶، ص ۲۵۴۔
(۲) طبری، ج ۶، ص ۲۵۵۔

رنج و غم کی وجہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ ان کی اس حالت کا مشاہدہ
کر کے امامؑ نے فرمایا: ''کیوں! میرے بھائی کے فرزندو! روتے کیوں ہو؟
دیکھو، تھوڑی دیر میں تمہارے لئے خوشی ہی خوشی کے سامان مہیاّ ہوں گے''۔
دونوں نے عرض کیا: ''ہماری جان آپؑ پر قربان ! ہم اپنے لئے تھوڑی
روتے ہیں۔ ہمیں تو آپؑ کی بے کسی پر رونا آ رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں
کہ آپؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور پورے طور پر ہم سے
آپؑ کی حفاظت کا امکان نہیں رہا ہے''۔ امامؑ نے فرمایا: ''تمھیں اس صدمہ
پر جو میری وجہ سے ہے اور اس ہمدردی پر جو میرے ساتھ ہے، خدا
بہترین جزا عطا فرمائے''۔

حنظلہ بن اسعد شبامی کی شہادت کے بعد وہ دونوں حسینؑ کی خدمت
میں سلامِ آخر بجا لائے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

۱۲۔ جون (غلامِ ابوذرؓ غفاری)

حبشی نسل، فضل بن عبّاس بن عبدالمطلب کے مملوک تھے۔ حضرت
علیؑ نے انہیں خرید فرمایا تھا اور ابوذرؓ غفاری کو ہبہ کر دیا تھا تاکہ ان کی
خدمت کریں۔ چنانچہ وہ ابوذرؓ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ ربذہ میں
بحالتِ جلاوطنی بھی اُنہیں کے ساتھ رہے۔

۳۲ھ میں حضرت ابوذرؓ کا انتقال ہوا تو جون مدینہ واپس آ کر پھر
حضرت علیؑ کی خدمت میں رہنے لگے اور آپؑ کی شہادت کے بعد
حضرت امام حسنؑ اور پھر حضرت امام حسینؑ کی خدمت کرتے رہے۔

روزِ عاشور جب جنگ کے شعلے بلند ہو گئے تو جون نے بھی

حضرت امام حسینؑ سے اجازتِ جہاد طلب کی۔ آپؑ نے فرمایا: ''تم
ہمارے ساتھ راحت کے لئے تھے۔ اب ہماری وجہ سے کیوں مصیبت
میں مبتلا ہوتے ہو؟'' یہ سننا تھا کہ اس نے عرض کیا: ''فرزندِ رسولؐ !
یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ راحت کے زمانہ میں تو میں نے آپؑ کے یہاں
پیالے چاٹے اور اب سختی کے وقت میں آپؑ کا ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں۔
خدا کی قسم ! خواہ میرے جسم سے بدبو آتی ہو، میرا حسب و نسب پست
اور رنگ سیاہ ہو لیکن آپؑ مجھے جنّت کا مستحق بنا دیجئے کہ میری بو
خوشبو سے بدل جائے، میرا حسب و نسب باوقار ہو جائے اور میرا رنگ
مستحسن ہو جائے۔ بخدا ! میں آپؑ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ
سیاہ خون آپؑ بزرگواروں کے نورانی خون میں شامل نہ ہو جائے''۔

اجازتِ جنگ ملی، جون میدانِ جنگ میں آئے اور رجز پڑھنا شروع کیا:
''ذرا کفّار دیکھیں تو کہ ایک سیاہ غلام شمشیر و نیزہ سے کس
طرح جنگ کرتا ہے، آلِ رسولؐ کی نصرت و حمایت میں''۔ اس کے بعد
جون نے بھرپور جہاد کیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ سبحان اللہ !

حضرت امام حسینؑ کے دل میں جون کے الفاظ گھر چکے تھے۔
آپؑ ان کی لاش پر تشریف لائے اور دعا کی: ''خدا وندا ! اس کے
چہرہ کو روشن کر دے اور اسے صالحین کے ساتھ محشور فرما اور اسے محمدؐ و
آلِ محمدؐ کی حقیقی معرفت رکھنے والوں میں محسوب فرما''۔

۱۳۔ حبیب ابنِ مظاہر اسدی

حبیب ابنِ مظاہر بن رئاب بن اشتر بن حجوان بن فقعس بن طریف

بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبہ بن ددوان بن اسد۔ کنیت ابوالقاسم ، عرب کے مشہور شہسوار ربیعہ بن خوطہ بن حارث بن ثعلبہ کے چچازاد تھے۔ جناب حبیب تینوں جنگوں میں حضرت علیؑ کے ہم رکاب رہے ، رسول اللہؐ کے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حبیب بن مظاہر ، میثم تمّار اور رشید ہجری کی طرح حضرت علیؑ کے اُن صحابۂ باالاختصاص میں سے تھے جنھیں آپؑ نے خاص طور سے علومِ باطنی اور اسرار کی تعلیم دی تھی۔

میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچنے کے بعد سے وہ برابر ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے کہ دشمن کے ساتھ گفت و شنید کے ذریعہ نصیحت کے فرض کو انجام دے سکیں چنانچہ جب عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس کو حضرت امام حسینؑ کے پاس بصیغۂ مراسلت بھیجا تھا اور قرۃ بن قیس نے امامؑ کے پاس آ کر عمر سعد کا پیغام پہنچا کر واپس جانا چاہا تھا تو حبیب نے کہا تھا: ”اے قرۃ بن قیس ! ظالم جماعت کی طرف کہاں جا رہے ہو؟ اس بزرگ کی نصرت کرو جس کے نانا کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو اسلام کی عزّت عطا کی“۔ قرۃ نے کہا تھا: ”میں جا کر پیغام کے جواب کا جواب کہہ دوں تو پھر اس مسئلہ پر غور کروں گا“۔[1]

اس تقریر کا اثر قرۃ کے دل پر ضرور ہوا تھا چنانچہ بعد میں وہ کہا کرتا تھا کہ اگر حُر جاتے وقت اپنا ارادہ مجھ پر ظاہر کر دیتے تو میں بھی ان کے ساتھ نصرتِ حسینؑ کے لئے چلا جاتا۔[2]

(۱) ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۳۰۔

(۲) ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۳۹۔

شبِ عاشور حبیب بن مظاہر نے حضرت امام حسینؑ سے اجازت چاہی کہ وہ قبیلۂ بنی اسد سے جو اطراف میں مقیم ہیں آپؑ کی نصرت کی خواہش کریں چنانچہ امامؑ نے اجازت دے دی اور حبیب نے بنی اسد کے مجمع میں جا کر وعظ و نصیحت کے ذریعہ اُنھیں نصرتِ امامؑ کے فریضہ کی طرف توجّہ دلائی جس پر سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر اسدی نے لبّیک کہی اور پھر دوسرے لوگ بھی آمادہ ہو کر حبیب کے ساتھ جماعتِ حسینیؑ کی طرف روانہ ہوئے مگر اس واقعہ کی خبر عمر سعد کو ہوگئی اور اس نے پانچ سو سوار سدِّ راہ ہونے کیلئے بھیج دیئے جن کے مقابلہ کی یہ جماعت تاب نہ لاسکی اور سب لوگ واپس چلے گئے ، ناچار حبیب خدمتِ امامؑ میں تنہا واپس پہنچے۔

صبحِ عاشور جب امامؑ نے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو شمر نے انتہائی بے شرمی ، بے حیائی سے آپؑ کی تقریر میں مداخلت کی اور کہا کہ ”میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں (یعنی صرف زبانی)۔ میری سمجھ کچھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کیا کہتے ہیں“ حبیب بن مظاہر ہی تھے جنھوں نے اس گستاخی کا جواب یہ کہہ کر دیا تھا ”بخدا ! میں سمجھتا ہوں کہ تُو خدا کی ستّر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حیثیت سے یک رنگ نہیں بلکہ ہفتاد رنگ ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تُو سچ کہتا ہے ، تیری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امامؑ کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مُہر لگ چکی ہے“[1]۔

جب امامؑ نے اپنی مختصر جماعت کو ترتیب دیا تو میسرہ کا سردار حبیب ابنِ مظاہر کو قرار دیا تھا۔[2]

(۱) ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۲۸۔

(۲) ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۳۶۔

روزِ عاشور جب نمازِ ظہر کے وقت حصین بن نمیر نے گستاخانہ کلام کیا تو حبیب ابنِ مظاہر نے اس کو جواب دیا ان کا جواب سن کر حصین نے ان پر حملہ کر دیا حبیب بھی مقابلہ پر آ گئے اور انہوں نے اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری جس سے وہ الف ہوگیا اور حصین زمین پر گر گیا مگر اس کے ساتھیوں نے اُسے اپنے حلقہ میں لے لیا اور حبیب کے ہاتھ سے بچا کر لے گئے۔

اب حبیب میدانِ جنگ میں آ ہی چکے تھے۔ ایمان کا جوش اور شجاعت کی امنگ، دشمن کی جرأت و جسارت کا غصہ اور اس کے زندہ نکل جانے کا رنج، چنانچہ وہ اس مضمون کا شعر پڑھنے لگے:

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر تعداد میں تمھارے برابر یا تمھارے آدھے بھی ہوتے تو تم ہمارے سامنے سے یقینی بھاگ جاتے۔ اے بدترینِ خلائق اور حسب و نسب اور اخلاق کے لحاظ سے گھٹیا![1] میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر ہے۔ میدانِ جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں۔ تمھاری تعداد ہم سے زیادہ ہے اور لڑائی کا سامان تمھارے پاس فراواں ہے مگر ہم بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے برداشت کرنے والے ہیں۔ ہماری حجت بالا، حقیقت نمایاں ہے، ہم فرائض کے پابند ہیں اور ہمارا دامن صاف ہے"۔[2]

(۱) طبری جلد ۶، ص ۲۵۱۔

(۲) طبری، جلد۶، ص ۲۵۱۔

ان اشعار میں حبیب نے اصحابِ حسینؑ کے کردار اور ان نفسیاتی اس کو جو اُن کے ثبات و استقلال کے ذمہ دار تھے صاف طور پر بیان کیا ہے۔

اس طرح حبیب ابن مظاہر گو سن رسیدہ تھے لیکن کربلا کے میدان میں جنگ کرنے لگے۔ حصین نے ان کے سر پر تلوار کا وار کیا جس کی وجہ سے آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے، بدیل بن صریم نے سر قطع کیا۔

آپ کی شہادت امام حسینؑ پر بہت شاق گزری، آپ نے فرمایا: "اے حبیب! خدا تجھے جزائے خیر دے، تو مردِ فاضل تھا اور ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتا تھا"۔☆

۱۴۔ بُریر بن خضیر ہمدانی

بُریر ہمدانی قبیلۂ بنی شرق کے اشراف و اکابر میں سے تھے۔ حضرت علیؑ کے صحابی تھے۔ بہت بڑے شجاع اور قاریٔ قرآن تھے۔ آپ عراق سے چل کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ پورے راستے سفر کیا اور کربلا پہنچے۔ جنگِ مغلوبہ کے بعد آپ امام سے اجازت لے کر جنگ کرنے کے لئے گئے۔ آپ کو کعب نے تلوار کے متعدّد وار کر کے شہید کیا۔

۱۵۔ وہب بن الکلبی

وہب نصرانی المذہب تھے۔ اپنی والدہ اور بیوی کے ساتھ حضرت

☆ "ناسخ التواریخ" جلد اول، ص ۲۵۔

امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول فرمایا۔ روزِ عاشور گو ان کی شادی کو ۱۷ روز سے زیادہ نہ گزرے تھے لیکن اپنی والدہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے نصرتِ حق میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۱۶۔ حضرتِ منجح بن سہم

آپ غلاموں کے نمائندہ تھے۔ آپ نے غلاموں کی نمائندگی اس شان سے کی کہ وہ اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار ہوگئی۔ غلاموں میں پہلے شہید منجح بن سہم ہیں۔ یہ خاندانِ رسالتؐ کے غلام تھے۔ ان غلاموں کی قربانیوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خاندانِ رسالت کے غلام، غلام نہیں تھے شرکائے کار تھے۔ کربلا میں آپ کی شہادت اوائلِ جنگ میں ہوئی اور حسان بن بکر حنظلی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

ان شہدائے اسلام کے علاوہ جن کا ذکر پچھلے صفحات پر ہو چکا ہے، حسبِ ذیل جاں نثاروں نے بھی کربلا میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور زندہ و تابندہ ہو گئے:

ان کا پھر نام و نشاں کون مٹا سکتا ہے
جو زمانے سے خود اپنے کو مٹا کے اٹھے
(صفی لکھنوی)

دیگر شہداء جو روزِ عاشور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے

(۱۷) عمر بن خالد الاسدی الصیداوی (۱۸) سعد مولیٰ عمر بن خالد (۱۹) مجمع بن عبداللہ (۲۰) عائذ بن مجمع (۲۱) جنادہ بن حارث سلمانی

(۲۲)جندب بن حجیر کندی خولانی (۲۳) انس بن حارث اسدی (۲۴)یزید بن زیاد بن مہاصرابو الشعثاء کندی بہدلی (۲۵)ادھم بن امیہ عبدی بصری (۲۶)امیر بن سعدبن زید طائی (۲۷)جابر بن حجاج تیمی (۲۸)جبلہ بن علی شیبانی (۲۹)جنادہ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی (۳۰)جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی (۳۱)حارث بن امراء القیس بن عابس کندی (۳۲) حارث بن بنہان (۳۳) حباب بن حارث (۳۴)حباب بن عامر کعب تیمی (۳۵)حبشہ بن قیس نہمی (۳۶)حجاج بن زید سعدی تیمی (۳۷)حلاس بن عمروازدی راسبی (۳۸) حنظلہ بن عمر شیبانی (۳۹)زاہر بن عمرواسلمی کندی (۴۰)زہیر بن بشر خثعمی (۴۱) زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی (۴۲) سالم مولی عامر بن مسلم العبدی (۴۳) سلیم (۴۴)سوار بن ابی عمیر نہمی (۴۵)سیف بن مالک عبدی (۴۶)شبیب بن عبد اللہ (۴۷)شبیب بن عبداللہ نہشلی (۴۸)ضرغامہ بن مالک تغلبی (۴۹)عامر بن مسلم عبدی بصری (۵۰) عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی (۵۱)عبدالرحمٰن بن عبد رب انصاری خزرجی (۵۲)عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارجبی (۵۳) عبدالرحمٰن بن مسعود (۵۴)عبداللہ بن بشر خثعمی (۵۵)عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی (۵۶)عبید اللہ بن یزید بن ثبیط قیسی (۵۷)عقبہ بن صلت جہنی (۵۸)عمار بن ابی سلامہ والانی (۵۹)عمار بن حسان طائی (۶۰)عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی (۶۱)عمران بن کعب بن حارث اشجعی (۶۲)قارب موالی الحسینؑ (۶۳)قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی (۶۴)قاسم بن حبیب بن ابی بشرازدی (۶۵)کردوس بن زہیر بن حارث تغلبی (۶۶)کنانہ بن عتیق تغلبی (۶۷)مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی

(۶۸)مسعود بن حجاج تیمی (۶۹)مسلم بن کثیر صدفی ازدی (۷۰)مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی (۷۱)منیع بن زیاد (۷۲) نصربن ابی نیزر (۷۳)نعمان بن عمروازدی (۷۴)نعیم بن عجلان انصاری (۷۵)بکر بن حی تیمی (۷۶)عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی (۷۷) ابوثمامہ صائدی (۷۸)سعید بن عبداللہ حنفی (۷۹)سلمان بن مضارب بن قیس البجلی (۸۰) شوذب بن عبداللہ (۸۱) مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی (۸۲) غلام ترکی (۸۳)انس بن حارث اسدی (۸۴)حجاج بن مسروق جعفی (۸۵)زیاد بن عریب ہمدانی (۸۶)سالم بن عمرو بن عبداللہ مولیٰ بنی المدینۃ الکلبی (۸۷)سعد بن حارث مولی امیرالمومنین (۸۸)عمر بن جندب حضرمی (۸۹) قعنب بن عمرو النمری (۹۰)یزید بن ثبیط العبدی (۹۱)یزید بن مغفل جعفی (۹۲) رافع بن عبداللہ مولی مسلم الازدی (۹۳) بشر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی الکندی (۹۴) سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی۔
(۹۵) سیف بن حارث بن سریع و مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانی۔

بنو ہاشم قربان گاہ میں

اب تک آپ نے اصحابِ حسینؑ کی قربانیوں کے احوال پڑھے جو بھوکے تھے، پیاسے تھے لیکن باوفا اور حق پر جان دینے والے تھے۔ میدانِ قتال میں آتے رہے اور حق پر جان دیتے رہے۔ انہیں اپنی جانوں کی فکر نہ تھی وہ تو جان دے کر حق کی سربلندی دیکھنا چاہتے تھے۔ ظالم ظلم کرتے رہے اور مظلوم سہتے رہے۔ ظالم خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ وہ انہیں مٹا رہے ہیں لیکن مظلوم مرتبۂ شہادت پر فائز ہوتے رہے اور ابدی حیات حاصل کرتے رہے۔ وفا پر مرنے والوں کو بھلا کون مٹا سکتا ہے:

وفا پر ہیں مرتے وفا کرنے والے
جفا کر رہے ہیں جفا کرنے والے

حق تو یہ ہے کہ نیک طینت انسان ، نیک عمل اور حق میں سپردگی سے ابدی زندگی حاصل کرتا ہے:

نہ دانہ خاک میں ملتا ، نہ پاتا اوجِ سربلندی
ابھرتے ہیں وہی اک دن جو اپنے کو مٹاتے ہیں

اصحابِ حسینؑ کی وفاداری کا یہ حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین کارنامہ

ہے کہ جب تک ان میں کا ایک فرد بھی زندہ رہا اہلِ بیتِ رسولؐ کے کسی فرد کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچنے دی۔ جنگِ مغلوبہ بھی ہوئی اور تیروں کی بارش بھی ہوئی لیکن تمام اہلِ بیتِ رسولؐ محفوظ رہے۔ جب سب کے سب اصحابِ حسینؑ راہِ حق پر فدا ہو چکے تو امامؑ عالی مقام نے اپنے جگرپاروں کو قربان گاہ میں بھیجنا شروع کیا اور سب سے پہلے اپنے لختِ جگر جواں سال بیٹے علی اکبرؑ کو روانہ کیا۔ یہ اکبر اس لئے کہے گئے کہ کربلا میں شہید ہونے والے شیرخوار بھائی علی اصغرؑ سے بڑے تھے لیکن اپنے والد کی دوسری اولاد علی زین العابدینؑ سے چھوٹے تھے۔ حضرت امام حسینؑ اپنے بڑے بیٹے علی (زین العابدینؑ) کو میدانِ قتال میں نہ بھیج سکے کیونکہ وہ سخت علیل تھے اور روزِ عاشور ان پر غشی کا عالم تھا۔ حضرت علیؑ زین العابدینؑ میدانِ کربلا میں گو شہید نہیں ہوئے لیکن وہ کن مصائب سے گزرے اور ان پر کیا بیتی "نبیؐ کی نواسی حضرتِ زینبؑ" میں پڑھئے لیکن کچھ ذکر یہاں بھی ہوگا۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے قربانیاں دے کر تاریخ رقم کی تو حضرت علیؑ زین العابدینؑ اور حضرت زینبؑ نے کوفہ اور دمشق میں بےمثال جرأت، صبر و شکر سے تاریخِ اسلام کی آبیاری کی۔ اگر حضرت علیؑ زین العابدینؑ اور حضرت زینبؑ نے دربارِ ابنِ زیاد (کوفہ) اور دربارِ یزید ابنِ معاویہ (دمشق) میں کمالِ جرأت اور ہوش مندی سے واقعات سے پردہ نہ اٹھایا ہوتا تو اموی پروپیگنڈہ اس سانحۂ جاں کاہ پر پردہ ڈال دیتا اور صرف دو گروہوں کی جنگ بنا کر پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ علامہ اقبالؒ نے نہایت خوب صورتی سے ایک شعر میں تمام حقیقت بیان کر دی:

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

ضبط و تحمل سے کام لیجئے اور غور و فکر فرمایئے۔ رونا آئے تو آنسوؤں کو روکئے نہیں کہ رونا فطرتِ انسانی ہے اور ازروئے قرآن جائز و درست[1]۔ گرچہ یہ درست ہے کہ رونے یا اظہارِ غم سے نقصان کی تلافی نہیں ہوتی لیکن احساس کی لطافت اور شدّت اجاگر ہوتی ہے اور انسانی رشتوں کی نزاکت و طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ توفیقِ غم بذاتِ خود بہت بڑی نعمت ہے، جس کسی کو نصیب ہو جائے وہی غمِ حیات و کائنات سمجھ سکتا ہے[2]۔

اب ہم شہدائے بنی ہاشم کی تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔

۱۔ حضرتِ مسلم بن عقیلؑ

سب سے پہلا شہید سفیرِ حسینؑ حضرت مسلم بن عقیلؑ ہیں جو کوفہ میں شہید ہوئے تھے جن کا ذکر تفصیل سے پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہیں۔

۲۔ شہادتِ حضرتِ علی اکبرؑ شبیہِ پیغمبرؐ

حضرت علی اکبرؑ حضرت امام حسینؑ کے منجھلے فرزند اور بنو ہاشم کے شہیدِ ثانی[3] آپ کی والدۂ گرامی لیلیٰ بنتِ ابی مرہ بن عروہ بن مسعود

(۱) وانّہٗ ھُوَاَضحکَ وَاَبکیٰ۔ (سورۂ نجم ۵۳، آیت ۴۳)
(اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا ہے)

(۲) مٹ جائیں زمانہ سے سراسر غم و اندوہ ہوتا نہیں آتا ابھی انسان کو غمگین

(۳) علی زین العابدینؑ کی والدہ کا نام جناب شہر بانوؑ اور معصوم علی اصغرؑ کی والدہ کا نام اُمِّ رباب تھا۔

معبد الثقفی تھیں۔ ماں کی طرف سے قبیلۂ ثقیف سے تعلق تھا۔ آپ کی والدہ اسیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان کی بھانجی اور یزید کی پھوپھی زاد تھیں۔ اس طرح آپ کا تعلق دونوں خاندانوں سے تھا، اسی وجہ سے بنی امیّہ میں بھی عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ نے حاضرینِ دربار سے استفسار کیا: ''امرِ خلافت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟'' سب نے کہا ''آپ''۔ معاویہ نے کہا: ''یہ درست نہیں ہے''۔ پھر خود ہی کہا: ''امرِ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار علی بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہیں جن کے جد رسولِ خداؐ ہیں، جن میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیّہ کی سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن و جمال اور فخر و مباہات موجود ہے''۔[1] لیکن روزِ عاشور عمر ابنِ سعد نے اسے قطعاً بھلا دیا۔ شیخ مفید کے مطابق شہید علی اکبر کی عمر واقعۂ کربلا کے وقت ۱۹ سال تھی یعنی عالمِ شباب کی ابتداء تھی۔[2]

صبحِ عاشور ہی سے آپ میدانِ جہاد میں جا کر شجاعتِ ہاشمی کے جوہر دکھانا چاہتے تھے، ۱۹ برس کے جوانِ رعنا تھے، حق پر فدا ہو کر ہاشمی جاں نثاری کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے لیکن بغیر اجازتِ امامؑ قدم نہیں بڑھا سکتے تھے کہ محسنِ اخلاق کے پروانے تھے۔ آخر وہ وقت آن پہنچا کہ سب کے سب اصحابِ حسینؑ شہید ہو چکے۔ دیکھئے اب حضرت امام حسینؑ کی نظرِ انتخاب کس پر پڑتی ہے! علی اکبرؑ صبحِ عاشور سے بے چین تھے، امامؑ دیکھتے رہے۔ آخر جب کوئی صحابیٔ امامؑ نہ رہا

(۱) مقاتل الطالبین، ص۵۶، طبع النجف۔

(۲) حضرت علی اکبر کی عمر کے سلسلہ میں مورخوں میں اختلاف ہے۔ حوالہ کے لئے حسبِ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کامل ابن اثیر جلد ۲، مروج الذہب مسعودی جلد ۲، مقاتل الطالبین ص ۵۹، مقتل الحسین للمقرم ص ۲۹۴، طبری جلد ۶، اخبار الطوال ص ۲۵۴۔

تو علی اکبرؑ کی ہمّت بندھی، آگے بڑھے اور اذنِ جہاد طلب کیا۔ امامِ عالی مقام نے جواں سال بیٹے کو نرغۂ اعداء میں بھیجنے میں قطعاً پس و پیش نہیں کیا کیونکہ حق پر جان دینے جا رہے تھے لیکن اتنا فرمایا ''ماں سے اجازت لے لو''۔ علی اکبرؑ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور اجازت چاہی۔ ماں نے سر سے پیر تک جوان بیٹے کو دیکھا، بھرے دل اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ فرمایا: ''جاؤ، خدا حافظ و ناصر''۔ اب والدِ محترم کی خدمت میں مسکراتے ہوئے حاضر ہوئے۔ امامؑ سمجھ گئے کہ ماں سے اجازت مل گئی۔ امامؑ نے اپنا ایک گھوڑا جس کا نام ''لاحق'' تھا علی اکبرؑ کو سواری کے لئے دیا☆ اور بارگاہِ ربّ العزّت میں ہاتھ بلند کیا اور عرض کیا: ''خداوندا! گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب وہ نوجوان ان کی طرف جا رہا ہے جو سیرت و صورت اور گفتار میں تیرے رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو علی اکبرؑ کا چہرہ دیکھ لیا کرتے تھے''۔

اب ذرا صاحبانِ اولاد دل پر ہاتھ رکھیں اور سوچیں، باپ جوان بیٹے کو ایسے میدانِ جہاد میں بھیج رہا ہے جہاں جا کر کوئی نہیں پلٹا، سب شہید ہوئے۔ وہ ایک دن کی لڑائی بھی کوئی لڑائی تھی؟ امامِ عالی مقام کے گنے چنے جاں نثاروں کی تیغ آزمائی، بھوکے پیاسوں کی میدان آرائی۔ ہونا تو یہ تھا کہ آتے، تیورا کر گرتے اور تڑپ کر جان دے دیتے لیکن اسلام کے یہ جاں نثار فرزند، جگر گوشۂ نبوّتؐ، حضرت امام حسینؑ کے سایۂ وقار میں کھڑے جھوم رہے تھے۔ شدّتِ پیاس کے باوجود چہروں

☆ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔

پر خوشی اور کامرانی ، چتونوں پر بل ، بازوؤں میں تڑپ اور سینوں میں ولولے تھے:

سر کے نہ پھر دغا میں جو بڑھ کر قدم
اٹھے جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوئے ، بھوکے تھے ، پیاسے تھے لیکن جذبۂ شہادت سے سرشار تھے ، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں جا پہنچے اور پہنچتے ہی رجز پڑھنا شروع کیا:

انا علی ابن الحسین بن علی نحن و رب البیت اولیٰ بالنبی تا اللّٰہ
لا یحکم فینا ابن الدعیٔ

(میں ہوں علی ، حسینؑ کا بیٹا اور علیؑ کا پوتا۔ ربِّ کعبہ کی قسم! سب سے زیادہ ہم کو رسول اللہؐ کی قربت کا حق ہے۔ خدا کی قسم! ہمارے بارے میں فیصلہ زنازادہ کی اولاد (عبیداللہ ابنِ زیاد بدنسل اور بداطوار ، اس کے بارے میں پچھلے صفحات پر لکھا جا چکا ہے) ہرگز نہیں کر سکتی)[1]

علی اکبرؑ کے رجز کے الفاظ گو نہایت مختصر لیکن پُرعزم اور حق پرستی کا مظہر ہیں۔ علی اکبرؑ نہایت مختصر الفاظ میں رسول اللہؐ کے ساتھ اپنی قرابت داری ، استحقاقِ وراثت اور اپنے مدِّ مقابل کی پستی بیان کرتے ہیں اور یزیدی اطاعت سے انکار کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مقصدِ امامؑ کا اظہار کرتے ہیں۔

شیر دل علی اکبرؑ نے کئی حملے کئے اور برابر رجز پڑھتے رہے[2] ، بلا کی گرمی ، بھوک اور پیاس کی شدّت پھر بھی پے در پے حملہ کرتے رہے۔ دشمن کی فوج کے ایک سپاہی مرہ بن نعمان عبدی نے اعلان کیا کہ

(۱) طبری ، ج ۲ ، ص ۲۵۶۔ ارشاد ، شیخ مفید ، ص ۲۶۔
(۲) طبری ، ج ۲ ، ص ۲۵۶۔ اخبارالطوال ، ص ۲۵۴۔

''اگر اب اس جوان نے حملہ کیا اور میری طرف سے گزرا تو میں ضرور اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا کروں گا''۔

علی اکبرؑ تلوار لہراتے برابر حملہ کر رہے تھے کہ مرہ نے پشت کی طرف سے نیزہ مارا جو علی اکبرؑ کے سینہ کے پار ہوگیا۔ علی اکبرؑ گھوڑے سے فرشِ زمین پر آ گئے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور تلواروں سے جسمِ علی اکبرؑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ علی اکبرؑ راہِ حق میں شہید ہوئے اور مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

امامؑ عالی مقام نوجوانانِ بنی ہاشم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''اٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش''۔ نوجوان آگے بڑھے اور علی اکبرؑ کی لاش کے ٹکڑے جمع کر کے اٹھا لائے اور خیمہ کے آگے رکھ دیئے۔ اس وقت آلِ رسولِ مقبولؐ کا کیا حال ہوا ہوگا خدا بہتر جانتا ہے۔ میری آنکھیں پُرنم ہیں ، دل بیٹھا جا رہا ہے ، قلم رک رہا ہے ، خدا کرے تمام واقعات لکھتا رہوں۔ الوداع والسّلام الیٰ یوم القیام۔ اہلِ جنّت تمہارے منتظر ہیں ، نانا جان تمہیں گلے سے لگائیں گے۔ خدا حافظ علی اکبرؑ ، خدا حافظ۔

۳۔ شہادتِ عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ

آپ کی والدۂ گرامی رقیہ بنتِ علیؑ ابنِ ابی طالب۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ عالمِ غربت میں کوفہ میں شہید ہوئے (تفصیل پچھلے صفحات پر لکھی جا چکی ہے ، مناسب ہوگا کہ ایک نظر ڈال لیں)۔ شبِ عاشور حضرت امام حسینؑ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں اولادِ عقیلؑ سے خاص

طور پر خطاب فرمایا تھا کہ ''تمہارے لئے مسلم کی شہادت ہی کیا کم ہے ! لہٰذا تم چلے جاؤ۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں''۔ لیکن یہ شہادت کے متمنّی ، حضرت امام حسینؑ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتے تھے ! عبداللہ اور محمد دونوں بھائیوں نے کہا: ''یہ ممکن نہیں کہ ہم سب آپ پر اپنی جانیں نثار نہ کریں''۔ مسلم بن عقیلؓ کے یہ بچے کم سن تھے۔ شہید علی اکبرؑ کی لاش خیمہ سے باہر رکھی گئی تو خواتین میں کہرام مچ گیا ، بچے باہر گئے۔ بے رحم دشمنوں کو موقع ملا ، عمرو بن صبیح صدائی نے عبداللہ بن عقیلؓ کی طرف تیر پھینکا۔ بچے نے گھبراہٹ میں ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا ، تیر نے عبداللہ کے ہاتھ اور پیشانی کو چھید دیا۔ ظالم نے دوسرا تیر چلایا جو سینہ پر لگا ، بچے نے تڑپ کر جان دے دی اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگیا۔☆

۴۔ شہادتِ محمد بن مسلم بن عقیلؓ

عبداللہ کے مختلف البطن بھائی تھے۔ بقول ابن جوزی محمد بن مسلم کی والدہ امّ ولد تھیں۔ عبداللہ شہید ہو گئے تو محمد بن مسلم بن عقیلؓ اور کچھ دیگر اولادِ ابی طالب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے دیکھا ، آواز دی: ''ہاں میرے چچا کے فرزندو ! موت کے مرحلہ کو سر کرو''۔ اسی مرحلہ میں دشمن کے ہاتھوں محمد بن مسلم بن عقیلؓ شہید ہوئے اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

۵۔ جعفر بن عقیلؓ

(والدہ کا نام خوصا بنتِ عمرو بن عامر تھا)

عبداللہ بن مسلم اور محمد بن مسلم کی شہادت کے بعد جعفر بن عقیلؓ

☆ ارشاد ، الاخبار الطوال اور طبری سے استفادہ کیا گیا۔

نواسۂ نبیؐ حسینؑ ابنِ علیؑ ===== سیّد علی اکبر رضوی

میدانِ قتال میں پہنچے اور رجز پڑھنا شروع کیا: ''میں مکّہ کا رہنے والا ہوں ، طالب کے خاندان کا ، ہاشم کی نسل اور غالب کے گھرانے سے ہوں۔ یقیناً ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور حسینؑ تمام پاکیزہ اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں''۔ حصولِ شہادت مقصدِ حیات تھا ، آخر عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے آپ کو تیر مار کر شہید کیا۔(۱)

۶۔ عبدالرحمٰن بن عقیلؓ

میدانِ جہاد میں پہنچے اور رجز پڑھنا شروع کیا۔ فوجِ یزید کے عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی نے بیک وقت حملہ کیا۔اسی حملہ میں عبدالرحمٰن شہید ہو گئے۔(۲)

۷۔ محمد بن ابی سعید بن عقیلؓ

کربلا کے میدانِ جہاد میں پہنچے۔ عرب کے دستور کے مطابق رجز پڑھنا شروع کیا۔ لقیط بن یاسر جہنی نے آپ کی پیشانی پر دور سے تیر مارا جس سے آپ شہید ہوئے اور مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

۸۔ محمد بن عبداللہ بن جعفرِ طیّار بن ابی طالب

محمد بن عبداللہ ، حضرت امام حسینؑ کے چچازاد کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خوصاء بنتِ حفصہ بن ثقیف تھا۔ آپ کو اور آپ کے

(۱) طبری ، ج ۶ ، ص ۲۵۶۔ تاریخ التواریخ ، ج ۶ ، ص ۲۶۹۔

(۲) طبری ، ج ۶ ، ص ۲۵۶۔ بحارالانوار ، ص ۱۹۹۔ مقاتل ، ص ۱۲۶ وغیرہ۔

مختلف البطن بھائی عون جو حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھے جناب عبداللہ بن جعفر طیّار نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ خود کبرسنی اور علالت کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ سفر نہ کر سکے تھے۔ عموماً ذاکرین عون و محمد کی شہادت کا ذکر ساتھ کرتے ہیں جس کی وجہ سے سامعین عون و محمد کو جناب عبداللہ کی اولاد حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بطن سے متصوّر کرتے ہیں۔ یہ دونوں شہید یقیناً مختلف البطن بھائی تھے۔

روزِ عاشور محمد بن عبداللہ میدانِ جہاد میں اترے رجز پڑھا اور عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھ شہید ہوئے۔[1]

۹۔ عون بن عبداللہ بن جعفر طیّار

آپ حضرت زینب سلام اللہ علیہا بنتِ علیؑ کے بطن سے تھے۔ حضرت امام حسینؑ اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے حقیقی بھانجے تھے۔

آپ اپنے مختلف البطن بھائی محمد کے بعد میدانِ کارزار میں آئے۔ بچےؑ تھے۔ عبداللہ بن قطبہ طائی کے ہاتھ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گیا۔

۱۰۔ قاسم بن الحسنؑ[2]

آپ حضرت امام حسنؑ کے فرزند یعنی حضرت امام حسینؑ کے بھتیجے

(۱) طبری، جلد ٦، ص ٢٥٦۔

(۲) تمام کتبِ تواریخ شہزادہ قاسم کی شادی کے واقعہ سے خالی نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلے اس افسانہ کا تذکرہ ملا حسین واعظ کاشفی نے روضۃ الشہداء کے اندر بلاسند و حوالہ کیا۔ وہ نویں صدی کے مورخ ہیں۔ صاحبِ اسرارالشہادت نے تو شادی کے نتیجہ میں ایک بچہ کی ولادت کا بھی اضافہ کردیا۔ علامہ مجلسی جلاءالعیون ص ٢٠٣، فاضل رضی نے تظلم الزہرا ص ١٩٥، صاحبِ ذخیرۃ الدارین ص ١٥٣ وغیرہ نے جناب قاسم کے عقد کے واقعہ سے انکار کیا ہے۔

تھے۔ معرکۂ کربلا کے وقت آپ سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے زیادہ سے زیادہ عمر ۱۲ یا ۱۳ برس تھی اور آپ کی والدہ کا اسمِ گرامی رملہ تھا۔☆ نہایت حسین و جمیل تھے۔ جس وقت آپ میدانِ کارزار میں آئے آپ کے جسم پر زرہ بھی نہیں تھی، عام لباس (پیراہن) پہنے میدان میں وارد ہوئے۔ گویا آپ اسلحۂ جنگ سے قطعاً آراستہ نہ تھے، صرف ہاتھ میں تلوار تھی اور بس۔ نصرتِ امامؑ عالی مقام کے جوش میں میدان میں آئے اور حملہ کیا۔ یہ سب اللہ والے تھے، راہِ حق میں جان دینی اور شہادت حاصل کرنی تھی پھر اسلحہ کی پروا کیا کرتے۔ رجز پڑھا اور اللہ کا نام لے کر حملہ کر دیا۔

عمر بن سعد بن نفیل ازدی کی نظر قاسم پر پڑی، اس نے کہا اس بچہ کو میں قتل کروں گا۔ تلوار لئے بڑھا اور جناب قاسم کے سر پر تلوار لگائی۔ قاسم زمین پر گر پڑے اور چچا کو مدد کے لئے پکارا۔ حضرت امام حسینؑ شیر کی طرح جھپٹ کر بھتیجے کے قریب پہنچے۔ عمر بن سعد بن نفیل ابھی قاسم کے پاس موجود تھا۔ امامؑ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا۔ اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ گیا۔ لشکرِ یزید والے اس کو بچانے کی خاطر امامؑ پر ٹوٹ پڑے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نفیل خود اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہلاک ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں لشکر منتشر ہوا تو حضرت امام حسینؑ نے قاسم کی لاش پر کھڑے ہو کر فرمایا: "تیرے چچا پر یہ امر بہت شاق ہے کہ تو پکارے اور وہ تیری مدد نہ کر سکے اور تیری آواز پر آنے کے بعد بھی تیری مدد نہ کر سکے"۔ امامؑ کے پہنچنے سے پہلے ہی قاسم شہید ہو چکے تھے۔ امامؑ نے

☆ بحارالانوار، جلد ۱، ص ٣٠٠۔ لواعج الاحزان، ص ١٣٠۔ مقتل الحسین، ص ٣٠٦۔

قاسم کی لاش اٹھائی خیمہ کی طرف چلے اور جہاں دیگر شہداء کے لاشے رکھے ہوئے تھے ، رکھ دی۔[1]

مختصر سپاہِ حسینیؑ کا ہر مجاہد چھوٹا ہو یا بڑا آن بان سے میدانِ کا رزار میں اس یقین سے وارد ہوتا کہ وہ حق پر ہے اور مرضیٔ معبود پر عمل پیرا ہے اور دینِ اسلام کی بقاء کے لئے جہاد میں حصہ لے رہا ہے۔ جہاد کرتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔

۱۱۔ ابوبکر بن الحسنؑ

آپ حضرت امام حسنؑ کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ کا نام امِّ اسحاق بنتِ طلحہ التمیمی تھا۔میدانِ قتال میں وارد ہوئے ہی تھے کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے تیر مارا جس سے آپ شہید ہو گئے اور مالکِ حقیقی سے جا ملے۔[2]

۱۲۔ محمد بن علیؑ بن ابی طالب

حضرت علیؑ کے فرزند اسماء بنت عمیس خشعمیہ کے بطن سے تھے۔[3] آپ محمد الحنفیہ بن علیؑ سے چھوٹے تھے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ قیام رہا۔ روزِ عاشور میدانِ جہاد میں وارد ہوئے اور یزیدی فوج کے کافی سپاہیوں کو قتل کیا۔ جہاد کرتے ہوئے قبیلۂ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص کے تیر سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ قاتل نے آپ کا سرتن

(۱) طبری ، ج ۲ ، ص۲۵۶۔ ناسخ التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۷۲۔
(۲) الاخبار الطوال ، ص ۲۵۴۔ ارشاد ، ص ۲۵۴۔
(۳) ارشاد ، شیخ مفید ، ص۱۸۹۔

سے جدا کیا اور عمر سعد کے پاس کوفہ لے گیا تاکہ انعام و اکرام سے نوازا جائے۔

برادرانِ حضرت عباسِ علمدار کی شہادت

حضرت اُمّ البنینؑ☆ کے بطن سے چار فرزند پیدا ہوئے:
(۱) ابوالفضل العباسؑ (۲) عبداللہ (۳) عثمان (۴) جعفر۔ حضرت عباسؑ سب سے بڑے اور جعفر سب سے چھوٹے تھے۔

۱۳۔ شہادتِ عبداللہ بن علیؑ

عبیداللہ ابنِ زیاد نے جس وقت شمر کو کربلا بھیجا ، عبداللہ بن ابی المحل دربار میں موجود تھا۔ عبداللہ امّ البنین کا بھتیجا تھا۔ چنانچہ اس نے عبیداللہ ابنِ زیاد سے کہا کہ ''ہمارے خاندان کی ایک لڑکی (امّ البنین) کے فرزند ، حسینؑ کے ساتھ ہیں آپ ان کے لئے امان نامہ لکھ دیجئے''۔ امان نامہ لکھا گیا جسے عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے ایک غلام کرنان کے ہاتھ کربلا بھیجا۔ کرنان وہ خط لے کر کربلا پہنچا اور حضرت عباسؑ اور دوسرے بھائیوں سے ملا اور اُن سے کہا کہ آپ کے ماموں زاد (عبداللہ بن ابی المحل) نے آپ بھائیوں کے لئے عبیداللہ ابنِ زیاد سے امان نامہ حاصل کر لیا آپ لوگ حسینؑ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیے۔ یہ سن کر چاروں بھائیوں نے یک زبان ہو کر کہا: ''ہمارے ماموں زاد کو ہماری طرف سے سلام کہنا اور یہ بتا دینا کہ ہم کو ابنِ زیاد

☆ امّ البنین فاطمہ بنت ابوالمحل حزام بن خالد ربیعہ بن عامر الوحید بن کعب بن عامر بن کلاب۔

کے امان نامہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی امان کافی ہے"۔

شمر ذی الجوشن بھی امّ البنین کے خاندان کا فرد تھا، کربلا پہنچا، عبیداللہ ابنِ زیاد کا خط عمر ابنِ سعد کو دیا اور اس کے بعد سپاہِ حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر آواز دی: "کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے!" یہ سنتے ہی حضرت عبّاسؑ اور ان کے تینوں بھائی سامنے آئے اور پوچھا: "ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟" شمر نے جواب دیا: "تم لوگ امان میں ہو"۔ مجاہدینِ حسینؑ کے ان مجاہدوں نے تیور بدل کر کہا: "خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیری امان پر، ہمارے لئے امان ہے اور فرزندِ رسولؐ کے لئے امان نہیں"۔☆

روزِ عاشور سپاہِ حسینؑ کا ہر مجاہد جان دینے اور شہادت حاصل کرنے میں پہل کرنا چاہتا تھا چنانچہ حضرت عبّاسؑ نے جو سپاہِ حسینؑ کے علمدار تھے، پہلے اپنے بھائیوں کو میدانِ جہاد میں بھیجا اور فرمایا: "بڑھو، اپنے آقا پر نثار ہو جاؤ۔ میں تم کو شہید ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں، اسے توشۂ آخرت کیوں نہ سمجھوں؟" حضرت عبّاسؑ نے عبداللہ کو جو دوسرے بھائیوں میں سب سے بڑے اور حضرت عبّاسؑ سے چھوٹے تھے، میدانِ قتال میں بھیجا۔

عبداللہ بن علیؑ شدید جنگ کرتے ہوئے آخر کار ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے اور سفرِ آخرت کو سدھارے آپ کی عمر شہادت کے وقت ۲۵ سال تھی۔

☆ طبری، ج ٦، ص ۲۵۸۔

۱۴۔ عثمان بن علیؑ

عبداللہ بن علیؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبّاسؑ نے اپنے دوسرے بھائی عثمان کو میدانِ کارزار میں بھیجا۔ جناب عثمان نے جہاد کیا۔ بالآخر آپ جہاد کرتے ہوئے خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زخمی ہو کر گرے۔ ایک ظالم جس کا تعلق بنی ابان بن دارم سے تھا اس نے آپ کا سر جسم سے جدا کیا☆۔ حضرت عثمان مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۳ برس تھی۔

۱۵۔ جعفر بن علیؑ

آپ اُمّ البنین کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ عثمان بن علیؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبّاسؑ نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی جعفر کو میدانِ قتال میں روانہ کیا۔ حضرت عبّاسؑ نے فرمایا: "جیسے دوسرے بھائیوں کا صدمہ برداشت کیا ویسے ہی تمہارا بھی صدمہ برداشت کروں گا"۔

جعفر میدانِ قتال میں وارد ہوئے، جہاد کیا آخر کار ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھ شہید ہوئے۔

۱۶۔ شہادتِ ابوالفضل العبّاس بن علیؑ

حضرت ابوالفضل العبّاس بن علیؑ ۲٦ھ (٦۴۲ء) میں امّ البنین کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جناب امّ البنین کے خاندان کا ذکر پچھلے صفحات

☆ طبری، ج ٦، ص ۲۵۷۔ ذخیرۃ، ص ۱۴۷ وغیرہ۔

میں ہوچکا ہے۔ چودہ سال والدِ محترم حضرت علیؑ کے زیرِ سایہ زندگی گزاری۔ حضرت علیؑ کی شہادت (۴۰ھ) ۶۶۰ء کے بعد دس سال تک حضرت امام حسنؑ کے زیرِ تربیت رہے۔ حضرت امام حسنؑ کی شہادت (۵۰ھ) مطابق ۶۷۰ء کے بعد عاشورِ محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۱ء تک حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور حادثۂ کربلا میں حقِ وفا ادا کرتے رہے۔ قافلۂ حسینیؑ کے علمدار تھے، ''علمدارِ حسینؑ'' کہلائے۔ پانی کی سبیل میں بازو کٹے اور شہید ہوئے اسی لئے ''سقائے سکینہؑ'' کہلائے اور آج تک کہے جاتے ہیں۔ حادثۂ کربلا کے وقت آپ کی عمر چونتیس سال تھی۔

قوت و شجاعت اورحسن و جمال میں ممیز و ممتاز تھے اسی وجہ سے قمرِ بنی ہاشم کہے جاتے تھے۔ قد آور اور شجاع تھے۔ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ ساتھ باطنی اوصاف میں بھی ممیز تھے۔ آپ کے بارے میں امام جعفرصادقؑ نے فرمایا: ''ہمارے چچا عباس بن علیؑ بڑے دیندار اور کامل الایمان تھے''۔ آپ کا شمار اکابر فقہاء اور فضلائے اہلِ بیتؑ میں ہوتا ہے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ لبابہ بنتِ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھیں۔آپ کے دو اولاد تھیں، ایک فضل اور دوسرے عبداللہ۔ حضرت عباس آخر وقت تک حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور زندگی کے نشیب و فراز دیکھتے رہے۔

وقتِ عصر قریب ہے حضرت عباس اپنے تینوں بھائیوں کو راہِ حق میں قربان کر چکے ہیں۔ خیامِ حسینیؑ میں اب حسینؑ عالی مقام ہیں اور عباسِ علمدار۔ عباسِ علمدار خدمتِ حسینؑ میں حاضر ہوتے ہیں اور

ں جہاد طلب فرماتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ بھائی عباس پر نظر ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''تم تو میرے علمدار ہو''۔ عباس کچھ دیر خاموش رہتے ہیں، پھر فرماتے ں: ''تمام مجاہدینِ اسلام شہید ہو گئے اب علمدار کیا کرے؟'' پھر ں کیا: ''مجھے اب تابِ ضبط نہیں رہا، زندگی گراں سے گراں‌تر ہوتی رہی ہے''۔ امامؑ نے ایک بار پھر بھائی پر نظر ڈالی اور فرمایا: ''اچھا تے ہو تو پانی کی فکر کرنا''۔

عباس نے مشکیزہ لیا، علم پہلے سے ہاتھ میں تھا۔ نہر کی طرف روانہ ئے۔ یزیدی فوج نے دیکھا علمدار آ رہا ہے، پوری قوت سے مزاحم ئے۔ عباس نے مزاحمت روکی اور نہر کی طرف بڑھے اور بڑھتے گئے ان تک کہ نہر تک پہنچ گئے۔ مقصد حصولِ آب تھا، نہ کہ جنگ، اب ک کس کے لئے کرتے! تمام مجاہدینِ اسلام اور اہلِ بیتِ رسولِ اکرمؐ ید ہو چکے ہیں مجاہدین اور اہلِ حق سب راہِ حق میں قربان ہو چکے ں۔ دنیا دیکھے یا نہ دیکھے اللہ جلّ شانہٗ دیکھ رہا تھا:

لَا تَحْسَبَنَّ اَنَّ اللّٰہَ یَغْفَلُ سَاعَۃً وَّلَا اَنَّ مَا یَخْفٰی عَلَیْہِ یَغِیْبُ۔

(یہ نہ سمجھو کہ خدا ایک ساعت کے لئے بھی غافل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ ہوسکتی ہے)

علمدار نے مشک بھر لی۔ خود بھی پیاسے تھے۔ پانی چلّو میں لیا سے غور سے دیکھنے لگے۔ بچوں کی پیاس یاد آ گئی، پانی چلّو سے ک دیا، بچے پیاسے ہیں، خود کیسے پئیں:

یہ تشنہ لبی کس کی مجھے یاد آ گئی
آ کر لبِ فرات بھی پیاسا کھڑا ہوں میں
(زہیر کنجاہی)

بھرا ہوا مشکیزہ دوش پر ڈالے پیاسے ہی نہر سے نکلے اور خیمہ کی طرف بڑھے۔ عبّاس تنہا تھے ، سامنے دشمن کی فوج تھی۔ دشمنِ اسلام کسی طرح خیامِ حسینیؑ تک پانی پہنچتا دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ فوج نے عبّاس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عبّاس ہیں اور فوج کا نرغہ ہے ، ہاتھ میں اسلام کا پرچم ہے ، دوش پر مشک ہے۔ قربان جایئے جرأتِ عبّاس پر۔ حملے ہوتے ہیں عبّاس حملہ روکتے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھ رہے ہیں ، عبّاس کے پاس تلوار نہ تھی علم تھا اور مشک۔ عبّاس لڑنے نہیں بلکہ پانی لینے گئے تھے۔ امام حسینؑ نے فرمایا تھا: ''پانی کی سبیل کرنا''، عباس لڑتے کیسے؟

عباس فرما رہے ہیں: ''موت کتنے ہی نعرے لگائے میں موت سے خوف زدہ نہیں یہاں تک کہ تلواروں کے سائے میں گرا دیا جاؤں۔ میرا نام عبّاس ہے ، مشک لے جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا یا جان دے دوں گا۔ میں ہنگامِ جنگ موت کی پروا نہیں کرتا''۔ مشک نہ لے جا سکے جان دے دی ، قول کے دھنی تھے۔

دشمن کی فوج نے سمجھا جب تک عبّاس کے ہاتھ سلامت ہیں اور مشک میں پانی ہے یہ خیمۂ حسینی کی طرف بڑھتے رہیں گے چنانچہ حکیم بن طفیل سنبی نے آپ کے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی ، عبّاس کا داہنا ہاتھ قطع ہوا۔ اسلام کے جاں باز نے ہاتھ کی پروا نہ کی ، علم بائیں

ـنہ پر لے لیا اور علم کو گرنے سے بچایا اور فرمایا: ''حالانکہ تم نے میرا ـنا ہاتھ قطع کر دیا ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے دین کی حمایت نہ ـر سکوں گا۔ خدا کی قسم ! اس فرض کو تو میں ہمیشہ ہمیشہ انجام دیتا ـوں گا''۔

عبّاس کا داہنا ہاتھ قطع ہو چکا ہے ، زید بن ورقاء جہنی نے موقع ـکر آپ کے بائیں ہاتھ پر ایسی تلوار لگائی کہ وہ بھی قطع ہو گیا۔ ـس جاں باز نے گھوڑے کی پشت پر جھک کر علم روکنا چاہا لیکن قبیلۂ تمیم ـے ایک ظالم نے موقع پا کر عبّاس کے سر پر گرز سے وار کیا۔ عبّاس ـسر زخمی ہوا پشتِ فرس سے زمین پر تشریف لائے اور پکارا: ''بھائی! ـری خبر لیجئے''۔ عبّاس نے نہر سے خیمہ کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا: ـانی لے جاؤں گا یا جان دے دوں گا''۔ ایک تیر مشک کو لگا ، پانی بہا ، ـس بے جان ہو گئے۔ راہِ حق میں حق کا سپاہی شہید ہو گیا۔

کربلا میں اب عالم یہ ہے کہ سپاہِ حسینیؑ کے تمام جاں باز شہید ـچکے ہیں۔ علمدار کی آواز سن کر حسینؑ پر کیا گزری ہوگی؟ اہلِ دل ـازہ لگا سکتے ہیں۔ وہی حسینؑ فرزندِ رسولؐ شاہین کی طرح جھپٹ کر ـس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ عبّاس کے دونوں ہاتھ قطع ہو چکے ـں ، پیشانی شکستہ ہو چکی ہے ، ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے ، زخموں ـے چُور زمین پر دم توڑ رہے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ سرھانے بیٹھ گئے۔ دیکھا عبّاس کی روح جسد ـے مفارقت کر چکی ہے۔☆

زیرِ شمشیرِ ستم میرؔ تڑپنا کیسا سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا (میر تقی میرؔ)

اب عالم یہ ہے کہ سپاہِ حسینیؑ میں کوئی ایسا نہیں رہا جسے امامؑ اذنِ جہاد دیتے۔امامؑ اٹھے ، تلوار نیام سے نکالی اور دائیں بائیں حملہ شروع کر دیا ، دشمن بھاگنے لگے ، حسینؑ حملہ کرتے ہوئے اپنے مستقر پر واپس پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔

عزمِ حسینؑ دیکھئے ! لاتعداد دشمن ہیں اور امامؑ تنہا ہیں لیکن نصرتِ اسلام میں کوہِ گراں کی طرح کھڑے ہیں۔تمام جاں نثار راہِ خدا میں شہید ہو چکے ہیں۔جوان بیٹا ، بھائی ، بھتیجے ، بھانجے سبھی قربان ہو چکے ہیں۔ حسینؑ کربلا کے جلتے تپتے میدان میں کھڑے اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور شہادت کے متمنّی کمربستہ کھڑے ہیں۔

حسینؑ دنیاوالوں سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ وہ تو اسلام کے سپاہی اور صبر و شکر کے پیکر تھے۔ شہرِ علم کا نواسہ ، بابِ شہرِ علم کا بیٹا اور خوفِ دنیا؟ صبر و شکر کے پیکر ، عزم و استقلال کے کوہِ گراں امامِ عالی مقام امتحانِ آخر کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

حضرتِ امام حسینؑ کا امتحانِ آخر

حضرت عبّاسؑ کی شہادت کے بعد دشمنانِ دین نے سمجھا ہوگا حسینؑ اب اکیلے ہیں بیعت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حسینؑ اور بیعتِ یزید؟

سوالِ بیعتِ دربارِ شام اور حسینؑ
کہاں یزید ، کہاں لاالٰہ الااللہ!

یزید دشمنِ اسلام ایک طرف ، حسینؑ فرزندِ رسولِ اکرمؐ دوسری

طرف۔ اسلام حضرت آدمؑ سے چلا آ رہا ہے ، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرانِ اسلام آبیاری کرتے رہے ، خاتم النّبیینؐ کے وصال سے قبل ذی الحجہ ۱۰ھ میں کامل و اکمل ہوا اور آیۂ مبارکہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً۔
(سورۃ المائدہ ۵ ، آیت ۳)
(آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا ہے)

وہی دینِ کامل محرم ۶۱ھ مطابق (۶۸۰ء) میں ایسے بھنور میں پھنسا کہ اگر اہلِ بیتِ رسولِ اکرمؐ قربانیاں نہ دیتے تو یزیدی اسلام تو رہتا لیکن اصل اسلام ختم ہو جاتا۔ یزید نے تو بھرے دربار میں کہا تھا: ”نہ وحی آئی اور نہ خبر“۔ حضرت امام حسینؑ نے قربانیاں دیں اور اسلام کو زندۂ جاوید کر دیا:

سرداد نہ داد دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

۱۷۔ شہادتِ طفلِ شیرخوار

حضرت عباسؑ علمدار کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ میدانِ کربلا میں یکہ و تنہا کھڑے ہیں پھر ایک اور معصوم شیرخوار عبداللہ☆ (جو علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں) کا خیال آتا ہے۔ اس کی والدۂ گرامی رباب کی طرف بڑھتے ہیں ، بچہؑ کو گود میں لیتے ہیں اور

☆ عبداللہ معروف بہ علی اصغرؑ کی والدہ رباب بنتِ امراء القیس بن عدی کلبی تھیں ، آپ کے بطن سے ایک بچی بھی پہلے پیدا ہوئی تھیں جن کا نام سکینہ بنت الحسینؑ تھا۔ (ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۶۹)

دشمنانِ اسلام کی طرف بڑھتے ہیں ، اتمام حجت کی خاطر شیرخوار کے لئے پانی کا سوال کرتے ہیں لیکن انسانیت اس وقت لرزہ براندام ہو جاتی ہے ، جب ایک تیر دشمنانِ اسلام کی طرف سے چلتا ہے اور بچہ امامؑ کی گود میں تیر کھا کر شہید ہو جاتا ہے۔ یہ تیر حرملہ بن کاہل اسدی نے چلایا تھا۔ امامؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا ، تیر کو بچہّ کے گلے سے کھینچا اور اسی حالت میں گلے سے لگاتے ہوئے خیمہ میں آئے اوراس کی ماں کی گود میں دے دیا۔ شیرخوار ماں کی گود میں ہی راہ حق میں فدا ہوا۔☆

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ. وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَـٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ. وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّـٰبِرِينَ. ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَـٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ.

(سورۃ البقرہ ۲ ، آیت ۱۵۳ تا ۱۵۶)

(اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کا ادراک نہیں رکھتے۔ اور ہم تمہیں کچھ خوف ، بھوک ، مال و جان اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے۔ اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے۔ جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے)

☆ روایات شاہد ہیں کہ امامؑ نے پھر بچہ کو ماں کی گود سے لیا ، میدانِ قتال کی طرف بڑھے ننھی سی قبر تلوار سے کھودی اور شیرخوار کو دفن کر دیا:

ننھی سی قبر کھود کے ، اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

ازیں مصائب دوراں مدام شاداں باش
کہ تیرِ دوست بہ پہلوئے دوست می آید!

۱۸۔ شہادتِ حضرتِ امام حسینؑ

مجاہدینِ اسلام ایک ایک کر کے جامِ شہادت پی چکے ہیں۔ اب نہ عباسِ علمدار ہیں اور نہ شبیہِ پیغمبرؐ علی اکبرؑ ، قاسم ہیں نہ عون و محمد۔ کس کس کا نام لکھوں ، تمام مجاہدین راہِ حق میں قربان ہو چکے ہیں:

نہ لشکرے ، نہ سپاہے ، نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے ، نہ علی اکبرے ، نہ عباّسے

ذرا حسینؑ پر نظر ڈالئے ، ۵۷ برس کا انسان تمام قربانیوں کے باوجود صبر و شکر اور برداشت کا پیکر کھڑا کچھ سوچ رہا ہے۔ سب شہید ہو چکے ہیں ، اب اپنا سر شمشیرِ قاتل کے سپرد کرنا ہے اور قتل ہو کر بھی سر کو بلند رکھنا ہے لیکن سپردگی یوں نہیں بلکہ ایک بار پھر بدر و احد ، خندق و خیبر کی یاد تازہ کرنی ہے۔ دشمنانِ اسلام کو بتانا ہے کہ حسینؑ تنہا ہے ، تمام مجاہدین شہید ہو چکے ہیں لیکن مجبور اب بھی نہیں ہے۔ حسینؑ سر کٹا سکتا ہے لیکن جھکا نہیں سکتا اور اس کا سر کٹ کر بھی بلند رہے گا۔ تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی حمزہؓ و جعفرؓ اور علیؑ کی جنگی مہم کا نقشہ پیش کرنا ہے۔ مجھے آج نانا حضورؐ کے اس قول کو کہ ''حسینؑ کو میری جرأت و سخاوت میراث میں ملی ہے ، حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں'' ثابت کرنا ہے۔ سخاوت کے مظاہرے تو ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اب ایثار و قربانی اور سخاوت کا آخری مظاہرہ ایک بار پھر

کرتا ہے۔ سخاوت اور ایثار کا مظاہرہ چند روز قبل منزلِ ذوحسم پر جاں بلب دشمن کے لشکر کو پانی پلا کر کر چکا ہے اور آج صبح سے صبر و شکر اور جرأت کا مظاہرہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ حسینؑ راہِ حق میں قربانیاں دینے اور قربان ہونے آیا ہے۔ قربانیاں دے کر اسلام کو بچانا ہے:

سر کٹے ، کنبہ مرے ، سب کچھ لٹے
دامنِ احمدؐ نہ ہاتھوں سے چھٹے

حسینؑ قربانیاں دے چکا ہے اب اپنا سر راہِ حق میں کٹانا اور نانا کے دین کو ابدی زندگی دینا ہے۔ ہاں ، میرا سر کٹے گا لیکن کٹ کر بھی بلند رہے گا جھکے گا نہیں ان شاءاللہ۔ دشمنِ اسلام خود میرے سر کو بلند کر کے چلے گا:

جھکانا چاہا تھا جس سر کو شام والوں نے
شکست دیکھئے اس سر کو خود اٹھا کے چلے

امامِ عالی مقام رخصت کے لئے خیمہ میں آئے ، پہلے بیمار بیٹے علی (زین العابدینؑ) کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''بیٹا ! اب میں بھی رخصت ہوتا ہوں۔ ہمارے بعد جو مصیبت پیش آئے مردانہ وار اس کا مقابلہ کرنا اور اہلِ بیتؑ کی حفاظت کرنا''۔ حضرت زین العابدینؑ نے رو کر فرمایا: ''بابا جان ! کیا میں ایسا بدبخت ہوں کہ آپؑ میرے سامنے سر کٹائیں اور میں اپنی جان آپؑ کے سامنے نثار نہ کر سکوں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ پہلے مجھے اجازت دیجئے!''۔ امامؑ نے فرمایا: ''جانِ پدر ! تم میرے بعد سادات کی یادگار ہو ، میرے بعد

نانا حضورؐ کے جانشین ہو گے۔ دنیا تم سے فیض پائے گی ، مشیّتِ ایزدی بھی ہے۔ جب مدینہ پہنچنا تو نانا کے روضہ پر حاضر ہونا ، میرا سلام کہنا ، ساری داستانِ کربلا سنانے کے بعد یہ بھی کہنا کہ '' یہ سب اس لئے ہوا کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت کو دین و ایمان کی ذلت سمجھا۔ نانا جان ! حسینؑ اگر یزید کی بیعت کر لیتا تو آپؐ کے خاندان پر ہمیشہ کے لئے الزام لگ جاتا کہ یزید جیسے دشمنِ اسلام کی حسینؑ نے بیعت کر لی اسی لئے سب قربان ہو گئے لیکن زندگی کے آخری لمحہ تک حق پر قائم رہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے''۔

امامؑ کا بیان دل میں کھبا جا رہا ہے ، کلیجے پھٹے جا رہے ہیں اور ہر لفظ روح میں پیوست ہوتا جا رہا ہے۔ عورتیں اور بچے امامؑ کا دل سوز بیاں سن کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ امامؑ سب کو صبر و استقامت کی تلقین کر کے خیام سے باہر آئے۔ امامؑ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا ، گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ قتال میں داخل ہوگئے۔

امامؑ نے پہلے ہی ایک یمنی چادر کو جابجا چاک کر کے لباس کے نیچے پہن لیا تھا۔ امامؑ عالی مقام کو خیال آیا ہو گا کہ بدکردار اور بدنہاد دشمن لباس کو لوٹے تو یہ پھٹا ہوا کپڑا جسم پر رہ جائے:

شبیر بر آمد ہوئے یوں خیمہ کے در سے
جیسے کہ نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے
(مرزا دبیر)

غور فرمایئے ، حسینؑ کے تمام جاں نثار راہِ حق میں قربان ہو چکے ہیں ، عزیز و اقارب شہید ہو چکے ہیں ، یکہ و تنہا میدانِ قتال میں کھڑے

ہیں ، کئی روز کے بھوکے اور پیاسے ہیں لیکن مجبور اب بھی نہیں۔ ہاں ، اگر کوئی مجبوری ہے تو محض یہ کہ اسلام کو بچانا ہے جس کے لئے راہِ حق میں سب کچھ قربان کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مظاہرہ کرنا ہے:

حیاتِ جاوداں اسلام میں یوں ہی نہیں آئی
فدا کی ہیں بہت انمول جانیں آلِ عمراں نے

حسینؑ مجاہدین اور عزیزوں کا غم اٹھائے ہوئے ہیں ، کئی روز سے بھوکے اور پیاسے ہیں اور اب تنہا ہیں اس کے باوجود تلوار سونت کر دشمنانِ دین کی فوج پر حملہ آور ہوتے ہیں اور حمزہؓ ، جعفرؓ اور علیؑ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں اور اس حملہ کو یادگار حملہ بنا دیتے ہیں۔

حمید ابنِ مسلم عبداللہ بن عمار بن یغوث کا بیان ہے کہ ”بخدا ! میں نے کسی نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے شخص کو نہیں دیکھا جس کا سارا گھرانہ آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو سوائے حسینؑ جیسے شجاع ، ثابت قدم ، مطمئن اور جری“۔ ☆

امامِ عالی مقام کا مقصد جنگ نہیں امن رہا ہے جس کا مظاہرہ کرتے چلے آ رہے ہیں آخری حملہ سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حسینؑ اب بھی مجبور نہیں ہے۔

حسینؑ فرزندِ نبیؐ اکرمؐ اور شیرِ خدا علیؑ کا بیٹا حملہ آور ہوتا ہے۔ ہزاروں کی فوج میں بھگدڑ مچتی ہے۔ دشمن کی فوج کی طرف سے کوئی بھی تنہا مقابلہ کرنے نہیں نکلتا۔ یہ دیکھ کر شمر فوج کو للکارتا ہے ، سواروں کو

☆ ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۶۴۔

نواسۂ نبیؐ حسینؑ ابنِ علیؑ — سیّد علی اکبر رضوی

پیادوں کے پیچھے کھڑا کرتا ہے اور تیراندازوں کو حکم دیتا ہے کہ حسینؑ پر تیروں کی بارش کی جائے اور اتنی تیزی اور کثرت سے تیر برسائے جائیں کہ حسینؑ کا جسم تیروں سے ساہی (مرغی سے بڑا ایک جانور جس کے جسم میں بے شمار کانٹے ہوتے ہیں) کی طرح ہو جائے۔

حسینؑ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ شمر بن ذی الجوشن پھر چلایا: ”دیکھ کیا رہے ہو! حسینؑ کو قتل کر دو!“ تیروں اور نیزوں کا مینہ مزید تیزی سے برسنے لگا[1]۔ حسینؑ گھوڑے سے فرشِ زمین پر تشریف لائے یعنی پیادہ ہو گئے پھر بھی مقابلہ جاری رکھا۔ دورانِ جہاد ایک ایسا موقع آیا جب آپؑ نہر تک پہنچ گئے۔ دشمنوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حسینؑ پانی سے سیراب نہ ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر حصین بن تمیم نے تیر کمان سے لگایا اور حسینؑ پر ایسا تیر چلایا جو آپؑ کے دہنِ مبارک کو لگا۔ تیر لگنا تھا کہ منہ سے خون ابلنے لگا۔ آپؑ نے خون چلّو میں لیا اور آسمان کی طرف اچھال دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا[2]۔ ادھر میدانِ ظلم و ستم کا یہ عالم ہے ، دوسری طرف شمر ذی الجوشن فوج کا ایک دستہ لے کر خیامِ حسینیؑ کی طرف بڑھتا ہے تاکہ خیامِ حسینیؑ کو لوٹا جائے۔ حسینؑ نے دیکھا ، یزیدی فوج کو مخاطب کیا اور فرمایا: ”اگر تمہیں دین و مذہب کا پاس نہیں اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے تو بھی دنیا میں اپنی قومی شرافت کا ثبوت دو میں ابھی زندہ ہوں۔ میرے خیام سے تعرض نہ کرو ، شمر شاید شرمندہ ہوا اور خیامِ حسینیؑ کی طرف سے پلٹ آیا۔

(۱) طبری ، ج ۶ ، ص ۲۵۹۔ بحارالانوار ، ج ۱۰ ، ص ۲۰۴۔
(۲) طبری ، ج ۶ ، ص ۲۰۳۔ ناسخ التواریخ ، ج ۶ ، ص ۲۸۹۔

شمر خیامِ حسینیؑ سے پلٹا ، پیادوں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور خود حضرت امام حسینؑ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اب بھی امامؑ جس طرف بھی رخ کرتے فوجی دستہ منہ پھیر لیتا۔ دشمن کی فوج کا ایک سپاہی اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

''میں نے آج تک ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جو زخمی ہو چکا ہو اور جس کی اولاد ، عزیز اور ساتھی سب قتل ہو چکے ہوں اور حسینؑ جیسا مطمئن اور ثابت قدم نظر آئے اور ان کی سی جرأت و ہمت سے مقابلہ کرے۔ اس وقت بھی عالم یہ تھا کہ پیادے چاروں طرف سے امامؑ کو گھیر لیتے اور جب حضرت امام حسینؑ تلوار سے ان پر حملہ کرتے تو وہ سب دائیں بائیں ہٹ جاتے''۔

اس عالم میں بھی حضرت امام حسینؑ کی زبان پر چند ایسے الفاظ تھے جن سے فریضۂ ہدایت پورا ہو رہا تھا اور نتائج کی طرف اشارہ۔ آپؑ نے فرمایا:

''یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ میرے قتل سے قطعی ناراض ہے ، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھے ذلت دیتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ مجھے عزت دے گا اور اس کا بدلہ تم سے اس طرح لیا جائے گا جس کا تمہیں تصور بھی نہیں۔ یاد رکھو مجھے قتل کرنے کے بعد خود تمہارے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا۔ خانہ جنگیاں ہوں گی اور بالآخر تمہارا خون بھی بہایا جائے گا۔ یاد رکھو آخرت کی سزا اس سے کہیں زیادہ ہوگی''۔

دشمنانِ دین پر اس کا اثر نہ ہونا تھا ، نہ ہوا۔

امامؑ کی شہادت

دیر تک حضرت امام حسینؑ خستہ و مجروح خاکِ کربلا پر حیات رہے جبکہ آپؑ کو شہید کر دینے سے بظاہر کوئی امر مانع نہ تھا مگر ہر شخص اس جرمِ عظیم کے ارتکاب سے بچنا چاہتا تھا[1]۔ شمر نے للکارا ، اب کیا انتظار ہے؟ آخر کار مالک بن نسر بدی آگے بڑھا۔ اس نے آپؑ کے سر پر تلوار لگائی جو کاسۂ سر تک پہنچ گئی[2]۔ بالآخر زرعہ بن شریک کی تلوار[3] ، سنان بن انس کا نیزہ[4] اور پھر شمر بن ذی الجوشن کا خنجر وہ تھا جس نے اس مجسمۂ حق کی شمعِ حیات گُل کر دی ، سچائی کی گردن قلم ہوئی اور شہیدِ حق ، شہیدِ انسانیت ، شہیدِ راہِ خدا کا سر نیزہ پر بلند کر دیا گیا:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید ، تبسم بر لبِ اُوست

۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء کی کرب ناک تاریخ ، جمعہ کے دن ، انسانی تاریخ کا سب سے خوں چکاں واقعہ رونما ہوا یعنی راہِ حق کا سپاہی وقتِ عصر مالکِ حقیقی سے جا ملا اور ''شہیدِ انسانیت'' کہلایا۔ آواز آئی:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

(سورۃ الفجر ۸۹، آیات ۲۷ ۔ ۳۰)

(اے پورا اطمینان رکھنے والے نفس! تو پلٹ آ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح کہ تو اس سے خوش رہے وہ تجھ سے خوش ہو۔ پھر تو میرے (برگزیدہ) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا)

(۱) الاخبار الطوال۔
(۲) ارشاد ، شیخ مفیدؒ ، ص ۲۶۴۔ طبری ، ج ۶ ، ص ۲۶۰۔
(۳) الاخبار الطوال۔
(۴) طبری ، ج ۶۔ الاخبار الطوال۔

شہادت امام حسینؑ[1] کے ساتھ ہی حکمِ خدا کا پہلا جزء پورا ہوا اور امام حسینؑ کے لئے جو کچھ قضا و قدر سے طے ہو چکا تھا اختتام پذیر ہوا:

تیغِ ستم سے اس کی مرا سر جدا ہوا
شکرِ خدا کہ حقِّ محبّت ادا ہوا

اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

"عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؑ کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالی جائے، اب اس کا وقت آیا، اس نے پکار کر کہا اس کام کے لئے کون تیار ہے؟ دس آدمی[2] تیار ہوگئے اور گھوڑے دوڑا کر جسمِ مبارک کو روند ڈالا۔

حضرت امام حسینؑ کی لاش کو پامالِ سم اسپاں کیا گیا اور نعشِ مبارک کو عریاں کیا گیا، صرف وہی پرانا لباس جسمِ اطہر پر چھوڑ دیا گیا جو امامؑ نے آخری وقت میں پہن لیا تھا:[3]

چوں بگذرد نظیریؔ خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہِ کیست"

---

(۱) چو یادآورم روزِ خونِ حسینؑ شود چشم از رنج نونِ حسینؑ (غلام نصیر چاوشی)
(مجھے جب شہادت حسینؑ کا دن یاد آجاتا ہے تو میری کمر رنج سے لفظِ حسینؑ کے "نون" کی طرح بن جاتی ہے)

(۲) ان دس آدمیوں کے نام اس طرح ہیں:
(۱) اسحاق بن حیوۃ (۲) اخنس بن مرثد (۳) حکیم بن طفیل (۴) عمر بن صبیح (۵) رجا بن منقذ عبدی (٦) سالم بن خیثم (۷) واقط بن ناعم (۸) صالح بن وہب (۹) ہانی بن حضرمی (۱۰) اسید بن مالک۔

(۳) کامل ابنِ اثیر، ج ۳، ص ۲۹٦۔ ارشاد، شیخ مفیدؒ، ص ۲٦۵۔ عاشر بحار الانوار، ص۲۰٦۔ مقتل الحسین، السیّد عبدالرزاق، ص ۳٦۱۔

شہدائے کربلا کی یاد

زمانہ گزرنے کے بعد آج بھی مہذب دنیا کے کونے کونے میں حسینؑ کی یاد منائی جاتی ہے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہر مذہب و ملّت کے لوگ شہیدِ انسانیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اگلے صفحات میں کچھ دانش ورانِ عالم کے بیانات پیش کئے جا رہے ہیں۔ دیکھئے مہذب دنیا امامؑ عالی مقام کو کن کن طریقوں سے یاد کرتی ہے۔ یاد کیوں نہ منائے!

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
(اقبالؔ)

☆

خوں شہید کا ترے آج ہے زیبِ داستاں
نعرۂ انقلاب ہے، ماتمِ رفتگاں نہیں
(رگھوپتی سہائے فراقؔ)

چشم دید گواہ

حضرت امام حسینؑ کا وہ زمانہ جس نے بین الاقوامی شہرت حاصل

کی وہ عاشورہ ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء کی قربانی ہے۔ واقعۂ کربلا کے چشم دید گواہوں میں عقبہ بن سمعان (غلام حضرت رباب) اور ضحاک بن عبیداللہ ہیں۔ ڈاکٹر سیّد مجتبیٰ حسن کاموں پوری نے ترجمہ و مقدمہ کے ساتھ مرتّب کر کے شائع کر دیئے ہیں (عقبہ بن سمعان: مقتل الحسین مطبوعہ لکھنؤ۔ ضحاک: مقتل الحسین، مطبوعہ راولپنڈی، ۱۹۵۴ء)۔

دوسری صدی کے اہم اور مشہور مصنف ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی (۷۷۴ء) کا مقتل الحسین کربلا کے سانحے پر مبسوط تصنیف ہے جس سے استفادہ کرتے ہوئے طبری نے تاریخ الرسل والملوک میں ۶۱ھ کے واقعات میں سب سے بڑا ماخذ قرار دیا ہے اور اس واقعہ پر کم و بیش پچاس صفحات دوسرے مآخذ کے ساتھ قلم بند کیے۔اسی طرح الدینوری نے الاخبارالطّوال ابن الاثیر و ابنِ کثیر اور الذہبی: سیرۃ الاعلام النبلاء جلد ۳ وغیرہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں تفصیل لکھی ہے۔ متعدد علماء و محدّثین و مؤرخین نے اِس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں☆۔

امامؑ کے گھوڑے کی حالت

قال عبداللّٰہ بن عبّاس حدثنی من شہدالواقعۃ: ''ان فرس الحسینؑ جعل یحجم و یخطی القتلیٰ فی المعرکۃ قتیلا بعدقتیل حتی و قف علیٰ جثۃ الحسینؑ فجعل یمرغ ناصیتہ بالدم ویلطم الارض بیدہ ویصہل صہلا حتی ملاء البیداء فتعجب القوم من فعالہ''۔ (ابومخنف، ص ۹۴)

(حضرت عبداللہ ابنِ عبّاسؓ کہتے ہیں: ''مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو واقعۂ کربلا میں موجود تھا کہ حضرت امام حسینؑ کا گھوڑا حضرت امام حسینؑ کی شہادت

☆ ماخوذ از ''دائرۂ معارفِ اسلامیہ''، ج ۸، ص ۳۲۶، دانشگاہِ پنجاب، لاہور۔

کے بعد ہنہنانے لگا اور میدان میں لاشوں پر سے گزرتا ہوا حضرت امام حسینؑ کی لاشِ مطہّر کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ اپنی پیشانی خونِ حسینؑ سے رنگین کی۔ زمین کو اپنی ٹاپوں سے رگڑنا شروع کیا اور اتنی زور سے ہنہنایا (اور چیخا) کہ اس کی آواز سے پورا میدان گونج اٹھا۔ گھوڑے کی یہ حالت دیکھ کر تمام لشکرِ یزید حیرت میں پڑ گیا۔
(ابومخنف، ص ۹۴)

اس واقعہ کو جناب رازق الخیری ابنِ علاّمہ راشد الخیری نے اپنی کتاب ''سیّدہ کی بیٹی'' میں یوں بیان کیا ہے:

''ٹھیک اس وقت جب نمازِ عصر ادا ہو رہی تھی کربلا کے ریگستان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیانے بج رہے تھے۔ ادھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے اِدھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے کیونکہ دشمنانِ اسلام نے خیموں میں آگ لگا دی تھی''☆۔

حضرتِ زینبؑ نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا۔ اہلِ بیتؑ کی خواتین اور بچّوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہدِ عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسینؑ اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنتِ فاطمہؑ

☆ ''سیدہ کی بیٹی'': رازق الخیری، ص --

کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا: ''اے محمدؐ! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام۔ یہ دیکھ حسینؑ ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہے! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہے! ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے!'' راوی کہتا ہے: ''دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُن کے بین سے رونے نہ لگا ہو''۔[1]

طمعِ فاتحہ از خلق نداریم نیاز
عشقِ من در پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

امامؑ کی شہادت کی اطلاع اُن کے گھوڑے نے خیام تک پہنچائی اور گھوڑے نے خیام میں اطلاع دینے کے بعد اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال دیا اور جان دے دی۔[2]

حضرت امام حسینؑ کے اُس گھوڑے کا نام ''ذوالجناح'' نہیں تھا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ اس نام کا کوئی گھوڑا حضرت امام حسینؑ کی سواری میں نہیں تھا۔ آپؑ کے پاس دو گھوڑے تھے جن کے نام ''مرتجز'' اور ''مسنات'' تھے۔[3]

(۱) ''مضامینِ آزاد''، ص ۱۳۸۔۱۳۹، داتا پبلشرز، لاہور۔
(۲) ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۹۴۔
(۳) ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۹۵۔

شامِ غریباں اور کوفہ روانگی

اب میں آپ کی خدمت میں ۱۰ر محرم کی شام (شامِ غریباں) پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

۱۰ر محرم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء کو نمازِ صبح کی اذان امامؑ مظلوم کے فرزند شبیہِ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ نے دی۔ نمازِ صبح کے بعد ہی قتال شروع ہوگیا۔ وقتِ عصر ہوتے ہوتے نبیؐ آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پورا کنبہ اور ان کے تمام رفقاء مرتبۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ دیکھئے دشمنانِ اسلام اب خاندانِ نبوّتؐ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

اب صرف امامِ مظلوم کے بڑے بیٹے (علی زین العابدینؑ) موجود ہیں اور کچھ بچّے اور خواتین۔ امامؑ عالی مقام علی زین العابدینؑ کو میدانِ شہادت میں نہ بھیج سکے کیونکہ علی (زین العابدینؑ) ورودِ کربلا کے بعد سخت علیل ہو گئے تھے اور ان پر روزِ عاشور غشی کا عالم طاری تھا۔ غشی اور بیماری مصلحتِ خداوندی تھی کہ کم از کم ایک اولادِ حسینؑ بچ جائے تاکہ نسلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قائم رہے اور آیت:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ. إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ.

(ہم نے تو آپؐ کو کوثر (کثرتِ نسل) عطا کی ہے تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہوگا)

کا مصداق بنے۔

اس سلسلہ میں عبد العزیز سیّد الاہل اپنی کتاب امام زین العابدینؑ صفحہ ۳۲ پر (ترجمہ عبدالصمد صارم الازہری) تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حسینؑ کی نرینہ اولاد میں سے تنہا علیؑ (زین العابدین) ہی تھے جو زندہ مدینہ پہنچے تھے۔ ان کے سر پر اب سوائے خدا کے کسی کا سایہ نہ تھا۔ خدا ہی کا ہاتھ تھا جو ان کی طرف بڑھا، ان کی حفاظت و حمایت کی اور نجات بخشی حالانکہ ان کے بھی شہید ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ چنانچہ کربلا کے واقعہ کے بعد ابنِ زیاد اور خود یزید اس پر معترض تھے کہ یہ لڑکا کیوں بچ گیا؟ لیکن ان پر خدا کا سایہ تھا۔ بیماری اور جسمانی ضعف کے پردے ان کے لئے ساتر بن گئے۔ دشمنوں کی آنکھیں ان کی طرف سے اندھی ہوگئیں اور ان کے دلوں کی خواہش پر پتھر رکھ دیا۔ جب یہ پردہ ان سے ہٹا تو دنیا کو خدا کی حکمت اور اس کا ان پر احسان فرمانا سمجھ میں آ گیا"۔

دسویں محرم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۰ء کا آفتاب اس حال میں غروب ہوا گویا زمینِ کربلا خون میں غلطاں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اولاد کے بدن کے گراں قدر ٹکڑے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

شہادت کے بعد کے آثار

(۱) تین دن تک تاریکی چھائی رہی۔ ("تاریخ التواریخ"، ج ۶، ص ۲۹۴)

(۲) سخت اندھیرا چھا گیا۔ ("تاریخ ابنِ عساکر"، ج ۴، ص ۳۳۹)

(۳) آسمان سے خون برسا۔ ("خصائصِ کبریٰ"، ج ۱، ص ۱۲۹)

(۴) سورج کو گہن لگا۔ ("تاریخ الخلفاء"، ص ۱۳۸)

(۵) شہادتِ حسینؑ کے بعد قومِ اشقیاء نے تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ("تاریخ التواریخ"، ج ۶، ص ۲۹۳)

دن گزرا، چاند نمودار ہوا اور ہلکی سی روشنی زمین پر ڈالی، اس چاندنی میں زینبؑ مع چند بچوں اور ان عورتوں کی ایک جماعت کے جن کے ورثا شہید ہو چکے تھے کھڑی تھیں اور سب کو دلاسا دے رہی تھیں۔ جراَتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا اللہ اکبر۔ تھوڑے فاصلہ پر عمر ابنِ سعد مشعل کی روشنی میں شہداء کے سروں کو گن رہا تھا اور دوسری طرف اہلِ لشکر خیامِ اہلِ بیتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو لوٹ کر آگ لگا چکے تھے اور اب صرف میدانِ کربلا میں دھواں تھا جو شامِ غریباں کے اندھیرے میں اضافہ کر رہا تھا۔

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا قیامت خیز حادثے کو دیکھتی رہیں، خدا کا شکر ہر حال میں ادا کرتی رہیں۔ بچپن میں آنحضورؐ نے جو کچھ فرمایا تھا اسے میدانِ کربلا میں ظہور پذیر ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ زینب صلواۃ اللہ علیہا کا نام تاریخ میں بطور "کربلا کی شیردل خاتون" ہمیشہ روشن رہے گا۔ زینب صلواۃ اللہ علیہا تیرا نام تا ابد زندہ و تابندہ رہے گا۔

جہادِ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی ابتداء

قافلہ کربلا سے چل نکلا
زینبؑ اب امتحان میں آئی

شہادتِ حسینؑ کے بعد پہلی رات قیامت کی رات تھی ، ہر طرف دشمن کا نرغہ تھا ، نہ کوئی مونس تھا نہ غم خوار ، صرف خالقِ کائنات کی ذات تھی جس پر کامل بھروسہ تھا۔ اس بھیانک رات میں شیرِ خدا اور خاتونِ جنّت کی بیٹی ، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نواسی اور شہیدِ کربلا کی شریکِ کار بہن حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہوا نیزہ لئے اس لٹے ہوئے قافلہ کی حفاظت کر رہی تھیں۔ کبھی وہ بیبیوں کو صبر کی تلقین کرتیں ، کبھی خوف زدہ بچّوں کو ڈھارس بندھاتیں اور کبھی بیمار بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف ہو جاتیں۔ حسینؑ کے بعد خواہرِ حسینؑ پر بڑی ذمہ داریاں آ پڑیں تھیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے ، بلندحوصلہ خاتون کس جرأت سے دنیوی مصائب کا مقابلہ کرتی ہیں☆۔

قیامت کی رات کھلے آسمان تلے بسر ہوئی۔ صبح ہوئی ، نبیؐ زادیاں

☆ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورۃ الاحزاب ۳۳ ، آیت ۲۳)
(ایمان والوں میں کچھ اشخاص ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اُسے جو انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا تو ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا کر لیا اور ان میں سے کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے بات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی)

اور دیگر بچے ، بچیاں اور خواتین سب قید ہوئے اور بے کجاوا اونٹوں پر سوار کیے گئے اس کے باوجود حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ رنج و غم اور دلوں پر عزیزوں کے داغوں کا ذکر اور آنسو بہانا☆ تو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

ابھی چند دن پہلے جب یہ قافلہ واردِ کربلا ہوا تھا تو اس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پورا کنبہ تھا لیکن اب چند خواتین ، بچے اور بچیاں ہیں ، باقی سب راہِ حق میں شہید ہو چکے ہیں۔

یہ آیاتِ قرآن پڑھیے اور غور فرمایئے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَ نْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

(سورۃ البقرہ ۲ ، آیت ۱۵۵ ، ۱۵۶)

(اور ہم تمہیں کچھ خوف ، بھوک اور مال و جان اور ثمرات کے نقصانات سے ضرور آزمائیں گے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے)

اب جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا مندرجۂ بالا آیات کا عملی مظاہرہ فرما رہی ہیں۔ روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ مندرجۂ بالا آیات کا عملی

☆ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ۸ ھ میں ابراہیم پیدا ہوئے۔ آپ حضورؐ کی آخری اولاد تھے۔ پیدائش کے ۱۸ ماہ بعد ایامِ شیرخوارگی میں حضورؐ کی گود ہی میں بچے نے دم توڑ دیا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ آپ بھی روتے ہیں؟" فرمایا: "یہ تو رحمت ہے"۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت قاسمؑ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے ، اسی نسبت سے آپؐ "ابو القاسم" کنیت فرماتے تھے("سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ" شاہ مصباح الدین شکیل ، ص ۱۱۳۔۱۱۴)۔ اطباء کا بیان ہے کہ آنسو بہنے سے آنکھوں کی کچھ بیماریاں از خود درست ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی آنسو نکلنے کی دوا بھی دی جاتی ہے۔

مظاہرہ فرما چکے تھے۔ دنیا آج تک حیران ہے کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے تمام مصائب برداشت کئے اور اُف تک نہ کی اور ہر حال میں صبر و شکر کا مظاہرہ کرتی رہیں اور راضی برضا رہیں۔

اہلِ بیت رسولؐ کی کربلا سے کوفہ روانگی

جب کاروانِ اسراء (اسیروں کا کاروان) صحرائے کربلا سے ۱۱رمحرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو چلنے لگا تو سیّدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنے مظلوم بھائی کی نعش کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے ماں جائے کا آخری دیدار اس حالت میں کیا کہ سر کے بال کھلے ہوئے اور بے کجاوہ اونٹ پر سوار تھیں۔ ثانیٔ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ مظلومِ کربلا کی سربُریدہ نعش میدانِ کربلا میں بےگور و کفن پڑی ہے۔ ظالموں نے امامؑ عالی مقام کے جسمِ اطہر سے لباس بھی اتار لیا ہے (صرف وہ پرانا لباس جسمِ اطہر پر تھا جو امامِؑ مظلوم نے آخری وقت میں مقتل میں جانے سے پہلے پہن لیا تھا)۔ علیؑ کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں ، مدینہ کی طرف رُخ کر کے اپنے جدِّ بزرگوار جنابِ رسولؐ خدا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ناناجان ! یہ حسینؑ جسے آپ اپنی آغوشِ محبت میں بٹھا کر اپنی عنایت و شفقت سے نوازتے تھے اور اسے سینہ سے لگا کر اس کی پاکیزہ جبین کے بوسے لیتے تھے ، آج بےگور و کفن صحرائے کربلا کی تپتی ریت پر پڑا ہے۔ اس کے مقدّس سر کو نہایت بےدردی سے کاٹ کر نیزہ پر بلند کر دیا

گیا ہے ، ناناجان ! ستم پرور افراد اور بدنام خاندانوں کے لوگوں نے مظلومِ کربلا کے نازنین بدن کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا ہے۔

ناناجان ! ہم اہلِ بیت آج دیارِ غربت میں بے سہارا ہیں اور فاسق و فاجر لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کی لاشوں کو صحرائے کربلا میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

ناناجان ! ہماری غربت و مظلومیت اور اسارت پر گواہ رہنا''۔

امامؑ مظلوم کی بہنوں ، بچّیوں اور دیگر اہلِ بیتؑ و انصار کے بازو رسّی سے باندھے گئے اور عابدِ بیمار (علی زین العابدینؑ) کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ، پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں خاردار طوق ڈالا گیا اور بے محمل اونٹ پر سوار کیا گیا۔☆ ظلم کی انتہا یہ کہ مخدّراتِ عصمت و طہارت کے سروں کی چادریں بھی چھین لی گئیں۔ ستم بالائے ستم لشکرِ ابنِ زیاد نے قافلہ کو مقتل کی طرف سے گزارا تاکہ اہلِ بیت رسولؐ کو زیادہ سے زیادہ صدمہ پہنچے ، لیکن ان کو وہاں رکنے کی اجازت نہیں دی کہ لاش ہائے شہداء کو دل بھر کے دیکھ سکیں۔ عمر ابنِ سعد یہ بھول گیا کہ جو لوگ راہِ حق میں بخوشی قربانیاں پیش کرتے ہیں ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں اور تمام تر مصائب کے باوجود پالنے والے کا شکر

☆ عمر بن سعد نے ۱۱ محرم کو زوالِ آفتاب کے بعد جن اہلِ حرم کو اسیر کر کے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ کی طرف روانہ کیا ان میں بیس خواتین اور بارہ بچے تھے جن میں امام حسنؑ کے تین صاحب‌زادے حسن مثنیٰ زید بن حسنؑ ، عمرو بن امام حسنؑ اور امام محمد باقرؑ بن علی زین العابدینؑ کے نام شامل ہیں جن کی عمر اس وقت چار برس تھی (''بحارالانوار'' ص ۲۱۸ ، ''تمقام'' ص ۴۳۳ ، ''مقتل الحسینؑ'' ص ۳۶۵)۔

ادا کرتے ہیں۔ کیا ظالموں کو پتہ نہیں تھا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھرانے والے ہیں؟

اس سلسلہ میں علامہ راشدالخیری اپنی کتاب ''سیّدہ کا لال'' (صفحہ ۲۶۱ میں فرماتے ہیں):

''جب قافلہ روانہ ہوا تو سب سے آگے اونٹ پر علیؑ کی بیٹی ، بہو اور عابدِ بیمار مشکیں بندھی ہوئی سوار تھے۔ یہ وہ دردناک منظر تھا جس کو انسانی آنکھیں آسانی سے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ بیمار کو غش پر غش آ رہا تھا۔ ماں اور پھوپھی سنبھالتی تھیں مگر اُس کی زبان سے حسینؑ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا''۔

کربلا کے ریگستان کا ذرّہ ذرّہ اپنے مہمان کی مصیبت پر دھاڑیں مار رہا تھا۔ چاند روتا پیٹتا طلوع ہوا اور تارے چیختے چلّاتے نمودار ہوئے۔ عمر سعد ، شمر اور خولی چاندنی رات کا لطف اٹھاتے ایک اور پڑاؤ پر ٹھہرے۔ پہرہ میں سختیاں کر دی گئیں اس لئے کہ قیدی بھاگ نہ جائیں رسّیاں کھینچ کر مضبوط کر دی گئیں۔

رات ایک ہی تھی ، آسمان و زمین وہی تھے ، چاند اور تاروں میں کوئی فرق نہ تھا مگر عمر سعد ، شمر اور خولی کی (خواہش) اُمیدوں سے ہری بھری اور توقّعات سے لبریز تھی۔ آخر خدا خدا کر کے صبحِ صادق نمودار ہوئی اور جنگل بیاباں میں عابدِ بیمار کی صدائے توحید نے شجر و حجر کے کلیجے توڑ دیئے۔ وہ تینوں پڑے ہنستے اور آوازے کستے رہے اور دوسری طرف حضرت زین العابدینؑ نے بندھے بندھے نمازِ فجر ادا

کی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی اور قدرت نے دن کی روشنی کی ہلکی سی چادر بے آب و گیاہ میدان میں بچھانی شروع کر دی تھی۔ ہوا کے جھونکے ٹھنڈے تھے اور پرندوں کا نغمہ فضائے آسانی میں تیر رہا تھا کہ زمین سے زینب بنتِ علیؑ کی یہ دعا جنگل میں گونجی:

''خالق الموجودات! حسینؑ کے بعد زینب کی پہلی رات ختم ہوئی۔ رات کس طرح کٹی اور دل پر کیا گزری؟ اس کا حال تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین سانپ بن کر ڈستی رہی اور آسمان پہاڑ کی طرح ٹوٹتا رہا مگر تقدیر میں اب بھی موت نہ تھی۔ الہٰ العالمین ! تجھ کو معلوم ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ تیرے حضور میں اس طرح حاضر ہوئی ہوں کہ ایمان ملامت کر رہا ہے لیکن تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔ مجھے پانی میسّر نہیں کہ وضو کرتی ، مٹی نصیب نہیں کہ تیمّم کرتی۔ میری گردن اور ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ نہ رکوع کے لائق ہوں ، نہ سجدے کے۔ اے عالم الغیب ! ہم تینوں کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر جس طرح بھی ہو سکی پڑھی ، قبول فرما ، تُو بندہ نواز ہے''۔

حضرت زینبؑ کی اس دعا کی آواز عمر سعد تک پہنچی ، ظالم قریب آیا اور کہا:

''اگر پھندہ سخت ہے تو مجھ سے کہہ دیتیں ، میں ڈھیلا کر دیتا۔ نماز کا یہ عذر غلط ہے''۔

بی بی زینبؑ نے آہستہ سے فرمایا:

''جس سے عذر کر رہی ہوں وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم تینوں کے جسم تیری رسّیوں سے نیلے پڑ چکے ہیں۔ اے عمرسعد ! شرم کا مقام ہے۔ میں نے اپنے بچہ کا بخار اپنے ماتھے کو اس کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ایمان و انصاف دربارِ یزید سے رخصت ہو چکے کہ ابنِ زیاد جیسا روسیاہ اور تجھ جیسا سنگ دل مخلوقِ خدا کے حاکم ہوئے۔ ذرا اس کے جسم کو ہاتھ لگا۔ یہ بخار میں جھلس رہا ہے۔ او روسیاہ ! یہودی بھی بیمار بھیڑ کو قربانی تک کے واسطے جائز نہیں سمجھتے۔ تُو نے رسول اللہؐ کے مریض نواسہ کو قیدی بنایا ہے۔ بنو فاطمہ دنیا سے رخصت ہو چکے ، اُن کی ایک نشانی عابدِ بیمار زندہ ہے جس کا تماشا دکھانے تو ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں لے جا رہا ہے۔ اے عمرسعد ! شمر اور خولی تم سب ایمان کی آنکھوں میں اپنے اعمال کو پرکھو اور انتظار کرو اُس دن کا جس کی خبر ناناجان کی زبانِ مبارک نے کلامِ الٰہی کے حوالہ سے دی اور جس کا نام یوم الحق ہے''۔

امام زین العابدینؑ نے پھوپھی کو روکا اور کہا:

''جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اس پر بحث اور گفتگو سودمند نہیں ہے ، البتہ ہم عمرسعد سے ایک کرم کے خواست گار ہیں کہ ہمارے باپ کا سر جو رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے

پڑا رہا ہم کو دے دے۔ ہم سے زیادہ بدبخت انسان دنیا میں کون ہوگا کہ رسّیوں میں اس طرح گرفتار ہیں کہ اُنگلی بھر سرک نہیں سکتے۔ اگر یہ کہوں کہ رسّیاں ڈھیلی کر دو تو گنہگار، اگر یہ خواہش کروں کہ مجھ کو میرے باپ کے سر تک پہنچا دو تو خاطی۔ ہاں، یہ خواہش ہے کہ حسینؑ کا سر میری گود میں ڈال دو۔ میں اُسے سینے سے چمٹائے ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں ہنسی خوشی چلا جاؤں گا''۔

خولی نے جواب دیا:

''تُو بیمار ہے اور شاید دمشق پہنچنے سے پہلے ہی موت آ جائے مگر سُن اور سمجھ کہ جس طرح تُو اِس سر کے واسطے بے چین ہے اُس سے بہت زیادہ میں انعام کے واسطے مضطرب ہوں۔ تیرا باپ گمراہ تھا۔ اُس نے خلیفہ یزید کی بیعت سے انکار کرنے کے بعد ہم کو کافی اذیّت پہنچائی۔ تُو یہی غنیمت سمجھ کہ ہم نے تم لوگوں کے سامنے حسینؑ کے سر کو ٹھوکریں نہیں ماریں۔ اگر تُو وعدہ کرے کہ اس کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارے گا تو یہ سر تجھ کو مل سکتا ہے''۔

بیمار کے پاس اِس کا جواب ایک خاموشی تھی جو اِن تینوں کے علاوہ تمام اہلِ بیتؑ پر طاری تھی۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کا خاندان اِس کی تاب نہ لاسکا اور مسلم کی شہزادی نے عمر سعد کو مخاطب کر کے کہا:

''چُپ، زبان روک۔ ایسی گستاخی نہ کر کہ زمین تجھ کو

نگل جائے۔ یہ سر جو تیرے سامنے پڑا ہے اب بھی دونوں جہان کا مالک ہے''۔

نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکالیف اٹھائیں، اُف تک نہ کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہاتھ اٹھاکر بددعا کرتے تو قیامت بپا ہو جاتی۔ علیؑ مرتضیٰؑ نے قاتل کو شربت پلایا اور فرمایا:

''میں نہ رہوں تو قاتل پر صرف ایک وار کیا جائے''۔

حضرت امام حسینؑ نے پورا کنبہ راہِ حق میں قربان کر دیا، شیرخوار بچے کی قبر خود تلوار سے کھو دی اور دفن کیا، اسے کہتے ہیں ''نفسِ مطمئنہ''۔ کیا دنیا ایثار و قربانی کی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟ آئندہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر کیا گزرے گی؟ امامؑ مظلوم کو نبیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پہلے ہی مطّلع کر دیا تھا۔ امامؑ عالی مقام بددعا کرتے تو فوجِ یزید خس و خاشاک ہو جاتی لیکن اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم راہِ حق کے سپاہی تھے، راہِ حق ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھا اور اسی راہ پر چلنا ان کا معمولِ زندگی تھا، کیوں نہ ہو:

اسلام کی حیات شہادت ہے اے حسینؑ
کلمہ نبیؐ کا تیری بدولت ہے اے حسینؑ

امام علی زین العابدینؑ بھی اسی صراطِ مستقیم کے راہی تھے، تمام مصائب برداشت کرتے رہے اور راہِ حق پر چلتے رہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا پھوپھی تھیں، ہر طرح قابلِ احترام، علی زین العابدینؑ

امامِ وقت تھے ، دونوں شخصیات نے ایک دوسرے کے مراتب کا خیال رکھا اور کاروانِ حق بڑھتا رہا۔

زمانہ میں یہ کیسا انقلاب آیا کہ کل تک جس گھر میں مَلائِکَۃُ الْمُقَرَّبِیْن بھی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوتے تھے آج اسی گھر کی بہو بیٹیاں اس طرح قیدی بنائی گئیں ، وائے افسوس ان مسلمانوں پر جو ایک طرف تو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا کلمہ پڑھتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے قیدی بنا کر کوفہ روانہ کرتے ہیں(یاد رہے یہ وہی کوفہ ہے جو چند سال قبل تک عالمِ اسلام کادارالخلافہ تھا)۔

امام علی زین العابدینؑ کل تک سخت علیل اور ایسے علیل کہ غشی کا عالم طاری رہتا تھا ،علیل اب بھی ہیں لیکن اب ہوش و حواس میں ہیں۔ اب خدائے بزرگ و برتر کو امام علی (زین العابدینؑ) اور جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے صبر کا امتحان مقصود ہے۔ اگلے صفحات میں انہیں امتحانات کی روداد رقم ہوگی ، آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تمام تر آلام و مصائب کے باوجود اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کس طرح حق کا دفاع کرتے ہیں اور بے خطر ظالموں کا سامنا کرتے ہیں اور حق کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

نیک و بد کی جنگ ازل سے چلی آ رہی ہے۔ انبیائے ماسبق بھی سخت امتحانات سے گزر چکے ہیں۔حضرت آدمؑ سے شروع کیجئے ، نظر دوڑایئے ، حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت یحیٰؑ کو دیکھئے ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت ایوبؑ ، حضرت یونسؑ کو دیکھئے ، کس کس کا نام

لکھوں۔ غور فرمایئے ، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کتنے مصائب کا مقابلہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ کَمَا اُوْذِیْتُ.

(کسی نبی کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئیں جتنی مجھے دی گئیں)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر مکّہ اور طائف میں کتنی مصیبتیں پڑیں ''تاریخِ اسلام کا سفر''(حصۂ اول) میں ملاحظہ فرمائیں۔

انبیاء و رسل علیہم السّلام کے علاوہ بھی بہت سے خدا کے نیک بندے اس امتحان سے گزرتے رہے ہیں لیکن جو کچھ امامؑ مظلوم اور ان کے ساتھیوں پر جو مظالم ہوئے تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
(علاّمہ اقبالؒ)

☆

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی
(جمیل مظہری)

لیکن ہر دور میں کچھ ایسے بلندکردار ، نیک سیرت اور اہلِ دل نظر آتے ہیں جو حق پر جان دینے کو تیار رہتے ہیں۔ نبیٔ آخرالزّماں کے بعد اسی خاندان کے افراد موت کو شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ لذیذ تصوّر کرتے ہیں اور اوراقِ تاریخ پر اپنے نام نہ صرف ثبت کرتے ہیں بلکہ ان اوراق کو جاوداں بنا دیتے ہیں۔ واقعۂ کربلا

کی مثال دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔ کیوں نہ ہو! آخر نبیؐ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گھرانہ تھا:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
(حافظ)

(جس کا دل محبت کے جذبہ سے سرشار ہے اس کے لئے فنا نہیں
محبت کی ہر نشانی ابدی زندگی کا ثبوت ہے)

عمر ابنِ سعد اپنے مُردوں کو دفن کرتا ہے

عمر ابنِ سعد نے اپنے مُردوں کو دفن کرایا اور شہداء کے لاشوں کو چھوڑ دیا۔ ابنِ اثیر کے بیان کے مطابق عمر ابنِ سعد دو دن کربلا میں رُکا رہا تاکہ اپنے مُردوں کو دفن کرائے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے فوجی کثرت سے مارے گئے تھے۔ ١١ محرم ٦١ھ مطابق اکتوبر ٦٨٠ء کو عمر ابنِ سعد کے حکم سے قافلۂ اہلِ بیتؑ کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

بظاہر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سبکی ہوئی لیکن دشمنانِ اسلام کو کیا خبر کہ خدائے بزرگ و برتر نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلندترین مراتب عطا فرمائے ہیں۔ دنیا کی ظاہری ذلت و خواری کی کوئی حیثیت نہیں، خدا کے نیک بندے کانٹوں میں بھی پھولوں کی سی زندگی گزارتے ہیں، کیوں نہ ہو! یہ حسینیؑ قافلہ والے تو ان کی اولاد تھے جن کے بارے میں پیغمبرِ اسلام، مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

عَلِیٌّ قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ، فَاطِمَةُ سَیِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنَّ وَ
اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

(ترمذی، ابواب المناقب)

(علیؑ دوزخ اور جنت لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے والے اور فاطمۂ جنت کی خواتین کی سردار اور حسنؑ اور حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)

شامیوں کی تو تمام تر خواہش یہی تھی کہ "نورِ خدا" کو ہمیشہ کے لئے بجھا دیں لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے گر پف کند، ریشش بسوزد

(قدرت کے جلائے ہوئے چراغ کو بجھانے والے کا اپنا چہرہ جھلس جاتا ہے)

یا یوں کہیے:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مقامِ عبرت ہے کہ جن کو اپنی فتح پر ناز تھا ان کا حشر عبرت ناک ہوا۔ بنو عباس اقتدار میں آئے تو بنو امیہ کا عالم یہ تھا:

دیکھنا! کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

بنو امیہ کا تفصیلی ذکر "تاریخِ اسلام کا سفر" (حصۂ سوم) میں لکھا جا رہا ہے، کچھ ذکر اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

کربلا سے کوفہ کا فاصلہ آج کل براہِ راست ٧٥ کلومیٹر ہے لیکن فوجِ یزید نے کاروانِ اہلِ بیتؑ کو سیدھے راستہ سے لے جانے کے بجائے دور اور غیر معروف بستیوں سے گزارا تاکہ اہلِ بیتِ رسولِ مقبول

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور بنی ہاشم کو زیادہ سے زیادہ تکلیفیں پہنچیں لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ تو ظالموں کی رسّی کو ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ظلم کرلیں پھر سخت پکڑ میں گرفتار ہوں:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ.

(سورۂ آل عمران ۳، آیت ۱۷۸)

(اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم تو انہیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کرلیں، آخر کار ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا)

شہدائے کربلا کے سرقلم کرنے والے قبائل

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جن قبیلوں نے، شہدائے کربلا کے سر قلم کئے تھے انہیں اپنے پاس محفوظ رکھا تھا تاکہ شہداء کے سر دکھا کر عمر ابنِ سعد سے انعام حاصل کریں۔ ابنِ اثیر نے ان شہداء کے سروں کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

(۱) بنی ہوازن کے یزیدی سپاہیوں کے پاس (ان کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا)	۲۰
(۲) بنی کندہ کے پاس (سردار قیس بن اشعث)	۱۳
(۳) بنی تمیم کے پاس	۱۷
(۴) بنی اسد کے یزیدی سپاہیوں کے پاس	۶
(۵) بنی مذحج کے پاس	۷
ان کے علاوہ دیگر لشکریوں کے پاس	۷/۸
کل تعداد	۷۰/۷۱

قافلۂ حسینیؑ کی کربلا سے کوفہ روانگی

قافلۂ حسینیؑ اسیر ہو چکا، شہداء کے سرِ مبارک اکٹھے کر لئے گئے اس کے بعد ۱۱ محرم ۶۱ھ دوپہر کے بعد عمر ابنِ سعد نے حمید بن بکیر کی سرکردگی میں قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ روانگی سے قبل فوجِ یزید میں کوچ کے شادیانے بجے، لشکرِ یزید خوشی کے نعرے لگاتا رہا۔ روایتوں کے مطابق امامِ مظلوم کا لٹا ہوا قافلہ چند دن بعد کوفہ پہنچا۔

قافلۂ امامِ مظلوم اس طرح روانہ ہوا کہ شہداء کے سر نیزوں پر بلند آگے آگے تھے۔ ہاں، دوسر نیزوں پر بلند نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ عمر ابنِ سعد نے سیّدالشہداء امام حسینؑ کا سر عاشورہ کے روز ہی خولی بن یزید اصبحی کے ذریعہ کوفہ روانہ کردیا تھا تاکہ عبیداللہ ابنِ زیاد گورنرِ کوفہ کو کامرانی کی اطلاع ہو جائے۔ حبیب ابنِ مظاہر کا سر ان کے تمیمی قاتل نے اپنے گھوڑے کی گردن سے لٹکا رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ وہ آدمی (خولی) جو امامؑ کا سر لئے ہوئے تھا، کوفہ اُس وقت پہنچا جب رات ہوگئی تھی اور پسرِ زیاد کے محل کا دروازہ بند ہو چکا تھا اس لئے وہ امامؑ کا سر اپنے گھر لے گیا اور ایک گوشہ میں رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے کہا:

''تیرے لئے زمانہ بھر کی دولت لایا ہوں۔ یہ حسینؑ

کا سر ہے جو تیرے گھر میں ہے''۔

زوجہ لرز کر چلائی:

''تیرے اوپر تُف ہو ! آدمی تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تُو دخترِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹے کا سر لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم ! میں تیرے ساتھ اس گھر میں ہرگز نہ رہوں گی''۔

اس کے بعد وہ گھر سے باہر چلی گئی۔

شہدائے کربلا کی تدفین

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ عمر ابنِ سعد حادثۂ کربلا کے بعد وہاں رکا رہا اور اپنی فوج کی لاشوں کو دفن کرایا لیکن شہدائے کربلا کی نعشوں کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بنی اسد کے کچھ لوگ وہاں آئے اور شہداء کے نعشوں کو دفن کیا۔ ذہن نشین رہے کہ کربلا پہنچنے کے بعد امامِ عالی مقام نے بنی اسد سے کربلا کی زمین خرید لی تھی اور پھر انہیں کو ہبہ کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں کے لاشوں کو دفن کر دینا۔ ان قبروں پر خدا کے فضل و کرم سے عالی شان مقبرے[1] بنے اور ہر سال لاکھوں[2] انسان آج بھی

(۱) چند مقابر کی تصاویر حصۂ تصاویر میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) بی بی سی اور عالمی میڈیا کے مطابق ۲۰ر صفر ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۲۰۰۳ء کو (صدام حکومت کے خاتمہ کے بعد) شہدائے کربلا کے چہلم کے موقع پر بغداد ، موصل ، نجف اور دیگر دور دراز مقامات سے تقریباً ۵ لاکھ مسلمان پیدل واردِ کربلا ہوئے۔ صدام نے پچھلے بیس بائیس برسوں سے جلوسِ شہدائے کربلا پر پابندی لگا رکھی تھی۔ ان دنوں کربلا اور مضافاتِ کربلا میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

دنیا کے کونے کونے سے زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ، فاتحہ درود پڑھتے ہیں ، ایمان تازہ کرتے ہیں اور ظالموں پر لعنت بھیجتے ہیں:

چپّے چپّے پہ ہے یاں گوہر یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

قافلۂ آلِ رسولِ مقبولؐ کی کوفہ میں آمد

قافلۂ علی (امام زین العابدینؑ) و زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا ، کربلا سے ۱۱ر محرم الحرام ۶۱ھ کو دوپہر بعد روانہ کیا گیا تھا اور مختلف آباد اور غیر آباد علاقوں سے گزرتا ہوا ۱۲ محرم کو کوفہ پہنچا ☆۔

عبیداللہ ابنِ زیاد حاکمِ کوفہ نے چاروں طرف یہ پروپیگنڈہ کرایا تھا کہ ایک فرو نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کی جسے قتل کر دیا گیا اور اب اس کے باقی ساتھی گرفتار کر کے کوفہ لائے جا رہے ہیں۔ ستم بالائے ستم کامیابی کے جشن کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ کوتوالِ شہرِ کوفہ عمر ابنِ حریث کو حکم دیا کہ جشن کا پورا انتظام کیا جائے ، جگہ جگہ پولیس لگا دی گئی تا کہ کوئی بدنظمی برپا نہ ہو۔ حقیقت سے بے خبر عوام راستوں پر کھڑے ہوگئے کہ جشن دیکھیں۔ ہر طرف جشن کا سماں تھا ، انہیں کیا خبر کہ قید کر کے لائی جانے والی ہستیاں اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کا وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔

جنابِ زینبؑ اس قافلہ کی قافلہ سالار تھیں اور صبر و ضبط اور تشکّر کا بے مثال مظاہرہ فرما رہی تھیں۔ ایک طرف بیمار بھتیجے کو سنبھال رہی

☆ ارشاد ، ص ۲۶۲۔

تھیں ، دوسری طرف خواتین اور بچوں کی نگرانی کر رہی تھیں اور تیسری طرف جو مصائب اور رنج و غم ان پر پڑ رہے تھے انھیں نہایت دلیری سے برداشت کررہی تھیں۔ اخلاقِ محمدیؐ کی تصویر زینب سلام اللہ علیہا اپنے معصوم بچّوں کی شہادت برداشت کرنے ، برہنہ سری اور اسیر ہونے کے باوجود مجسمۂ حیا اور غیرت تھیں ، صولتِ حیدری کی یادگار در بدر پھرائے جانے کے باوجود راہِ حق پر مستقل اور مضبوط رہیں اور اپنے خطبوں سے علیؑ کی بیٹی نے فرعونِ وقت کا سر کچل ڈالا:

دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا
اہلِ دل کے لئے ممکن نہیں زنداں ہونا

قافلہ شہر میں داخل ہوتا ہے

اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی شکل میں شہر میں داخل ہوا۔ آگے آگے چند نیزہ بردار تھے جن کے نیزوں پر شہدائے کربلا کے سر بلند تھے ، اس کے پیچھے اونٹوں پر سوار بچّے اور بیبیاں تھیں جن کے چہرے گرد سے اٹے ہوئے اور سر کھلے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے ایک نوجوان تھا جس کے پیروں میں بیڑیاں ، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق تھا۔ آپ سمجھے ، یہ فرشتہ صفت انسان کون تھا؟ یہ تھے علی (زین العابدینؑ) ، امامؑ مظلوم کے بیٹے۔ علیؑ مرتضیٰ و خاتونِ جنت کے پوتے ، نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پر نواسے ، جن کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا ، لباس پھٹا ہوا ، بھوک و پیاس اور شدّتِ غم سے منہ اترا ہوا لیکن نورِ حق چہرے پر نمایاں۔ عوام حیران کہ اس کسمپرسی کی حالت میں بھی چہرہ سے نور ٹپک رہا تھا ، آخر یہ

نوجوان کون ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ اسے انقلابِ زمانہ کہہ سکتے ہیں اور بظاہر لگتا بھی ایسا ہی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ حق و صداقت اور باطل و کذب کا امتحان لے رہا تھا۔ کتاب کے شروع میں میں نے چند آیات لکھی تھیں ، کچھ آیات یہاں دہراتا ہوں ، آپ انہیں پڑھیں اور غور فرمائیں ، فتح حق کی ہوئی یا باطل کی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ. الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

(سورۃ البقرہ ۲ ، آیت ۱۵۵۔۱۵۶)

(اور ضرور بالضرور ہم تمہیں آزمائیں گے ، خوف ، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب کوئی تکلیف دہ بات ان کے سامنے آئے ان کا قول یہ ہو کہ بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے)

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا.

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ ، آیت ۸۱)

(اور کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے)

اب ذرا صلحِ حدیبیہ پر نظر ڈالئے۔ ہو سکے تو مصنّفِ ہٰذا کی تصنیف ''تاریخِ اسلام کا سفر۔ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک'' کے باب 'صلحِ حدیبیہ' کو ایک بار پڑھ لیجئے۔ بظاہر تو نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دب کر صلح کی جیسا کہ کچھ مسلمانوں کا بھی خیال تھا لیکن یہ

صلح ایسی فتح تھی کہ سورۂ فتح☆ نازل ہوئی۔ اس صلح کے بعد بہت سے غزوے ہوئے ، سرایا ہوئے لیکن آیۂ فتح نازل نہیں ہوئی۔ ان واقعات سے ظاہری اور باطنی کامیابی عیاں ہو جاتی ہے۔

مانا کہ قافلۂ حسینیؑ ظاہری طور پر شکست خوردہ ہوا ، ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹا ، اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اور خدائے بزرگ و برتر کو حاضر و ناظر جان کر فرمایئے ''یادِ حسینؑ کی منائی جاتی ہے یا یزید کی ! '' حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ

''لفظِ یزید داخلِ دشنام ہوگیا''

شاہ عبداللطیف بھٹائی شہدائے کربلا کے بارے میں فرماتے ہیں:

انہیں کب موت کا کھٹکا تھا ، کب پروائے لشکر تھی
شہادت ان کی قسمت تھی ، اجل ان کا مقدّر تھا

(اصل شعر سندھی زبان میں ہے)

☆ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا (سورۃ الفتح ۴۸ ، آیت ۱)
(یقیناً ہم نے آپ کو ایک بڑی نمایاں فتح عطا کی)

کوفہ میں خطبات کی ابتداء

اہلِ بیتؑ اطہار کربلا سے کوفہ تک بالکل خاموش رہے۔ سیّدُ السّجادؑ نے راستہ میں کسی سے کوئی بات نہیں کی لیکن جب کوفہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اندازہ کر لیا کہ اب مقصدِ حسینؑ کے اظہار کا وقت آن پہنچا ہے لہٰذا آپؑ نے خطبات کے ذریعہ فلسفۂ شہادتِ امام حسینؑ کو بیان کرنا شروع کیا اور دنیا والوں پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھرانے والے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ، مرد ہوں یا عورت قیدِ سلاسل میں مبتلا ہوں یا آزاد ، دینِ اسلام کی بقاء کے لئے اور حق کی سربلندی کے لئے نہ حکومتِ اجتماعی سے گھبراتے ہیں اور نہ اقتدارِ شاہی سے مرعوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بازارِ کوفہ سے گزرتے ہوئے سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی صاحب زادی فاطمہ☆ بنتِ حسینؑ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے تمام حقائق یوں بیان فرمائے کہ ساری حقیقت بے نقاب ہوگئی۔ آپ کے خطبے سے قبل عوام حقیقت سے ناآشنا تھے کیونکہ یزیدی فوج حادثۂ کربلا کو چھپانا چاہتی تھی اور حادثات کو توڑ مروڑ کر بیان کرتی تھی۔ خطباتِ فاطمہ بنتِ حسینؑ ، حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا اور حضرت سیّدُ السّجادؑ نے حقائق کو طشت

☆ آپ کی والدۂ گرامی کا نام امِّ اسحاق بنتِ طلحہ بن عبیداللہ تمیمی تھا۔

از بام کر دیا اس طرح یزیدی فوج کی تمام تر تدابیر ناکام ہوگئیں۔

بازارِ کوفہ میں فاطمہ بنت الحسینؑ کا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحَصٰی...... الاخبار۔

"حمد ہے خدا کی، تعداد میں اس قدر جتنی ریگِ صحرا اور سنگریزے ہیں اور وزن میں اتنی جتنی عرش سے فرش تک تمام چیزیں ہیں۔ میں اس کی حمد کرتی ہوں اور اس پر ایمانِ کامل رکھتی ہوں اور اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

(اے لوگو!) اولادِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم دریائے فرات کے کنارے ذبح کر ڈالی گئی اور ان کے لاشہائے مقدّسہ کو بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا۔ اے خدا! میں تیرے اوپر جھوٹ اور بہتان لگانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

اے کوفیو! اے مکّارو! اور اے دغابازو! خداوندِ عالم نے ہم اہلِ بیتؑ کی تمہارے ذریعہ اور تم لوگوں کی ہمارے ذریعہ آزمائش کی ہے۔ خدا مصیبتوں سے ہمارا امتحان لے کر ہم کو اچھی جزا دے گا۔ خدا نے ہم کو اپنا علم اور اپنی حکمت قرار دیا ہے ہم علمِ خدا کے معدن، اس کی حکمت کا ظرف اور اس کی زمین پر اس کے بندوں کے لئے ہادی

اور رہبر ہیں۔ اس نے اپنی نعمتوں سے ہم کو نوازا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہم کو عزّت بخشی ہے۔ اسی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ہم تمام مخلوقِ خدا سے افضل و برتر ہیں۔

اے کوفیو! تم نے ہم کو جھٹلایا، تم نے کفر اختیار کیا۔ تم نے ہمارے مردوں کو قتل کرنا جائز سمجھا اور ہمارے اموال کو مالِ غنیمت جان کر لوٹا جیسے ہم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تھے بلکہ تُرک و کابل کے کفار کی اولاد تھے کہ تم نے ہم کو اس طرح ذلیل و رسوا کیا۔ تم نے آج ہمارے پدرِ بزرگوار حسینؑ کو شہید کیا جس طرح اس سے قبل ہمارے جدِّ بزرگوار حضرت علیؑ کو شہید کیا تھا۔ تمہاری تلواروں سے اہلِ بیتؑ کا خون ٹپک رہاہے۔ کتنا پرانا بغض[۱] و کینہ تھا جس کو ظاہر کرکے تم نے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور اپنے دلوں کو خوش کیا۔ تم نے خدا سے مکّاری کی لیکن یقین کر لو کہ خدا بھی بہترین تدبیر کرنے والاہے۔[۲] تم ہمارا خون بہانے اور ہمارے اموال لوٹنے پر خوش نہ ہو جانا کیونکہ ہم پر جو بھی مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے ہیں وہ سب ہمارے اعمال

---

(۱) کوفہ والوں کی بے وفائی زبان زدِ خاص و عام ہے:

کوفے میں محبت نہ مروت، نہ حیا ہے

(۲) و مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ. (سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۵۴)
(ان لوگوں نے تدابیر سوچیں اور اللہ نے (بھی جوابی) تدبیر فرمائی کہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے)

سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ
کے لئے آسان ہے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ خدا تم سے
آسانی سے بدلہ لے سکے۔ تم نے جو کچھ کیا اس پر نازاں
نہ ہو، خدا کبھی مغرور اور متکبر☆ سے خوش نہیں ہوتا۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو۔ تم پر خدا کی لعنت، تم اس کے
عذاب کا انتظار کرو۔ تمہارے اوپر آسمانوں سے مصیبتیں
نازل ہوں گی اور ایسا عذاب آئے گا جو تم کو پیس ڈالے گا
پھر قیامت کے دن تم ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ
گے کیونکہ تم نے ہمارے اوپر بڑا ظلم کیا ہے، ظالمین پر خدا
کی لعنت ہے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے کن خبیث لوگوں نے
ہم سے جنگ کی۔ کن منحوس ہاتھوں سے تم نے ہمارے اوپر
تیر برسائے اور کن منحوس پیروں سے تم ہماری طرف
بڑھے۔ خدا کی قسم! تمہارے دل سخت ہوگئے، تمہارے جگر
پتھر ہو گئے، تمہارے دلوں پر تمہارے کانوں پر اور تمہاری
آنکھوں پر مہریں لگ گئیں، تم پر شیطان نے پوری طرح قابو
پا لیا اور تمہاری آنکھوں پر گمراہی کا پردہ ڈال دیا، تم کبھی
ہدایت نہیں پا سکتے۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو، تم کون سا عذر رسولؐ اللہ
کے سامنے پیش کرو گے جبکہ تم نے انؐ کے بھائی علیؑ
ابنِ ابی طالب، ان کی طیّب و طاہر ذرّیت اور اُن کی

☆ تکبر عزازیل را خوار کرد — بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد (سعدیؒ)

پاک و پاکیزہ عترت کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا"۔

حقیقتِ حال کا معلوم ہوتا تھا (گو ابھی فاطمہ بنت الحسینؑ کا
خطبہ جاری تھا) کہ ہر طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں
اور مجمع میں سے لوگوں نے بآوازِ بلند کہا:

"اے پاک و طیّب و طاہر کی صاحب زادی! اپنے
خطبہ کو روک لیجئے کیونکہ آپ نے ہمارے دلوں میں رنج و
غم کی آگ بھڑکا دی، ہماری گردنیں شرم سے جھک گئیں اور
ہمارے قلب و جگر جلنے لگے"۔

چند ساعت پہلے تک بازارِ کوفہ کے لوگ خوشیاں منا رہے تھے
کیونکہ وہ حقیقتِ حال سے ناواقف اور حکومتی پروپیگنڈے کے شکار
تھے حقائق سامنے آئے تو وہی لوگ جو اب تک خوشیاں منا رہے تھے
آہ و زاری کرنے لگے۔ جب جناب فاطمہ بنت الحسینؑ خطبہ دے رہی
تھیں اُس وقت جنابِ زینبؑ کی نظروں میں وہ منظر گھوم رہا ہوگا
جب اسی کوفہ میں حضرت علیؑ خلیفۂ وقت تھے اور وہ خلیفہ کی دخترکی
حیثیت سے نہایت ممتاز مرتبہ پر فائز تھیں۔ کوفہ کی خواتین بھی ان کی
ایک جھلک دیکھنے کی متمنّی رہتی تھیں۔ صرف بیس برس میں زمانہ ایسا بدل
گیا تھا کہ وہ قیدی کی صورت میں بازار میں کھڑی تھیں۔ یقیناً انہوں
نے بہت سوچا ہوگا، غور فرمایا ہوگا تبھی تو انھوں نے فاطمہ بنت الحسینؑ
کے خطبہ کے ختم ہونے کے بعد اپنے خطبہ کا آغاز کیا۔

کوفہ میں جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

الحمد للّٰہ والصّلوٰۃ علیٰ ابی محمّدٍ وآلہِ الطّیّبین الاخیار...... اودٰی عَلَیٰ اِرَم.

(حمد و سپاس اللہ کے لئے اور درود و سلام میرے جدِّ بزرگوار محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پاک اور نیک اہلِ بیتؑ پر!)[1]

کوفے والو! عذر و فریب کے پجاریو! رو رہے ہو؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ رکیں۔ ہمیشہ فریاد کرتے رہو، مکّاری کے پتلو!

تم تو اس عورت کی طرح سے ہو، جو محنت سے سوت کاتتی تھی اور پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔[2] قسمیں کھا کر پلٹنے والو! کذب و غرور کے مجسّمو! لونڈیوں کی سی خوشامد اور دشمنوں کی طرح عیب جوئی کرتے ہو؟ ظالمو! تم گھورے پر اُگی ہوئی ہریالی اور جھوٹی ملمع کاری کی طرح بےقیمت ہو۔ کس بری طرح تم نے اپنی عاقبت خراب کی ہے!

---

(۱) درود و سلام بھیجنا نہایت اہم ہے لہٰذا آیت اور ترجمہ پیشِ خدمت ہے:
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶)
(اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے)

(۲) وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثاً تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ (سورۃ النحل ۱۶، آیت ۹۲)
(اور تم اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے پوری طاقت سے سوت کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ بناتے ہو)

اب غضبِ الٰہی کے لئے تیّار رہو۔ تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔ کیوں ستم گرو! آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو۔ ہاں روؤ! تم رونے کے مستحق ہو، ہنسنے سے زیادہ روؤ! تم نے اپنے دامن پر وہ دھبّہ لگایا ہے جو دھوئے نہیں چھٹے گا۔

کوفے والو! یہ اندھیر کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور سردارِ جوانانِ جنت کو قتل کر ڈالا؟

بےحمیّتو! تم نے اسے خاک و خون میں ملایا ہے جو تمہارے لئے کعبۂ امن، جائے پناہ، صلح و آشتی کی آماجگاہ اور منارۂ ہدایت تھا۔

غور تو کرو! تم نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ کس بری طرح تم رحمتِ الٰہی سے دور ہو گئے ہو، تمہارے مساعی عبث، کوشش بے سود۔

ذلّت و خواری کے خریدارو! تم عذاب میں ضرور گرفتار ہو گے۔

وائے ہو تم پر! حق فروشو! تم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کلیجے کو پاش پاش اور ان کے حرم کو بے پردہ کیا۔

کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا خون بہایا اور کن کن طریقوں سے سرکار ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی

حرمت ضائع کی!

کوفیو! تم نے وہ کام کیا جس کے سبب کچھ دور نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں، تمہاری بداعمالی نے پوری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

سنو! تم حیران ہو کہ اس واقعہ سے آسمان نے خون برسایا؟

ٹھہرو! عذابِ آخرت اس سے زیادہ تمہیں رسوا کرے گا اور وہ بھی اس وقت جب کہ نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار!

ہاں! یقین مانو، یہ مہلت کے لمحے تمہارے بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتے، وقت قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو قریب سمجھو! اور داورِ محشر، گنہگاروں کی گھات میں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا:

کوفیو! تم اس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تم سے کہیں گے کہ تم آخری امّت ہو، تم نے میری اولاد، میرے اہلِ بیتؑ میری حرمت اور میرے ناموس کے ساتھ یہ کیا کیا؟ میرے گھرانے کی کچھ ہستیوں کو امیر بنایا اور بعض کو قتل کر ڈالا!

کیوں! میرے احسانات رشد و ہدایت کی یہی جزا تھی؟[1]
یہی صلہ تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں اور میری آل و اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا؟
اہلِ کوفہ! اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو شدادؔ[2] اور اس کی امت کا ہوا!"۔

فوجِ یزید نے قافلۂ حسینیؑ کو بدترین مصائب میں مبتلا رکھا ہوا تھا اس کے باوجود علیؑ کی بیٹی نبیؐ آخرالزماںؐ کی نواسی نے اس عالم میں بھی ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ دنیا آج تک حیران ہے۔

بازارِ کوفہ میں جنابِ اُمِّ کلثوم کا خطبہ[3]

"اے اہلِ کوفہ! خدا تمہاری مدد نہ کرے کیونکہ تم لوگوں نے حسینؑ کی مدد نہیں کی بلکہ تم نے انہیں قتل کیا ان کے اموال کو غارت اور ان کی خواتین کو اسیر کیا۔ نابود اور برباد ہو جاؤ، وائے ہو تم پر کیسے خون بہائے تم نے؟ کیسی خواتین کو اسیر کیا؟ کیسے بچّوں کو برہنہ کیا؟ کیسے اموال کو غارت کیا؟ تم نے رسولؐ کے بعد بہترین مرد کو مارا ہے۔ تمہارے دلوں سے رحم ختم ہو چکا ہے۔ بے شک حزب اللہ کامیاب اور حزب الشیطان نقصان میں ہے"۔

(۱) قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)
(کہہ دو اے نبیؐ! میں بجز اپنے اہلِ بیتؑ کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا)
(۲) مصر کے ظالم بادشاہ شدّاد نے بے شمار دولت جمع کی، محل بنایا، دنیا میں جنت بنانے کی کوشش کی، خدائی کا دعویٰ کیا لیکن آخر کار فنا ہوگیا۔
(۳) الملہوف ۶۵، سوگنامۂ آلِ محمدؐ ۴۱۵، ماخوذ از "انقلابِ کربلا میں خواتین کا کردار" راضیہ بتول نجفی۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

قَتَلْتُمْ اَخِیْ صَبْراً فَوَیْل لاُمّکم
ستجزون ناراً حرھا متوقد

(تم لوگوں نے میرے بھائی کو لاچار مارا ہے۔ وائے ہو تمھاری ماؤں پر۔
جہنّم کی آگ جلد ہی تمھیں لپیٹ میں لے لے گی)

''تم نے وہ خون بہائے جنھیں خدا، قرآن اور رسولؐ نے حرام قرار دیا تھا''۔

امّ کلثوم کے مرثیہ سے لوگ اس طرح رونے لگے کہ اس سے قبل کسی مرد یا عورت نے ایسا گریہ نہ کیا تھا۔ خواتین شدتِ غم سے اپنے ناخنوں سے چہرے نوچتیں اور مرد اپنی ڈاڑھی نوچتے تھے۔ ہر طرف واویلا کی صدائیں بلند ہوئیں۔

بازارِ کوفہ میں سیّد السجّادؑ کا خطبہ

جب حضرتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا اور حضرت امِّ کلثوم کوفیوں کو خطاب کر چکیں تو سیّد السجاد بیمارِ کربلا امام زین العابدینؑ تماشائیوں کی جانب متوجّہ ہوئے۔ کمسن اور مصیبت زدہ امامؑ نے تھرّائی ہوئی آواز میں پہلے تو خدا کی حمد و ثناء کی، ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجے، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ سنو! میں علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند

ہوں جس کو ذلیل و رسوا کیا گیا، جس کا سامان لوٹ لیا گیا، جس کے اہل و عیال قید کر دیئے گئے جو ساحلِ فرات پر ذبح کر دیا گیا اور جن کی لاش زمینِ کربلا پر بے گور و کفن چھوڑ دی گئی۔ اے لوگو! خدا کا واسطہ، ذرا سوچو! تم لوگوں نے میرے پدرِ بزرگوار کو خط لکھ کر بلایا پھر تم ہی لوگوں نے ان کو دھوکہ دیا۔ تم ہی نے ان کے ساتھ عہد و پیان کیا اور ان کی بیعت کی، پھر تم لوگوں نے ہی ان کو شہید کر دیا۔

تمہارا برا ہو! تم نے اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان خود مہیّا کر لیا۔ تمہارے نفوس کس قدر خبیث اور تمہارے دل کتنے بُرے ہیں، تم کن آنکھوں سے رسولؐ خدا کو دیکھو گے، جب وہ تم سے بازپُرس کریں گے اور کہیں گے کہ اے کوفیو! تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا اور میرے اہلِ حرم کو ذلیل کیا، تم سب میری اُمت سے خارج ہو''۔

آپؑ نے چند اشعار بھی پڑھے اور فرمایا:

''ہاں، تم سے صرف اس قدر خواہش ہے کہ نہ ہمیں فائدہ پہنچاؤ اور نہ نقصان''۔

امامؑ کی تقریر سن کر اہلِ کوفہ کے دل دہل گئے، ندامت و پشیمانی ان کا مقدر بن گئی، وہ انتہائی شرمندگی کی حالت میں سر جھکائے

گریہ و بکا کرنے لگے۔

عبیداللہ ابنِ زیادؓ[☆] گورنرِ کوفہ نے اہلِ کوفہ کو محصور کر رکھا تھا، کسی کو خبر نہیں تھی کہ کربلا میں کیا ہو رہا ہے اور کن لوگوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ کوفہ والوں کو تو یہ بتایا گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے حاکمِ وقت سے بغاوت کی تھی ان سے جنگ ہوئی اور وہ مارے گئے، اب ان کے اہل و عیال قیدی بنا کر لائے جا رہے ہیں۔ لیکن جب اہلِ کوفہ کو جنابِ فاطمہ بنت الحسینؑ، حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا، حضرتِ امّ کلثوم اور سیّدالسجّاد علی زین العابدینؑ کے خطبوں سے حقیقتِ حال کا پتہ چلا تو اب سب کفِ افسوس ملنے لگے اور گریہ و زاری کرنے لگے لیکن اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

لیکن اہلِ کوفہ یزید اور ابنِ زیاد سے اب بھی اس قدر خوف زدہ تھے کہ ان خطبات کو سننے کے بعد انہوں نے صرف آنسو بہائے اور خاموش رہے، فوری طور پر کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔ ہاں، ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں یزید کی موت کے بعد مکافاتِ عمل شروع ہوا۔

☆ عبیداللہ ابنِ زیاد پہلے صرف بصرہ کا گورنر تھا، یزید نے اسے کوفہ کی بھی گورنری بخش دی اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت لینے کا حکم دیا۔ آلِ رسولؐ نے بیعت سے انکار کیا کیونکہ یزید انتہائی بدکردار، ظالم اور دنیاپرست تھا، اسلامی اقدار کی اس کو قطعی پروا نہ تھی، عبیداللہ، زیاد کا بیٹا تھا اور زیاد سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ امیرِ شام امیرِ معاویہ نے اسے اپنے خاندان میں شامل کر لیا۔ جب خون میں خرابی ہو تو شرافت کہاں سے آئے:

گندم از گندم بروید ، جو ز جو

(گندم گندم سے ہی پیدا ہوتا ہے اور جو، جو سے)

یا یوں کہیے: آنچہ در دیگ بود، بہ چمچہ بر آید (چمچہ سے وہی چیز نکلتی ہے جو دیگ میں ہو)۔

اسیرانِ کربلا دربارِ ابنِ زیاد میں

کوفہ کے بازاروں میں خطبات دیئے جاتے رہے، قافلہ دربارِ عبیداللہ ابنِ زیاد کی طرف بڑھتا رہا آخر کار یہ لٹا ہوا قافلہ دربارِ ابنِ زیاد میں لایا گیا۔ دربار ہر طرح سے سجا ہوا تھا، حکومت اور علاقے کے اہلِ ثروت اور صاحبانِ اقتدار اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے اسیروں کی آمد کے منتظر تھے کہ سیّدالسجّادؑ اور مخدّراتِ عصمت و طہارت کو دربار میں لایا گیا۔[☆]

عبیداللہ ابنِ زیاد اسیروں کی طرف نہایت رعونت سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایوان کے آخری حصہ میں ایک پریشان حال لیکن پُروقار خاتون پر پڑی جو تمام تر پریشانیوں اور بدحالی کے باوجود پُرسکون بیٹھی ہوئی تھیں۔

عبیداللہ نے نہایت تلخ لہجہ میں دریافت کیا، یہ کون خاتون ہے؟ مجمع خاموش رہا۔ اس نے دوبارہ وہی سوال نہایت رعونت سے پوچھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اب عبیداللہ ابنِ زیاد اپنے آپے سے باہر ہوگیا اور مزید سختی سے کہا خاموش کیوں ہو! بتاتے کیوں نہیں! اہلِ بیتِ رسولؐ اب بھی خاموش ہیں لیکن ایک خاتون (جناب فضہ) نہایت متانت اور سکون سے گویا ہوئیں:

''یہ علیؑ کی بیٹی جناب زینب سلام اللہ علیہا ہیں''۔

زینب سلام اللہ علیہا کا نام سنتے ہی اس کے دل و دماغ کی ہیجانی

☆ ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۳۱۲۔ ارشاد، ص ۲۶۶ وغیرہ۔

کیفیت چہرے سے نمایاں ہونے لگی۔ کیوں نہ ہو! اسے معلوم تھا کہ یہ علیؑ کی بیٹی ہیں۔ پھر نہایت تلخ لہجہ میں کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی فَضَحَکُمْ وَ قَتَلَکُمْ وَکَذَّبَ اُحْدُ وَثَتَکُمْ

(خدا کا شکر! کہ اس نے تمہیں رسوا کیا، موت کے گھاٹ اتارا اور تمہارے ناپسندیدہ ارادوں کو بے نقاب کردیا)

یہ سنتا تھا کہ فاتحِ خیبر اور صاحبِ ذوالفقار کی بیٹی، نبیٔ آخرالزّماںؐ کی نواسی نے اپنے اقتدارشکن اور سلطنت فشار انداز سے یوں خطاب فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّم وَ طَهَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْهِیْرًا☆ اِنَّمَا یُفْتَضَحُ الفَاجِرُ وَ یُکَذَّبُ الْفَاسِقُ وَهُوَغَیْرُنَا.

(شکر ہے! اس معبود و یکتا کا جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ہمیں عزت بخشی اور ہمارے گھرانے کو کمالِ طہارت کا شرف عنایت فرمایا)

اس کے بعد جنابِ زینبؑ نے فرمایا:

"(ابنِ زیاد!) بے آبرو وہ ہوتا ہے جو سیاہ کار و بداطوار ہو، نیز جھوٹا وہ بنتا ہے جو آئین کی خلاف ورزی کرے، قانون کے پُرزے اُڑائے، یاد رکھ وہ ہم نہیں! کوئی اور ہوگا!"

تلوار کی باڑھ جیسے اس تیز جواب سے خدا کے دشمن، عبیداللہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چلبلے ناگ کی طرح کئی بل کھا کر اس نے بڑی گستاخی سے کہا:

☆ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا.
(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)
(اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہرگناہ کو دور رکھے اے اہلِ بیت! اور تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے)

کَیْفَ رَاَیْتَ صُنْعَ اللّٰهِ فِی اَهْلِ بَیْتِکَ وَاَخِیْکَ؟

(دیکھا! اللہ نے تمہارے کنبے کی کیا گت بنائی! اور تمہارے بھائی پر کیا حشر توڑا"؟)

بات اب حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اقدار و نظریات کی کھلی توہین! اس کے علاوہ ابنِ زیاد انتہائی رعونت کے ساتھ عقیلۂ بنی ہاشم کے طہارتِ نسب، تقدس مآب خاندان زینب سلام اللہ علیہا کے فخرِ کائنات، عزیز اور شہید بھائی کے بارے ہرزہ سرائی کر رہا تھا۔ نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والا گرچہ دکھاوے ہی کے لئے تھا، آلِ نبیؐ کی توہین کر رہا تھا، جانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کے تیور ایسے بدلے کہ "برق و آتش" کا آتش فشاں پہاڑ ابل پڑا، ارشاد فرمایا:

مَارَاَیْتُ اِلَّاخَیْرًا. هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوْا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ وَسَیَجْمَعُ اللّٰهُ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُمْ فَتَحَاجُّ وَتَخَاصَمُ، فَانْظُر لِمَنِ الْفَلْجُ یَوْمَئِذٍ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَابْنَ مَرْجَانَةَ.

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

"میں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھا۔ مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ وہ شہید ہوں۔ وہ لوگ نہایت بہادری سے اپنے مقتل کی طرف چلے گئے اور بہت جلد خدائے بزرگ و برتر تم کو مقامِ پُرسش پر کھڑا کرے گا اور وہ لوگ اس سے انصاف کے متدعی ہوں گے۔ جب آمنا سامنا ہوگا تب دیکھنا! مظلوم کی فریاد کیا رنگ لاتی ہے! اور خونِ ناحق کیا اثر دکھاتا ہے!"

''مرجانہ کے جائے! تیری ماں کی کوکھ اجڑے! وہ تیرا
سوگ منائے! سن! ہاں سن! داورِ محشر جس دن انصاف کرے
گا اس دن تجھے پتہ چلے گا کہ کون جیتا (کون ہارا)؟''

کربلا کی پاسبان اور حسینیتؑ کی نگہبان زینب سلام اللہ علیہا نے کوفہ کے ''فرماں روا'' کو ذلیل اور ناچیز کرنے میں جو دلیری دکھائی اور اسے نیچا دکھانے میں جس بے جگری سے کام لیا وہ شجاعت و شہامت کی تاریخ میں ایک انوکھی مثال ہے! یہ شیردل خاتون، علیؑ کی بیٹی اور نبیؐ کی نواسی کا ہی دل و جگر تھا کہ سخت نامساعد حالات میں بھی پُرسکون ہیں اور ظلم کا اسلامی اقدار کے تحت جواب دے رہی ہیں۔

حضرتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے جواب سے ابنِ زیاد ہکّا بکّا رہ گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ اب اس میں سکت نہیں رہی، غرور ٹوٹ گیا اور اس کی سیاست جواب دے گئی اور ریاست زلزلوں کی زد میں آ گئی۔

احساسِ کمتری کے بوجھ سے اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ بالآخر کھسیانا پن مٹانے کے لئے ظالم نے اپنی زبان کھولی تو اس عنوان سے:

لَقَدْ شَفَى اللّٰهُ قَلْبِي مِنْ طَاغِيَتِکَ الْحُسَيْنِ وَالْعُصَاةِ الْمَرَدَةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِکَ.

(تمہارے سرکش بھائی اور خاندان کے دوسرے باغی افراد کے قتل سے
خدا نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا)

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی نے چشمِ خوں بار سے

ماحول پر ایک نظر ڈالی، صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر کمالِ تمکنت سے ارشاد فرمایا:

**لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي وَاَبَرْتَ اَهْلِيْ وَقَطَعْتَ فَرْعِيْ وَاجْتَثَثْتَ اَصْلِيْ، فَاِذَا
فِي هٰذَا شِفَاؤُكَ فَلَقَدِ اشْتَفَيْتَ.**

(ابنِ زیاد! تو نے ہمارے بڑوں کو تہِ تیغ کیا۔ ہمارے عزیزوں میں سے کسی کو نہ
رہنے دیا۔ ہمارے سایہ دار درخت☆ کی شاخیں کاٹ دیں۔ ہمارے پھولے پھلے
درخت کو جڑ سے نکال ڈالا! اب اگر قلب و جگر کی آگ یوں ہی بجھتی ہے تو پھر
بجھنے کو تو سمجھ لے کہ ٹھنڈک پڑ گئی! (حقیقت روزِ حشر آشکار ہوگی۔ اس
وقت تم ہوگے اور آتشِ جہنم کے انگارے ہوں گے)

ابنِ زیاد نے رسول زادی صلواۃ اللہ علیہا کے یہ حقیقت شعار جملے سنے تو کہنے لگا:

''یہ تمہاری لفاظی اور شاعرانہ اندازِ سخن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا باپ بھی اسی طرح لفاظی اور شاعری کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا''۔

علیؑ کی بیٹی نے ابنِ زیاد کی گستاخانہ گفتگو سن کر غصہ میں فرمایا:

''کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ رسولؐ زادی پر اس طرح تہمت لگاتا ہے اور حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے بدکلامی پر تل گیا ہے۔ میں نے جو کچھ بیان کیا یہ شاعری نہیں بلکہ

☆ اس وقت جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کو بچپن کا خواب اور نانا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیر ضرور یاد آئی ہوگی۔ خواب کا تفصیلی ذکر مصنفِ ہٰذا کی کتاب ''نبیؐ کی نواسی'' میں تحریر ہے۔

ایک تلخ حقیقت ہے جو میرے دکھی دل کی آواز ہے۔ ہم
دنیا والوں کے عام شاعروں کی طرح بے معنی الفاظ استعمال
نہیں کرتے بلکہ ہماری ہر بات حقیقت کی ترجمان ہوتی ہے"۔

کربلا کی شیر دل خاتون نے اس خوف ناک فضا میں ابنِ زیاد
کی اسلام دشمنی سے پردہ اٹھایا اور اس ناپاک طینت شخص کو اس کے
ایوانِ اقتدار ہی میں رسوا کر دیا جس کا مشاہدہ وہاں بیٹھے ہوئے ان
سب و شتم شعار افراد نے کیا جو ابن زیاد کی دہلیز سلطنت پر اپنی پیشانی
رگڑ رگڑ کر اپنے احساسِ آدمیت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے اپنے ایوانِ اقتدار میں اسارت و
مظلومیت کی زنجیر میں جکڑے ہوئے اہلِ بیتؑ کے اسیروں پر نظر ڈالی
تو اس کی نگاہ بیمارِ کربلا امام زین العابدینؑ پر پڑی جو بیماری کے غلبہ
اور سفر کی صعوبتوں سے بے حال ہو چکے تھے۔ ابن زیاد نے سیدالسجادؑ کی
جانب اشارہ کر کے دریافت کیا:

ابنِ زیاد: تم کون ہو؟

امامؑ: میں علی بن حسینؑ ہوں۔

ابنِ زیاد: کیا خدا نے علی بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟

امامؑ نے جواب دیا:

"میرا ایک اور بھائی جس کا نام علی (حضرت علی اکبر)
تھا جو مجھ سے چھوٹا تھا جن کو تیرے ظالم لشکر نے شہید کر دیا
ہے۔ اس نوجوان کے خونِ ناحق کے متعلق قیامت کے دن
تم سے پوچھا جائے گا"۔

ابنِ زیاد امامؑ کا جواب سن کر غصہ میں آگیا اور بلند آواز سے
کہنے لگا: "میرے لشکر نے نہیں بلکہ خدا نے اسے قتل کیا ہے"۔

اس گستاخی پر امامؑ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے فرمایا:

"تُو نے غلط کہا ہے وہ تم ستمگروں کے ہاتھوں شہید ہوا
ہے۔ البتہ جب موت کے سائے کسی پر چھا جاتے ہیں تو اس
کی روح خدا کے حکم سے قبض ہوتی ہے جس کا اختیار خدا کے
سوا کسی کو حاصل نہیں"۔

اس کے بعد امامؑ نے قرآن مجید کی یہ آیات پڑھی:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.

(سورۃ الزمر ۳۹، آیت ۴۲)

(اللہ لیتا ہے جانوں کو ان کے مرنے کے وقت)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۴۵)

(اور کوئی ذی روح دنیا سے مر نہیں سکتا مگر اللہ کے حکم سے)

امام زین العابدینؑ کا منہ توڑ جواب سن کر ابنِ زیاد غصہ سے
کہنے لگا:

"تیری کیا مجال کہ میرے سامنے بات کرے۔ تجھے
میرے سامنے گستاخی کی جرأت کیسے ہوئی، تجھے میرے سامنے
اونچا بولنے کی سزا بھگتنی پڑے گی"۔

اس کے بعد اس شقی نے ایک جلاد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ
اس نوجوان کو لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔

سیّدہ زینبؑ ابنِ زیاد کی بربریت کا مشاہدہ کر رہی تھیں ، اس شقی کی بات سن کر علیؑ کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی ، ظالم و ستمگر حکمران کی پروا کئے بغیر امامؑ سے لپٹ کر ابنِ زیاد سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

"کیا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناحق خون میں اپنے ہاتھ رنگین کرنے سے تیرے دل کی تسکین نہیں ہوئی اب یہ ایک (بیمارِ کربلا) ہی ہمارے خاندان کی نشانی بچ گیا ہے۔ اس کی طرف بری آنکھ مت اٹھانا ورنہ تجھے میری لاش سے گزر کر جانا ہوگا اور جب تک میری جان میں جان ہے تُو زین العابدینؑ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا"۔

ابنِ زیاد نے رسول زادی کی بے مثال جرأت و شجاعت کے سامنے ہتھیار ڈال دیا اور جلاّد کو حکم دیا:

"اسے کچھ نہ کہو ورنہ زینب (صلوٰۃ اللہ علیہا) کے خون میں ہاتھ رنگین کرنے پڑیں گے جو ہمارے لئے دشوار ہے اور ہم اس کے سنگین نتائج برداشت نہیں کر سکیں گے"۔

اس کے بعد امام زین العابدینؑ نے ابنِ زیاد سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"اے پسرِ زیاد! کیا تُو مجھے قتل سے ڈراتا ہے ؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور راہِ خدا میں شہید ہونا ہماری فضیلت اور کرامت ہے"۔

ابنِ زیاد نے کہا: "اسے چھوڑ دو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ بیماری ہی اس کے لئے کافی ہے"۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے دربار برخواست کرتے ہوئے حکم دیا کہ اسیروں کو مسجدِ کوفہ کے پہلو میں جو قیدخانہ ہے اس میں لے جا کر بند کر دیا جائے۔

ذہن نشین رہے کہ اگر علیؑ کی بیٹی شجاعت و پائیداری کا ثبوت نہ دیتیں تو امام زین العابدینؑ شاید شہید کر دیئے جاتے۔ یہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا ہی کے عظیم کردار کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام باقی اور اسلام زندہ ہے۔ یہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا ہی کی جرأتِ کلام کا اثر ہے کہ آج امامت کا مقدّس سلسلہ بقائے عالم کا سبب بن چکا ہے۔ یہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا ہی کی عظمتِ سخن کی تاثیر ہے کہ دنیا میں کلمۂ توحید کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ یزیدی فوج نے تو اپنے طور پر اسلام اور خاندانِ نبوّت کو ختم کر دیا تھا:

ترویج دین اگرچہ بقتلِ حسینؑ شد
تکمیل آں بموی پریشانِ زینبؑ است

(دین کی ترویج اگرچہ حسینؑ کے قتل سے ہوئی لیکن اس کی تکمیل زینب صلوٰۃ اللہ علیہا پریشاں بالوں سے ہوئی)

قیدخانہ میں قیدیوں کی آمد

خلشِ غم میں بھی ہنس ہنس کے گزر کرتے ہیں
ہم ہیں وہ پھول جو کانٹوں میں بسر کرتے ہیں

حسبِ حکم ابنِ زیاد جب علیؑ کی بیٹیوں و نبیؐ کی نواسیوں اور دیگر اہلِ بیتؑ کو قیدخانہ کی طرف لایا گیا اس وقت شہر کی گلیاں اور کوچے

مردوں ، عورتوں اور بچّوں سے کچھا کچھ بھرے ہوئے تھے۔

اُس وقت جنابِ زینبؑ نے فرمایا:

''ہمارے پاس کوئی عربی عورت نہیں آئی سوائے اُمِّ ولد یا کنیز کے کیونکہ وہ بھی اُسی طرح قید ہو چکی ہیں جس طرح ہم قید ہوئے ہیں''۔☆

اشقیاء نے رسولؐ زادیوں کو ایسی کوٹھریوں میں بند کر دیا جہاں نہ تو روشنی تھی اور نہ ہی تازہ ہوا۔ شہر کی کچھ عورتوں نے سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو سیّدہ نے فرمایا:

''ہم اس وقت قیدی ہیں اور ہماری آزادی سلب ہو چکی ہے''۔

بنی اُمیّہ نے جو ستم اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ڈھائے اس کی مثال تاریخِ انسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رسولؐ زادیوں کو محبوس کرکے فتح و کامیابی کا جشن منانے والے آمروں کا وجود تاریخِ انسانیت کے پاکیزہ دامن پر بدنما داغ ہے اور انہی بدطینت لوگوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے اسلام کے مقدس نام کی عظمتوں کو پامال کیا۔ کاش یہ لوگ خود کو مسلمان کہہ کر عظمتِ اسلام کو داغدار نہ کرتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ابنِ زیاد کو اس کے بعد کبھی آرام نصیب نہیں

☆ ارشاد ص ۲۶۷ ، ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۳۱۵ ،مقتل الحسین جلد ۲ ص ۴۳ ، کامل ابنِ اثیر جلد ۳۔

ہوا ، کیونکہ کربلا کے قافلہ کی ترجمان حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا نے اسلامی فکر اور انسانی ضمیر کو کچھ اس طرح جگا دیا تھا کہ یہ بیداری ایک باقاعدہ تحریک بن گئی اور کوفہ سے لے کر شام تک تمام محلّوں میں پھیل گئی اور سارے شبستانوں کے چراغ گل ہوتے نظر آنے لگے۔ (یزید جلد داخلِ جہنّم ہوا)[1]۔ اس کے بیٹے معاویہ (ثانی) کو تخت پر بٹھایا گیا ، یہ ایک نیک دل انسان نکلا ، ''بنی امیّہ نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بڑا ظلم کیا۔ خلافت ولایت اور امامت ان کا حق تھا''۔ یہ کہتے ہوئے معاویہ نے اقتدار کو ٹھوکر مار دی اور گوشہ نشین ہوگیا[2]۔ نتیجتاً امارت آلِ ابی سفیان سے نکل کر آلِ مروان میں چلی گئی۔ وہی مروان جس کو ختمی مرتبتؐ نے شہر بدر کر دیا تھا اور جسے خلیفۂ اوّل اور دوم نے بھی مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی تھی خلیفۂ سوم نے طائف سے مدینہ بلالیا۔ مرون بن حکم آہستہ آہستہ خلیفۂ سوم پر حاوی ہوگیا اور عملاً خلیفہ بن بیٹھا۔

(۱) ''یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء کو جہنم رسید ہوا۔ یزید نے کُل تین برس چھ ماہ حکومت کی اور بے شمار مظالم کئے''۔ (''تاریخ الخلفاء''، علامہ جلاالدین عبدالرحمٰن ابنِ ابی بکرالسیوطی ، ص ۶۳۲)۔

(۲) ''یزید کے مرتے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت شام میں ہوگئی ، عبداللہ ابنِ زبیر حجاز اور یمن میں ، عبیداللہ ابنِ زیاد عراق میں خلیفہ بن بیٹھے۔ معاویہ بن یزید حلیم وسلیم الطبع جوانِ صالح تھا۔ وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور علیؑ اور اولادِ علیؑ کو مستحقِ خلافت جانتا تھا''۔ (''تاریخِ اسلام'' جلد ۱ ، ص ۳۷ ، ماخوذ از ''کربلا اور کربلا کے بعد''، ارتضٰی لوازپوری ، ص ۲۵۵ ، ۲۵۶)۔(باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ پر)

جنابِ زینبؑ کے خطبوں کا اثر

یہ عقیلۂ بنی ہاشم ہی کی تقریروں اور مکالموں کا اثر تھا جو صحابیٔ رسولؐ عبداللہ ابنِ عفیف ازدی بھرے مجمع میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اسی طرح خاندانِ غامد اور بنو وائلہ کے بعض جیالے بھی حکومت کی مخالفت میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور پھر یہ بات اتنی عام ہوئی کہ گھر گھر بغاوت

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ کا بقیہ) معاویہ بن یزید حکومت سے متنفر تھا اور اس کو قبول کرنے پر ہرگز تیار نہ تھا مگر بنی اُمیہ اور ان کے حاشیہ نشینوں نے اس کو تخت پر بٹھا دیا اس نے لوگوں کے سامنے ایک طویل تقریر کی جس میں اپنے دادا معاویہ اور باپ یزید کے ظلم و استبداد کے واقعات بیان کئے اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل و مناقب پر روشنی ڈالی اور مصائبِ امام حسینؑ کا تذکرہ کیا۔ اس کی تقریر کتبِ تواریخ میں محفوظ ہے۔ ہم اس تقریر کو ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مصری کی کتاب سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

''لوگو! میرے دادا امیر معاویہ نے اس شخص (حضرت علیؑ) سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے خلافت کا مستحق تھا۔ تم جانتے ہو انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھری قبر میں ساتھ لے گئے۔ ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔ اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا لیکن موت نے زیادہ دیر تک اس کا موقع نہ دیا اور بالآخر وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا''۔

اس کے بعد وہ اتنا رویا کہ دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

''ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان کا انجام بد ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا، حرمِ مطہر میں قتل و خوں ریزی کی، کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا۔ میں اس بارِ خلافت کا متحمل نہیں ہو سکتا، مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کر لو''۔

تقریر ختم کر کے محل میں گوشہ نشین ہو گیا، اس کے اعزاء اس کے دشمن ہو گئے اور اس کو زہر دے دیا۔

ے پرچم لہرائے جانے لگے اور جگہ جگہ شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بڑے بڑے فوجی افسر استعفیٰ دینے لگے۔ شہر کے معزز باشندوں نے کوفہ چھوڑنا شروع کر دیا اور جلد ہی زندان کے دروازے ٹوٹنے شروع ہو گئے۔

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ''الامامت والسّیاست'' کے مؤلف ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں:

''عبیداللہ ابنِ زیاد کو جلد ہی یہ برا وقت بھی دیکھنا پڑا کہ بصرہ جیسے شہر میں جہاں وہ گورنر تھا جب وہ تقریر کرنے کھڑا ہوتا تھا تو عوام اس پر اینٹوں اور پتھروں کا مینہ برساتے تھے۔ اسی کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں!''

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

(عمل کی مکافات سے غافل نہ ہو، گیہوں سے گیہوں اور جَو سے جَو اُگتا ہے)

اہلِ حرم کو قیدخانہ میں ڈالنے کے بعد ابنِ زیاد نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے سرِ مقدس کو نوکِ سناں پر بازاروں میں پھرایا جائے اس حکم کی تعمیل کے بعد سرِ اقدس کو دارالامارہ کے دروازہ پر نصب کیا گیا۔[1]

حاکمِ شام کا حکم نامہ پہنچنے کے بعد ابنِ زیاد نے زجر بن قیس کی نگرانی میں شہداء کے سرہائے مقدس روانہ کئے اس کے ہمراہ پچاس آدمی کر دیئے[2]۔

(۱) تاریخ کامل جلد ۳، ص ۲۹۸۔ ارشاد، ص ۲۶۷، بحار ص ۲۶۴۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۹۸۔
(۲) ناسخ التواریخ جلد ۶، ص ۳۲۶۔

محضر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں ایک کثیر جماعت کے ساتھ اہلِ حرم کو روانہ کیا۔☆

کربلا سے کوفہ تک کے واقعات آپ نے پڑھ لئے، آپ پہ کیا بیتی اور آپ نے کیا محسوس کیا آپ بہتر جانتے ہیں۔ کربلا سے کوفہ تک کا سفر کتنے دنوں میں طے ہوا، کاروانِ حسینیؑ کتنے دنوں کوفہ میں رکھا گیا اور کب دمشق کے لئے روانہ کیا گیا یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن قدیم مورخین کے بیان کے مطابق اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ماہِ صفر کی ۲۰ر تاریخ ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے کربلا سے گزارا گیا۔ اسی روز سیدانیوں نے شہدائے کربلا کی صفِ ماتم بچھائی گویا ۲۰ر صفر ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو شہدائے کربلا کا پہلا چہلم منایا گیا۔

مورخین کے بیان کے مطابق صحابیٔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اس دن کربلا میں موجود تھے، یہی سیّدالشہداء کے پہلے زائر شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ہمراہ ان کے دوست ''عطا'' بھی موجود تھے۔ ان بزرگوں نے عابدِ بیمار علی زین العابدینؑ کو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُرسہ دیا اور کافی دیر تک حادثۂ کربلا پر گریہ کرتے رہے۔

اگرچہ بعض روایتوں میں یہ بھی منقول ہے کہ قافلۂ حسینیؑ پہلے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا اور پھر دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا سے دوبارہ گزارا گیا اور ۲۰ر صفر ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو شہداء

☆ طبری جلد ۶، ص ۲۶۴۔

کا پہلا چہلم کربلا میں منایا گیا لیکن اُس دور میں رسل و رسائل (TRANSPORT) کی سہولتوں اور فاصلوں کو ذہن میں رکھا جائے تو یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ موجودہ شاہراہ کے ذریعہ کربلا سے کوفہ کا فاصلہ ۷۵ کلومیٹر ہے اور کوفہ سے دمشق کا فاصلہ ۹۶۸ کلومیٹر ہے۔ یزیدی لشکر کی نگرانی میں قافلۂ حسینیؑ کو کوفہ سے دمشق نہایت طولانی راستہ سے لے جایا گیا تھا لہٰذا یہ کہنا کہ قافلۂ حسینیؑ کو کربلا سے کوفہ اور دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا سے گزارا گیا اور ۲۰ر صفر ۶۱ھ کو کربلا پہنچا، بعید از امکان ہے۔ ہاں، یہ کہا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ حسینیؑ کربلا سے کوفہ اور پھر کوفہ سے کربلا ہوتا ہوا دمشق اور پھر وہاں سے مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے یہ قافلہ ۲۰ر صفر ۶۲ھ مطابق ۶۸۱ء کو دوبارہ کربلا سے گزارا گیا۔ اسی دن شہدائے کربلا کی پہلی برسی منائی گئی ہوگی۔ والعلم عنداللہ۔ سفر کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قافلۂ حسینیؑ کربلا سے کوفہ اور پھر کوفہ سے کربلا ہوتا ہوا دمشق روانہ کر دیا گیا۔ قافلہ مختلف منازل سے گزرتا ہوا دمشق پہنچا۔ یہاں صرف خاص خاص منازل کا ذکر کیا جا رہا ہے جو حضرات قافلہ کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں ان سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں جگہ جگہ کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، ان کا مطالعہ فرمائیں۔

قافلۂ حسینیؑ کی کوفہ سے دمشق روانگی

منزلِ کربلا

اہلِ بیتؑ کا قافلہ کوفہ سے دمشق کے لئے براہِ کربلا روانہ کیا گیا اس طرح کربلا ہی اس قافلہ کی پہلی منزل متصوّر ہوگی۔ مورّخین کے بیان کے مطابق جس روز یہ قافلہ کربلا پہنچا ماہِ صفر ۶۱ھ کی ۲۰ تاریخ تھی ، اسی روز سیّدانیوں نے شہدائے کربلا کی صفِ ماتم بچھائی۔ گویا امامِ مظلوم کا پہلا چہلم کربلا میں بپا ہوا جیسا کہ پہلے ہی تحریر کیا گیا کہ اس موقع پر صحابیِٔ رسولؐ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ وہاں موجود تھے۔ یہی سیّدالشہداء کے سب سے پہلے زائر ہیں۔ ان کے ہمراہ ان کے دوست ''عطا'' بھی تھے۔ انہوں نے عابدؑ بیمار کو نواسۂ رسولؐ اور دوسرے شہداء کا پُرسہ دیا اور کافی دیر تک گریہ کیا (حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا ذکر پچھلے صفحہ میں آچکا ہے۔ یہاں صرف ربط برقرار رکھنے کے لئے مختصر ذکر کیا گیا ہے)۔

منزلِ تکریت

ملا حسین واعظ کاشفی کے بیان کے مطابق تکریت☆ کی آبادی کوفہ سے تقریباً نوّے میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ حسینی قافلہ یزیدی لشکر کی نگرانی میں کربلا سے روانہ ہو کر تکریت کے قریب پہنچا تو شمر نے حاکمِ شہر کو اپنی آمد کی خبر کرائی اور قاصد کے ذریعہ حکم بھیجا کہ شہر کو سجایا جائے اور لشکرِ یزید کا شایانِ شان استقبال کیا جائے۔ یہاں کے حاکم نے شمر کی خواہش کے مطابق شہر کو آراستہ کیا، یزیدی افواج کے استقبال کی تیاریاں کیں اور خود نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہو کر یزیدی فوج کا استقبال کرنے شہر کے باہر پہنچا۔

جب معزّزین شہر نے شہداء کے سروں کو دیکھا تو ان کی عجیب کیفیت ہو گئی، انھوں نے سروں کی بابت دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ ایک خارجی نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی جسے عبیداللہ ابن زیاد نے قتل کر دیا۔ یہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کے سر ہیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص جو کوفہ سے آرہا تھا وہاں پہنچ گیا، اس نے لوگوں کو واقعۂ کربلا کی تفصیل بتائی اور حقیقت حال کا انکشاف اس طرح کیا:

> ''اے لوگو! میں ابھی ابھی کوفہ سے آیا ہوں میں نے اس سر کو کوفہ میں دیکھا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں بلکہ یہ حسینؑ بن علیؑ ابنِ ابی طالب کا سرِ اقدس ہے''۔

☆ صدر صدام کا بھی آبائی وطن ہے جو تقریباً تین ہفتے تک امریکی و برطانوی فوج سے مقابلہ کرنے کے بعد ۸/ اپریل ۲۰۰۳ء کو شکست کھانے کے بعد روپوش ہو گیا تھا لیکن بعد میں امریکی فوج نے گرفتار کر لیا وہ عراق کو برباد کر گیا، اس کے بعد عراق پر امریکہ نے قبضہ کر لیا لیکن گوریلا جنگ اب بھی جاری ہے۔ واضح رہے تکریت بغداد اور موصل کے درمیان ایک شہر ہے جو بغداد سے ۳۰ فرسخ یا ۹۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

اہلِ تکریت کو جب اصل واقعات کا پتہ چلا تو وہ سب یزیدی افواج کے سخت مخالف ہوگئے اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنے لگے۔ اس شہر میں عیسائیوں کی بھی بہت بڑی آبادی تھی۔ وہ سب بھی اُنھیں لوگوں کے ساتھ ہوگئے اور ایک دل اور ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس قومِ شقی کا کبھی ساتھ نہ دیں گے جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو قتل کریں اور خوشی منائیں۔ لشکرِ یزید نے صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر تکریت شہر میں نہ اترنے کا فیصلہ کیا اور ''دارِ عروہ'' میں پڑاؤ ڈال دیا جو شہر تکریت سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھا۔

منزلِ وادیٔ نخلہ

ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ اسیروں کا قافلہ دارِ عروہ سے چل کر کحیل☆ سے گزرتا ہوا موصل پہنچا تھا۔ مقتل ابومخنف اور ناسخ التواریخ کے بیان کے مطابق یہ قافلہ دارِ عروہ سے گزر کر وادیٔ نخلہ پہنچا۔ ایک دن اور ایک رات وہاں قیام کیا اور دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔

منزلِ ''لیا''

شہر ''لیا'' اس دور میں نہایت حسین و خوب صورت شہر تھا۔ قافلہ یہاں پہنچا لیکن اس شہر کے باشندوں نے شہداء کے سروں کو دیکھ کر یزیدیوں پر لعنت کی اور یزیدیوں کو مخاطب کر کے کہا:

☆ کحیل دجلہ کے کنارے بہت بڑا شہر تھا لیکن اب اس شہر کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔
(حوالہ: معجم البلدان، جلد ۴، ص ۴۳۹)

"اے اولادِ رسولؐ کو شہید کرنے والو! ہمارے شہر
سے نکل جاؤ ہم تم کو اپنے شہر میں ہرگز نہیں ٹھہرنے
دیں گے"۔

لشکرِ یزید نے جوابی کاروائی میں ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے افراد قتل کر دیئے اور لوٹ مار کر کے شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ قافلہ مقامِ "کحیل" ہوتا ہوا موصل پہنچا۔

منزلِ موصل

موصل عراق کا ایک تاریخی شہر ہے اور عراق کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ ملا حسین واعظ کاشفی کے بیان کے مطابق یہ شہر کوفہ سے تقریباً سوا تین سو میل فاصلے پر واقع ہے۔ جس وقت یہ لوگ شہرِ موصل میں پہنچے تو شمر بن ذی الجوشن ملعون نے حاکمِ شہر کو لکھ بھیجا کہ ہم لوگ فتح و نصرت کے ساتھ مع سرہائے مقتولین (شہدائے کربلا) تمھارے شہر میں عنقریب داخل ہونے والے ہیں اس لئے تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اپنے شہر کے تمام کوچہ و بازار مع قصرِ امارت بزیب و زینت آراستہ و پیراستہ کرو۔ جب شمر ملعون کا ہدایت نامہ پہنچا تو امیر موصل نے اپنے شہر کے تمام لوگوں کو بلا کر مضمونِ خط سنا دیا اور ان سے یہ دریافت کیا کہ اگر ان لوگوں کو ہم اس حالت میں شہر میں بلا کر اپنا مہمان کریں تو تم لوگ کسی فتنہ و فساد کے باعث تو نہ ہو گے اور یہ امر تم لوگوں کے رنج و ملال کی وجہ تو نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم

کبھی اس امر پر رضامند نہ ہوں گے۔ چنانچہ حاکمِ موصل نے شمر کو لکھ بھیجا کہ اس شہر میں بہت سے اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کی آبادی ہے اس لئے ہم تم کو اور تمہارے لشکر کو اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ لوگ بگڑ جائیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ تم لوگ شہر سے کچھ فاصلہ پر اترو۔ رسد و رسانی سے متعلق تمام اشیاء فراہم کر کے بھیج دی جائیں گی۔

کچھ روایتوں کے مطابق موصل شہر کے لوگوں کو اصل معاملہ کا پتہ چلا تو چالیس ہزار سوار جن کا تعلق بنی اوس اور بنی خزرج سے تھا اکٹھے ہو گئے اور باہم قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ان ظالم لشکریوں کو قتل کر دیں گے اور سرِ مبارک حسینؑ ان سے چھین کر خود دفن کریں گے تاکہ ہمارا یہ عمل تاقیامِ قیامت باعثِ افتخار رہے (مقتلِ ابی مخنف)۔ بہرحال لشکر والے شہر میں داخل نہ ہوئے۔ شہر موصل سے متعلق یہ واقعہ خاص طور پر مشہور ہے کہ شمر بن ذی الجوشن نے قیام بیرون موصل کے وقت جناب امام حسینؑ کا سرِمبارک نیزہ سے اتارا تو ایک قطرہ خون ٹپک کر ایک پتھر پر گر پڑا تھا، اس پتھر سے ہر سال روزِ عاشورا خونِ تازہ نکلتا تھا جس کی زیارت کے لئے قرب و جوار سے ہزاروں انسان جوق در جوق آتے تھے اور امامؑ مظلوم کا یہ اعجاز دیکھ کر دولتِ حق سے مالا مال ہو کر پلٹتے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے اس مقام کا نام "شہید نقطہ" رکھ دیا تھا۔ یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔ حتیٰ کہ مروان بن حکم نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اُس پتھر کو ضائع کروا دیا۔ اس وقت سے آج تک اس کا پتہ نہیں چلا☆۔

☆ ناسخ التواریخ، ص ۳۳۳۔

منزلِ سنجار

موصل کے صحرا سے نکل کر یہ قافلہ بلد اور تلِ عفر سے ہوتا ہوا سنجار پہنچا۔ علّامہ ہاشم السّعدی نے "جغرافیۃ العراق" میں لکھا ہے کہ سنجار یزیدی گروہ کی آبادی تھی۔ اس شہر کے نزدیک وادیٔ قھاً مشیخان واقع تھی جسے یزیدی مقدّس متصوّر کرتے تھے۔ یہاں یزیدیوں نے عیش و آرام اور شراب نوشی کی۔

منزلِ نصیبین

قافلۂ شمر جبل سنجار سے ہوتا ہوا نصیبین پہنچ کر قیام پذیر ہوا اور سرہائے شہداء اور اسیروں کی تشہیر کی۔ جناب زینبؑ یہ دیکھ کر بے تاب ہوگئیں اور فرمایا:

"ان لوگوں نے اپنی طاقت کی بناء پر عوام میں ہماری تشہیر کی حالانکہ ہمارے جد وہ تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ تم لوگ اپنے خدا اور رسولؐ سے منکر ہو گئے جیسے کوئی پیغمبر تمہارے پاس آیا ہی نہ ہو۔ خداوند عَرشُ العلیٰ تم لوگوں پر لعنت کرے۔ تم بدترین امت ہو۔ تم جہنم کی آگ میں چیختے چلاتے رہو گے"۔

منزلِ دعوات

منزلِ نصیبین سے چل کر قافلہ عین الورد ہوتے ہوئے شہر دعوات پہنچا۔ شمر ملعون نے یہاں کے حاکم کو بھی ویسا ہی اطلاع نامہ بھیجا جیسا

پہلے موصل اور تکریت کے حاکموں کو لکھ بھیجا تھا۔ حاکمِ دعوات نے نہایت سرگرمی سے اس حکم نامہ کی تعمیل کی اور تمام شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور نہایت تزک و احتشام سے شمر ملعون اور اُس کی فوج کا استقبال کیا، شہر میں لایا اور وسط شہر میں اس مقام پر جسے "رحبہ" کہتے تھے، ایک بلند نیزہ پر امام حسینؑ کے سرِ مبارک کو نصب کر دیا اور ایک آدمی کو اس کے نیچے چلا چلا کر کہنے کے لئے بٹھا دیا:

هٰذَا رَاسُ الْخَارِجِیْ عَلٰی یَزِیْدَ ابْنِ مُعَاوِیَه.

(یہ اس شخص کا سر ہے جس نے یزید ابنِ معاویہ پر خروج کیا)

الغرض وہ گمراہ صبح سے شام تک برابر چلا چلا کر یہی کہتا رہا۔

دیگر شہدائے کربلا کے سر بھی وہیں رکھے گئے تھے۔ سروں کو دیکھ کر کچھ لوگ خوش تھے اور کثرت غمگین تھی۔ لشکرِ یزید نے شراب و کباب اور رقص و سرور کی محفل گرم کی اور رات گزار کر دوسرے روز وہاں سے روانہ ہو گئے۔

منزلِ رقہ

دعوات سے چل کر یہ قافلہ رقہ☆ پہنچا۔ دعوات اور رقہ کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۶۵ میل تھا۔ رقہ کو ابیضا بھی کہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس شہر کی حکمرانی دو بھائی مشترکہ طور پر کیا کرتے تھے جن میں سے ایک کا نام سلیمان ابنِ یوسف تھا۔ شمر کے حکم پر یہ دونوں بھائی اپنے اپنے سپاہیوں کو لے کر استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ شہر

☆ رقہ فرات کے کنارے واقع ایک شہر ہے۔

کے دروازہ پر دونوں بھائیوں میں تکرار ہوگئی جو باہمی لڑائی کا باعث بنی۔ اس لڑائی میں سلیمان نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اس خانہ جنگی کے باعث یزیدی لشکر تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا اور وہاں قیام نہیں کیا۔

منزلِ جوسق

رقہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر ایک یہودیوں کی بستی تھی جس کا نام جوسق تھا اور یہاں کے حاکم کا نام عزیز تھا، شمر نے اہلِ بیتؑ کے لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ رقہ کے بعد اس بستی میں قیام کیا۔

منزلِ بشر

جوسق سے روانہ ہو کر لشکرِ یزید قافلہ کے ہمراہ بشر پہنچا۔ بشر اور جوسق کا درمیانی فاصلہ تقریباً بائیس میل تھا، یہ ایک چھوٹی سی آبادی تھی یہاں یزیدیوں نے قیام کیا اور اس کے بعد یہاں سے روانہ ہوئے۔

منزلِ حلب

حلب شام کی شمالی سرحد پر ایک بڑا شہر تھا یہ شہر اب تک آباد چلا آ رہا ہے۔ لشکرِ یزید منزلِ بشر سے گزر کر حلب پہنچا۔ یہاں کی شامی آبادی نے ان لوگوں کا خیرمقدم کیا اور لشکرِ یزید حلب میں قیام کے بعد کوہِ جوشن سے گزر کر سرمین سے ہوتا ہوا قنسرین پہنچا۔

منزلِ قنسرین

یہ قافلہ حلب سے روانہ ہو کر شہر قنسرین☆ پہنچا۔ یہ شہر حلب سے ایک منزل پر واقع ہے، جو نہایت پُررونق اور گنجان آباد جگہ تھی۔ جب اس لشکر کی آمد کی خبر قنسرین میں پہنچی تو ان لوگوں نے وہاں کے دروازے بند کر لئے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر قاتلانِ امام مظلومؑ پر لعن طعن کرنے لگے اور ان پر پتھر پھینکنے لگے اور کہنے لگے:

"اے قاتلانِ آلِ رسولؐ! اگر تم ہم سب کی گردنیں تلوار کے نیچے رکھ دوگے تو بھی ہم تم میں سے کسی ایک کو بھی اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے"۔

چنانچہ قنسرین میں یزیدی لشکر داخل نہ ہو سکا۔ آخر کار اس نے شہر کے باہر ہی قیام کیا۔

منزلِ معرۃ النعمان

قنسرین سے روانہ ہو کر لشکر معرۃ النعمان پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے یزیدیوں کا نہایت پُرتپاک استقبال کیا اور ان کو عیش و آرام کا سامان مہیا کیا۔

منزلِ شیزر

معرۃ النعمان سے روانہ ہو کر یہ لشکر منزلِ شیزر پہنچا۔ وہاں کے ایک ضعیف العمر شخص نے بتایا:

☆ قنسرین شام کا ایک شہر ہے جہاں حضرت صالحؑ کی قبر ہے۔

"یہ لشکر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و فرزند علیؑ و بتولؑ کا سر لے کر آرہا ہے ان بدبختوں کو ہرگز شہر میں داخل نہ ہونے دو۔ اگر ایسا ہوا تو ہم سب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد صلواۃ اللہ علیہ اجمعین کی اطاعت کی پیروی سے خارج اور بدبختی و عذاب کا شکار ہوجائیں گے"۔

یہ خبر سن کر تمام لوگوں نے مل کر عہد کر لیا کہ اس لشکر کو اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یزیدی لشکریوں کو معلوم ہوا تو فیصلہ کیا کہ اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔

منزلِ قلعۂ کفرطاب

شیزر سے فرار ہو کر لشکرِ یزید منزلِ کفرطاب پہنچا۔ یہ قلعہ شیزر سے کچھ ہی فاصلہ پر تھا۔ قلعہ میں رہنے والوں کو جب حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے بھی قلعہ کے دروازے بند کر دیئے۔ خولی لعین نے آگے بڑھ کر ان لوگوں سے پوچھا:

"کیا تم لوگ ہماری حکومت میں نہیں ہو؟ ہمیں پانی پلواؤ"۔

یہ سن کر سب نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! تم لوگوں کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے کیونکہ تم لوگوں نے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کیا تھا"۔

منزلِ سیبور

جب یہ قافلہ سیبور کے قریب پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے چند اشعار کہے جن کا ترجمہ ہے:

"کافر سردار ہو گئے اور کمینے امتِ مسلمہ کے ہیرو بن گئے پھر بھی عرب اس پر خوش ہیں۔ اے لوگو! گردشِ زمانہ نے ایک ایسی چیز پیش کی ہے جس سے بڑھ کر کوئی عجیب شے نہیں کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو برہنہ سر اونٹوں کے پالانوں پر نظر آ رہی ہے اور آلِ مروان بہترین اونٹوں پر سوار ہے"۔

اس شہر میں ایک بوڑھا شخص تھا جس نے حضرت امام حسینؑ کو دیکھا تھا۔ اس نے سیبور کے بوڑھوں اور جوانوں کو جمع کیا اور کہا:

"یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا سر ہے اور ان ملعونوں نے انہیں قتل کر دیا ہے"۔

یہ سن کر لوگوں نے لشکر یزید سے کہا:

"خدا کی قسم! ہم تم کو اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے"۔

یہ سن کر شہر کے کچھ بوڑھوں نے کہا:

"خداوندِ تعالیٰ فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سر بہت سے شہروں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے۔ کسی نے

کوئی اعتراض نہیں کیا ہے لہٰذا تم بھی اسے گزرنے کی اجازت دے دو"۔

شہر کے جوان مردوں نے کہا: "خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہ ہوگا"۔

اس کے بعد تلواریں لے کر ایک پل پر جمع ہوگئے۔ یہ دیکھ کر خولی لعین نے ان سے کہا:

"ہم سے دور بھاگ جاؤ"۔

یہ سن کر ان جوانوں نے خولی اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ سخت جنگ ہوئی اور لشکر کے کافی افراد ہلاک ہوئے اور ان جوانوں میں سے بھی کچھ افراد شہید ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت اُمِّ کلثوم نے پوچھا:

"اس شہر کا نام کیا ہے؟" لوگوں نے کہا:

"سیبور"۔

آپ نے فرمایا:

"خدا ان کے پانی کو شیریں رکھے، ان کی مشکلیں حل کرے اور ظالموں کے ظلم سے بچا کے رکھے"۔

منزلِ حماۃ

اس شہر کے باشندوں نے بھی یزیدی لشکر کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا انہوں نے بھی شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے۔ یزیدی لشکر شہر کے باہر قیام کر کے آگے بڑھ گیا۔

منزلِ حمص

حمص ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کے حاکم خالد ابنِ شیط نے شہر کے باہر لشکر کا خیر مقدم کیا لیکن شہر میں داخل ہوتے ہی شہر والوں نے لشکر پر پتھراؤ کر دیا، لشکر کو بھاگنا پڑا۔ اہلِ حمص کا نعرہ:

یَا قَوْمِ لَا کُفْرَ بَعْدَ اِیْمَانٍ وَلَا ضَلَالَ بَعْدَ ھُدیٰ۔

(اے لوگو! ایمان کے بعد کافر اور ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہونا)

یہ دیکھ کر لشکر والے وہاں سے نکل آئے اور حاکمِ شہر خالد ابنِ شیط کے محل میں آ کر پناہ لی۔ شہر کے لوگوں نے باہم قسمیں کھا کر عہد کیا کہ ہم خولی لعین کو قتل کر کے سرِ حسینؑ اس سے چھین لیں گے تا کہ قیامت کے روز ہم اپنے اس عمل پر فخر کر سکیں۔ جب لشکرِ یزید کو خبر پہنچی تو وہاں سے ہراساں و پریشان بھاگ نکلا۔

منزلِ دیرِ راہب

یہ مقام شام کے عیسائیوں کی قدیم عبادت گاہ تھا جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے یہاں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا پادری رہا کرتا تھا۔ "روضۃ الاحباب"، "ضیاء العین فی مقتل الحسین" کی روایت ہے کہ دیرِ راہب میں پہنچ کر لشکرِ یزید نے گرجے کے قریب ایک چشمہ کے کنارے قیام کیا اور امام حسینؑ کے سرِ مبارک کو ایک صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لشکر عیش و نشاط اور شراب نوشی میں مشغول ہو گیا۔ ناگاہ لشکر والوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے دیوار پر یہ شعر لکھا:

أَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا
فَشَفَاعَةَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

(کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے روزِ قیامت ان کے جدّ (بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت کی امید رکھتی ہے)

لشکر والے یہ شعر پڑھ کر گھبرا گئے، بعضوں نے اس ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش بھی کی مگر وہ غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہاتھ پھر نمودار ہوا اور دوسرا شعر لکھا:

فَلَا وَاللّٰہِ لَیْسَ لَھُمْ شَفِیْعٌ
وَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِی الْعَذَابِ

(خدا کی قسم! ان لوگوں (قاتلانِ حسینؑ) کی شفاعت کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا اور وہ لوگ روزِ قیامت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

یہ دیکھ کر لشکر والے خوف زدہ ہوئے۔ نصف شب کے بعد دیر کے راہب نے تسبیح و تقدیس کی آواز سنی اس نے گرجے کی کھڑکی کھول کر دیکھا تو وہ حیران و پریشان رہ گیا، اس نے دیکھا کہ گرجے کی دیوار کے پاس ایک صندوق رکھا ہے جس سے ایک نور ساطع ہے جس کی روشنی آسمان تک پہنچ رہی ہے فرشتگانِ خدا جوق درجوق آسمان سے اُتر رہے ہیں اور اس صندوق کے قریب آ کر کہتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَاعَبْدِاللّٰہِ

راہب پر گریہ طاری ہوگیا۔ اس نے باقی رات بےچینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی وہ لشکر والوں کے پاس گیا اور دریافت کر کے لشکر کے سردار خولی کے پاس پہنچا۔ راہب اور خولی کے مابین اس طرح

سے گفتگو ہوئی:

راہب : اس صندوق میں کیا ہے؟

خولی : اس میں ایک خارجی (معاذ اللہ!) کا سر ہے جس نے عراق میں خروج کیا تھا۔ عبید اللہ ابنِ زیاد نے اسے قتل کرا دیا۔

راہب : اس کا نام کیا ہے؟

خولی : حسینؑ ابن علیؑ ابنِ ابی طالب۔

راہب : اس کی ماں کا نام کیا ہے؟

خولی : فاطمہ بنتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

راہب : کون محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمہارا پیغمبر ہے؟

خولی : ہاں وہی۔

راہب : خدا تم کو تباہ و برباد کرے۔ ہمارے علماء نے کتنا سچ کہا ہے کہ جب کوئی شخص (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل کیا جائے گا تو آسمان سے خون برسے گا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی نبیؑ یا کسی نبیؑ کا وصی شہید کیا جاتا ہے۔

راہب نے سرِ حسینؑ کو صندوق سے نکالنا چاہا لیکن خولی نے منع کر دیا۔ آخر راہب نے خولی کو اس کی منشاء کے مطابق کئی ہزار درہم دے کر سرِ حسینؑ کو کچھ دیر کے لئے حاصل کیا۔ راہب نے سر کو بوسہ دیا اور کہا: "اے اَبَاعَبْدِاللّٰہ! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے ولی ہیں اور آپ کا دین سچا ہے۔ میں دینِ اسلام قبول کرتا ہوں۔ آپ اپنے نانا کے سامنے گواہی دیجئے گا کہ میں نے ان کا کلمہ پڑھا اور پھر اس نے کہا:

اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًاالرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

اس کے بعد راہب نے سرِحسینؑ کو خولی کے حوالے کر دیا اور گرجے کی سکونت ترک کر کے ایسا غائب ہوا کہ پھر کسی کو نظر نہ آیا۔

منزلِ بعلبک

اس شہر کے حاکم نے لشکر یزید کا پُرجوش استقبال کیا۔ شہر کو آراستہ کیا گیا اور اہلِ شہر نے انہیں خوش آمدید کہا۔ شہر میں ہر طرف چہل پہل تھی لوگ شاداں و فرحاں تھے۔ یہاں اہلِ بیت رسولؐ کی تشہیر کی گئی۔
اس وقت بعلبک لبنان میں ایک شہر ہے جہاں حزب اللہ کی اکثریت ہے۔

منزلِ حران

یہ شہر دمشق سے ایک منزل پہلے اور بعلبک سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ امیرمعاویہ ابن ابی سفیان کے انتقال کے وقت یزید اسی شہر حران میں سیر و شکار اور عیش و نشاط میں محو تھا اور باپ کی وفات کے تین دن بعد دمشق پہنچا تھا۔ روضۃ الاحباب کے بیان کے مطابق جب یزیدی لشکر حران میں مقیم ہوا تو یحیٰؑ نامی ایک شخص اور ایک دوسرے شخص نے سرہائے شہداء کی بابت دریافت کیا۔ جب یحیٰؑ کو معلوم ہوا کہ یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور ان کے اصحاب کے سر ہیں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد صلواۃ اللہ علیہ اجمعین پر درود و سلام بھیجنے لگا اور یزیدیوں پر لعنت کرنے لگا۔ لشکرِ یزید نے اس

کو قتل کر دیا۔ اس کی لاش شہر حران کے دروازے کے قریب دفن کی گئی۔ اس وقت سے اب تک اس کا مزار یحیٰؑ شہید کے نام سے مشہور چلا آ رہا ہے۔

آخری منزلِ دمشق

دمشق اُس زمانہ میں دارالخلافہ تھا اور آج بھی شام کا دارالخلافہ ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں امیرِشام معاویہ ابن ابی سفیان نے اُنتالیس سال سے زیادہ حکومت کی اور اسی شہر میں دفن ہوئے لیکن آج ان کی قبر کا پتہ تک نہیں اور نہ کوئی نام لیوا ہے۔ اسے کہتے ہیں قدرت کی کرشمہ سازی (تفصیل مصنفِ ہٰذا کی تصنیف ''حدیثِ عشق'' میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

دمشق میں قافلہ کے آمد کی تفصیل

مصیبت زدوں کا یہ قافلہ ماہِ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں وارد ہوا تھا۔ یزید نے حکم دیا کہ انہیں بابُ الساعات میں دروازۂ شہر پر روکے رکھیں لیکن قافلہ بوجوہ باب الساعات کے بجائے بابِ ثوبا سے شہر میں داخل ہوا جب شہر کو زینت و آرائش کے ساتھ سجایا جا چکا۔
بازار سجایا گیا، دکانوں کو آراستہ کیا گیا۔ مرد، عورتیں اور بچے زرق و برق لباس پہن کر تماشا دیکھنے نکلے یا نکالے گئے پھر اہلِ بیتِ رسولؐ کے لٹے ہوئے قافلہ کو شہر میں داخل کیا گیا۔
یکایک شور و غل کی آوز سنائی دی، تمام لوگ ادھر متوجہ ہوئے تو

الم ناک منظر دیکھا۔ لشکر کے آگے آگے شمر بن ذی الجوشن ہے ، ہاتھ میں نیزہ ہے۔ اس کے پیچھے نیزوں پر ۷۱/۷۲ سر بلند ہیں۔ دیکھئے یہ شہدائے کربلا کے سر ہیں ، ان میں کچھ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزیزوں کے اور کچھ ان کے رفقاء کے سر ہیں اور سب سے آگے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسہ حضرت امام حسینؑ کا سر ہے جو کسی حال میں جھکا نہیں ، کٹ کر بھی نیزہ پر بلند ہوا اور دنیا میں آج بھی نہایت بلند مقام رکھتا ہے۔ یہ وہی امام حسینؑ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا:

حسینٌ منّی وانا من الحسینؑ، الحسنؑ والحسینؑ سیّد شَبابِ اھلِ الجنّۃ۔

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اور حسنؑ وحسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

اک فقر ہے شبیری ، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلماں ہے ، سرمایۂ شبیری
(اقبالؒ)

شمر فخریہ انداز میں اکڑتا ہوا ، گردن اکڑاتا ہوا ، کاندھے اچکاتا ہوا چل رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے:

اَنَا صَاحِبُ الرُّمْحِ الطُّوِیْلِ. اَنَا قَاتِلُ ذِی الدِّیْنَ الاَصِیْلِ اَنَا قَتَلْتُ ابْنَ سَیِّدِ الوَصِیِّیْنَ وَاَتَیْتُ بِرَاْسِهٖ اِلیٰ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ.

(میں لمبے نیزہ کا مالک ہوں۔ میں وارث دینِ حقیقی کا قاتل ہوں ، میں نے ہی

سیّد الوصیّین (حضرت علیؑ) کے فرزند کو قتل کیا اور ان کا سر امیرالمومنین (یزید) کے پاس لایا ہوں)☆

شمر جیسا ظالم خود تسلیم کرتا ہے کہ امام حسینؑ وارث دینِ حقیقی ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے:

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

شمر کے پیچھے دیگر شہدائے کربلا کے سر ہیں۔ ترتیب کچھ یوں ہے: قشم جعفی کے نیزہ پر حضرت عباسِ علمدار کا سر بلند ہے۔ سنان بن انس کے نیزہ پر عون بن عبداللہ بن جعفر طیّار کا سر ہے۔ اس کے بعد دیگر شہدائے کربلا کے سر مختلف قاتلینِ شہدائے کربلا کے نیزوں پر بلند ہیں۔ تمام قاتلین شہداء کے سر نیزوں پر بلند کئے چل رہے ہیں ، دنیا میں اپنے ظلم کی تشہیر اور ظالم حکومت سے انعام کی امید کر رہے ہیں اور عقبیٰ کو بھولے ہوئے ہیں۔

حضرتِ امامِ حسینؑ کا نیزہ پر بلند سر معجزاتی طور پر آواز دیتا ہے

حضرت امام حسینؑ کے کٹے ہوئے سر کا نیزہ پر چڑھ کر بول پڑنا شہداء کے زندہ ہونے کی واضح اور ناقابلِ تردید دلیل ہے۔

ابنِ عساکر حضرت منہال بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ! جب

☆ سوچتا ہوں کہ اسی قوم کے وارث ہم ہیں
جس نے اولادِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا
(شورش کاشمیری)

حضرت امام حسینؑ کے سر کو نیزہ کے اوپر چڑھا کر گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا تو میں دمشق میں تھا، میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ سرِ مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا.

(سورۃ الکہف ۱۸، آیت ۹)

(کہ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اصحابِ کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے)

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سرِ مبارک کو قوتِ گویائی بخشی اور اس نے بزبانِ فصیح کہا:

اَعْجَبَ مِنْ اَصْحٰبِ الْكَهْفِ قَتْلِي وَ حَمْلِي.

(اصحابِ کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لئے پھرنا زیادہ عجیب ہے) ☆

بلاشبہ حضرت امام حسینؑ کا شہید کیا جانا اور آپؑ کے سر کو نیزہ پر بلند کر کے پھرایا جانا اصحابِ کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے کیونکہ اصحابِ کہف جن لوگوں کے خوف سے گھر بار، عزیز و اقارب، ساز و سامان وغیرہ چھوڑ کر نکلے اور غار میں جا چھپے وہ کافر تھے لیکن حضرت امام حسینؑ اور آپ کے خاندان و مجاہدین پر ظلم وستم کرنے والے ایمان اور اسلام کے دعوے دار تھے۔ اصحابِ کہف ولی اللہ تھے۔ اصحابِ کہف سالہا سال کی نیند کے بعد (تقریباً تین سو نو سال) اٹھے اور بولے لیکن وہ زندہ تھے جبکہ امامِ عالی مقام کے سرِ انور کا جسم سے جدا ہونے کے تقریباً ایک ماہ بعد نیزہ کی نوک پر بولنا یقیناً اصحابِ کہف

☆ "سر الشہادتین": شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۹۸۔ "نورالابصار": ۱۳۹۔ "شرح الصدور"، ص ۸۸ (اقتباس از فلسفۂ شہادتِ امام حسینؑ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، ص ۶۰۔۶۱

کے واقعہ سے عجیب تر ہے۔ یہ معجزہ یقیناً قدرتِ خدا کا ایک کرشمہ ہے۔

نیزوں پر بلند سروں کے صف کے پیچھے کمزور اور لاغر اونٹوں کی قطار ہے جن پر اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیبیاں اور دیگر خواتین سوار ہیں جو سب کی سب خستہ حال اور ناتواں ہیں لیکن تمام تر مصائب کے باوجود مطمئن اور پُرسکون ہیں، کیوں نہ ہوں! ان میں کوئی شہید کی ماں ہے تو کوئی شہید کی بہن اور کچھ شہیدوں کی بیوائیں ہیں۔ یہ وہ محترم ہستیاں ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ نہایت مطمئن ہیں کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ حالات نہایت ہی تکلیف دہ اور کرب ناک ہیں لیکن چہرے سب کے منوّر اور مطمئن ہیں، کیوں نہ ہوں! نفسِ مُطمئِنّہ کے حامل ہیں۔

قافلہ بازارِ دمشق سے گزرتا ہوا مسجد جامع کے دروازہ پر رکا۔ شمر نے عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس جگہ کھڑا کیا جہاں قیدی کھڑے کئے جاتے تھے۔

ایک شخص اسیروں میں ایک بچی کے پاس آیا اور پوچھا:

"مِنْ اَيِّ السَّبَايَا اَنْتُمْ؟"

(تم کون سے اسیروں میں سے ہو؟)

اس بچّی نے فرمایا:

"نَحْنُ سَبَايَا اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمْ"۔

(ہم اسیرانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں)

دوسرا بوڑھا آدمی ان قیدیوں کے پاس آ کر ان پر سب وشتم کرنے لگا اور کہا:

"شکر ہے خدا کا کہ اس نے تمہارے لوگوں کو قتل کیا تمہیں تباہ و برباد کیا اور فتنہ و فساد کی جڑ کا خاتمہ کیا"۔

علی امام زین العابدینؑ نے بوڑھے کے کلمات بد سُن کر دریافت کیا:

"یَا شَیْخُ اَقَرَاْتَ الْقُرْآنَ ؟"

(اے شیخ! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے ؟")

شیخ نے بڑے فخر سے کہا:

"قرآن ! قرآن ! ہاں میں نے قرآن پڑھا ہے"۔

امامؑ نے فرمایا:

"کیا یہ آیت تیری نظر سے گزری ہے؟

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى.

(سورۃ الشوریٰ ۴۲ ، آیت ۲۳)

(کہہ دو اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بجز اپنے اہلِ بیتؑ کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا)"

بوڑھے نے جواب دیا:

"بے شک یہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ کے بارے میں ہے"۔

اس پر امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ نَحْنُ الْقُرْبٰى فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ"

(تو یقین کر کہ وہ ذی القربیٰ ہم ہی ہیں۔ ہماری شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے)

پھر آپؑ نے فرمایا:

"اے شیخ! تُو نے یہ آیت بھی یقیناً پڑھی ہوگی:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ .(سورۃ الروم ۳۰ ، آیت ۳۸)

(اے محمدؐ! ذوی القربیٰ کو ان کا حق ادا کر دو)"

اس نے کہا:

"ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے"۔

آپ نے فرمایا:

"تُو نے یہ آیت بھی پڑھی ہوگی جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى.

(سورۃ الانفال ۸ ، آیت ۴۱)

(اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو مالِ غنیمت ملے ، اس کا پانچواں حصہ اللہ ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذوی القربیٰ کا ہے)"

اس شخص نے کہا:

"میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے"۔

علی زین العابدین ابن الحسینؑ نے فرمایا:

"وہ ذوالقربیٰ بھی ہم ہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خمس کے حق میں شریک قرار دیا ہے"۔

اس کے بعد فرمایا:

"کیا تُو نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے؟"

شامی نے کہا:

"جی ہاں! میں نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے"۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

(سورۃ الاحزاب ۳۳ ، آیت ۳۳)

(اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپا کی اے اہلِ بیتؑ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے)

حضرت علی زین العابدینؑ نے فرمایا:

''وہ اہلِ بیتؑ جن کی طہارت پر خدائے تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے، ہم ہی ہیں''۔

شیخ بولا:

''تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ کیا تم اہلِ بیتؑ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے ہو؟''

امامؑ نے فرمایا:

'' وَحَقِّ وَجَدِّنَا رَسُولُ اللّٰہِ اِنَّا لَنَحْنُ هُمْ مِنْ غَيْرِ شَكٍّ''۔

(حق اور ہمارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم، ہم بلا شک وہی ہیں)

کلماتِ امامؑ کا سننا تھا کہ مردِ ضعیف اپنے جسارت آمیز سوال پر نادم ہو کر امامؑ سے معافی مانگنے لگا اور سر سے عمامہ پھینک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور تین مرتبہ کہا:

''خدایا! میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ خدایا! میں تیرے سامنے دشمنانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قاتلانِ اہلِ بیتؑ سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ تُو میری توبہ قبول فرما''۔

خبر یزید کو پہنچنا تو تھی ہی، خبر پہنچی، یزید نے اس مردِ ضعیف کو قتل کرا دیا۔

بعض تاریخی حوالوں (تاریخِ قفطی) سے پتہ چلتا ہے کہ جب اسیرانِ اہلِ بیتِ حرم کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا اس وقت یزید اپنے محل کے بالائی حصہ سے قافلہ کی آمد دیکھ رہا تھا، یزید اس وقت شراب کے نشہ میں چور تھا اور اسی بدمستی کے عالم میں اشعار پڑھ رہا تھا جس کا ترجمہ ہے:

''جب ظاہر ہوئے یہ اونٹ اور آفتاب جیرون کے ٹیلوں پر تو فراق کا کوّا بولنے لگا (کائیں کائیں کرنے لگا)، میں نے کہا تو چیخے یا چپ رہے میں نے اپنے قرض خواہ (احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرض چکا لئے''۔

اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لٹے ہوئے قافلہ کو دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ اس کے بعد قصرِ خضراء کے دروازہ پر ٹھہرایا گیا۔ یہ وہی شان دار قصر تھا جسے امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان نے لاکھوں درہم سے بنوایا تھا اور جس کی تعمیر پر صحابیٔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوذر غفاریؓ نے شدید اعتراض کیا اور کہا:

''یہ قصر اگر تم نے اپنے صرف سے تعمیر کرایا ہے تو اسراف ہے اور قرآن نے اسراف کو حرام قرار دیا ہے اور اگر بیت المال سے تعمیر کیا ہے تو خیانت ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا ہے''۔

انہیں اعتراضات کی بناء پر حاکمِ شام نے انہیں ربذہ کے بے آب و گیاہ میدان میں جلا وطن کر دیا تھا جہاں وہ انتہائی غربت اور بے کسی کے

عالم میں رحلت فرما گئے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل ''تاریخِ اسلام'' (حصہ دوم) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہی وہ تاریخی قصر تھا جہاں یزید نے دربارِ عام کیا تھا اور دربار کو خصوصیت سے آراستہ کیا گیا تھا اور امراء شام کو مدعو کیا گیا تھا تاکہ سب لوگ حکومت وقت کی شان و شوکت دیکھ سکیں اور اس کے رعب و دبدبہ سے مرعوب ہوسکیں۔ دربار میں کیا کچھ ہوا ملاحظہ فرمایئے۔

قافلۂ حسینیؑ کی قصرِ یزید میں آمد

یزید کا سجا ہوا دربار ہے، امراء سلطنت اور سفراء حکومت مرصّع کرسیوں پر براجمان ہیں۔ عمائدینِ شہر اور فوجی افسران ادھر ادھر جلوہ گر ہیں۔ یزید فتح کی خوشی میں مخمور اور شراب کے نشہ میں چُور تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قصر کے دروازہ پر کھڑے، طوق و رسن میں گرفتار حکم شاہی کے منتظر ہیں۔

مروان بن الحکم☆ بھی یزید کے پاس تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب قافلہ دربارِ یزید میں داخل ہوا تو مروان نے شمر سے پوچھا:

''تم نے حسینؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ کیا کیا؟''

☆ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم اور اس کی اولاد کو مدینہ بدر کر دیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں یہ داخلِ مدینہ نہ ہو سکے لیکن خلیفۂ سوم نے اپنے دور میں مدینہ میں داخل ہونے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ امر خلافت بھی مروان کے سپرد کر دیا اور پھر وہی مروان بن حکم حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا۔ تفصیل زیرِ تصنیف ''تاریخِ اسلام'' (حصۂ دوم) 'خلفائے راشدینؓ' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس نے کہا:

''حسینؑ اپنے خاندان کے اٹھارہ بنی ہاشم کے جوانوں اور پچاس سے کچھ زیادہ اپنے اصحاب سمیت ہم سے جنگ کرنے آئے تھے، ہم نے ان سب مردوں کو قتل کر دیا ہے اور ان مردوں کے سر اور تمام قیدی ان اونٹوں پر موجود ہیں''۔

یہ سن کر مروان نے اپنے کاندھوں کو اچکایا اور امام حسینؑ کے سر کی طرف نظر کر کے بولا:

''تمہارے چہرے کی ٹھنڈک اور تمہارے رخساروں کی سرخی کیسی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ میرا دل حسینؑ کے خون سے ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خون بہا کر میں نے اپنا قرض چکا لیا ہے''۔(۱)

سب سے پہلے شمر نے سرِ حسینؑ کو نوکِ نیزہ سے اتار کر طشت طلاء میں رکھا اور یزید کے سامنے پیش کیا۔ روایات شاہد ہیں کہ جب سرِ حسینؑ یزید کے سامنے رکھا گیا تو کچھ دیر وہ سر کی جانب دیکھتا رہا، اس کے ہاتھ میں خیزران (بیت) کی چھڑی تھی جسے وہ سرِ مبارک پر مارتا جاتا تھا اور بڑے فخر و ناز سے یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا:(۲)

---

(۱) مقتل ابی مخنف، ص ۱۳۶۔

(۲) یہ اشعار مندرجۂ ذیل کتب میں موجود ہیں: الوقائع والحوادث، ج ۵، ص ۴۷۔ البدایہ والنہایہ، ص ۹۲، ۱۹۷۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۷۱، ۳۰۰۔ مقاتل الطالبین، ص ۱۲۰۔

لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَهِدُوْا ۔۔۔ جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَلْ
لَاَهَلُّوْا وَاسْتَهَلُّوْا فَرَحاً ۔۔۔ ثُمَّ قَالُوا یَا یَزِیْدُ لَا تَشَلْ
لَسْتُ مِنْ عُتْبَةَ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ ۔۔۔ مِنْ بَنِیْ اَحْمَدَ مَا کَانَ فَعَلْ
لَعِبَتْ بَنُوْهَاشِمُ بِالْمُلْکِ فَلَا ۔۔۔ خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

(کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ قبیلۂ "خزرج" (دینِ محمدؐ کے انصار) کی نیزہ لگنے سے آہ و زاری دیکھتے تو خوشی سے اچھل پڑتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ کاش میرے بزرگ جو جنگِ بدر میں مارے گئے زندہ ہوتے تو مجھے داد دیتے، میں نے بنی ہاشم کے سرداروں کو قتل کیا۔ میں (اولادِ) عتبہ میں سے نہیں، اگر میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اولاد سے اس کے فعل کا انتقام نہ لیا ہو، بنی ہاشم نے تو اقتدار کا کھیل کھیلا تھا ورنہ، نہ تو کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی)☆

اس کے بعد یزید اپنے لشکریوں سے مخاطب ہوا:

"تم نے حسینؑ کے ساتھ کیا کیا"؟

زجر بن قیس حاضر ہوتا ہے اور یزید کو فتح و کامرانی کا مژدہ ان لفظوں میں سناتا ہے:

"امیرالمومنین (یزید) مبارک ہو خدا نے آپ کو کامیاب و کامران کیا، حسین ابنِ علیؑ اپنے اٹھارہ اعزّاء اور ساٹھ اصحاب کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں آئے، پہلے ہم نے ان پر زور دیا کہ وہ تیری بیعت کر لیں لیکن جب انہوں نے تیری بیعت سے انکار کیا تو ہم نے ان سے جنگ کی اور ان سب کو قتل کر دیا۔ یہ ان کے سر ہیں جبکہ ان کے جسم

☆ الاتحاف، ص ۱۸۔ السیدة الزینبؑ، ص ۱۷، ۱۸۔ بطیدة الرسولؐ، ص ۵۸۔

خاکِ کربلا میں پڑے ہیں۔ ان پر سورج چمک رہا ہے، ہوائیں ان پر ریت اُڑا رہی ہیں، عقاب ان پر منڈلا رہے ہیں اور اہلِ بیتؑ کو قید کر لیا"۔

یزید کا سرِ حسینؑ سے بے ادبی کرنا

یزید نے سرِ حسینؑ کو اٹھایا اور شراب کا جام منہ سے لگا کر کہتا ہے:

"ہم نے ان لوگوں کے سر جدا کر دیئے ہیں جو ہمارے لئے بہت اہم تھے حالانکہ وہ بہت پاک و پاکیزہ اور حلیم و بردبار تھے اور خدا کے نزدیک ہمارے مقابلہ میں اپنے مقام و منزلت کے لحاظ سے بہت محترم تھے اور ہر حیثیت سے ہم سے زیادہ صاحبِ عزّت و افتخار تھے"۔

پھر یزید نے اپنی چھڑی سے دندانِ مبارک کے ساتھ بے ادبی کرنا شروع کی اور ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے:

"کیا بے پناہ حسن ہے جو دانتوں سے ٹپک رہا ہے اور طشت جگمگا رہا ہے۔ دونوں رخسار دو گلاب کے پھول معلوم ہوتے ہیں۔ اے حسینؑ! تم نے ضرب کو کیسا پایا؟"

طبقاتِ ابنِ سعد اور مروج الذہب کا بیان ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ کے صحابی ابو برزہ اسلمیؓ دربار میں موجود تھے، انہوں نے یزید کو ٹوکا، خواص الائمہ میں ابنِ ابی الدّنیا نے حسن بصری کے حوالہ سے نقل

کیا ہے کہ یزید نے لب دندانِ مبارک پر چھڑی ماری تو ابو برزہ اسلمیؓ یہ دیکھ کر چیخ اٹھے اور پکار کر کہا:

"یزید چھڑی ہٹالے۔ خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان ہونٹوں کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔ اے یزید! تُو اُس عالم میں خدا کا سامنا کرے گا کہ تیرا سفارشی ابنِ زیاد ہوگا اور حسینؑ کے شفیع محمد رسولؐ اللہ"۔

ان کلمات کا سننا تھا کہ یزید نے جھنجھلا کر صحابیٔ رسولؐ کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا، ابوبرزہ اسلمیؓ یہ کہتے ہوئے دربار سے باہر نکلے، "خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے"۔ دربار میں سناٹا چھا گیا، امراء و سفراء متحیر ہو گئے۔ بعض تواریخ میں یہ روایت سمرہ ابنِ جندبؓ (صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ ان کے احتجاج پر یزید نے کہا:

"اے سمرہؓ! اگر مجھے تمہارے صحابی ہونے کا پاس نہ ہوتا تو تمہیں ضرور قتل کرا دیتا"۔

سمرہؓ نے کہا:

"سبحان اللہ! صحابی کا یہ پاس اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ سلوک؟"

ابنِ خلکان کا بیان ہے کہ دربارِ یزید میں صحابیٔ رسولؐ حضرت خالد بن غفرانؓ نے سرِ حسینؑ کو دیکھ کر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی کے بیٹے!

تمہارا سرخون میں غلطاں ہے، ان لوگوں نے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ انہوں نے تم کو پیاس کے عالم میں قتل کر ڈالا اور تمہارے قتل میں تاویل و تنزیل کا بھی انتظار نہ کیا۔ تم کو ہی نہیں تمہارے ساتھ تکبیر و تہلیل کو بھی ذبح کر ڈالا"۔

دربارِ یزید میں رومی سفیر کے تاثرات

سلطنتِ روم کا ایک سفیر مستقل دمشق میں رہتا تھا، وہ بھی دربارِ یزید میں موجود تھا، اس کی بابت ہشام بن محمد نے اپنے باپ سے اس نے عبید بن عمر سے بیان کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ قیصر روم کا سفیر دربار میں موجود تھا، اس نے سرِ حسینؑ اور اہلِ بیتؑ کو دیکھ کر یزید سے دریافت کیا:

سفیر: یہ کس کا سر ہے؟
یزید: حسینؑ کا۔
سفیر: کون حسینؑ؟
یزید: علیؑ کا بیٹا۔
سفیر: اس کی ماں کون ہے؟
یزید: فاطمہؑ۔
سفیر: کون فاطمہؑ؟
یزید: محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی۔
سفیر: محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تمہارا نبی؟

یزید: ہاں۔

سفیر: اس کا باپ علیؑ کون تھا؟

یزید :ابی طالب کا بیٹا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چچازاد۔

سفیر :تم کیسے مسلمان ہو؟ ہلاکت ہے تمہارے لئے اور تمہارے دین کے لئے ، مسیحؑ کے حق کی قسم تم لوگ نالائق ہو۔ ہمارے جزیرۂ جافر کے گرجے میں اس گدھے کا کُھر رکھا ہے جس پر ہمارے سردار حضرت مسیحؑ سوار ہوئے تھے ، ہم لوگ ہرسال اطرافِ دنیا سے اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اس پر نذریں مانتے ہیں اور اس کی تعظیم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تم لوگ خانہ کعبہ کی کرتے ہو۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو۔

پھر وہ دربار سے باہر چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔

انتہائی حیرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہلِ بیتِ رسول صلواۃ اللہ علیہ اجمعین پر درود بھیجنے☆ کا حکم دیتا ہے لیکن نشہ میں چور اقتدارِ دنیا میں مخمور اسلامی اقدار سے بے خبر یزید کے دربار میں اسلامی روایات کی دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں اور درباری خوش ہو رہے ہیں۔ دربارِ یزید میں یہ سب ہوتا رہا اور حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا حیرت سے دیکھتی رہیں ، صبر کا پیانہ لبریز ہوا تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا گویا ہوئیں اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں کو آشکار کرتے

☆ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.
(سورۃ الاحزاب ۳۳ ، آیت ۵۶)
(اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے)

ہوئے یزید کی بربریّت کو بے نقاب کردیا۔ آپ کے خطبہ سے اس شراب خوار اور ظالم کا سر جھک گیا اور دربار میں بیٹھنے والوں کے دلوں میں یزید کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔

دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ کا خطبہ

جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا جلال میں آکر کھڑی ہوئیں اور یزید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

”قَامَتْ زَيْنَبُ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَقَالَتْ:اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ اَجْمَعِيْنَ .... اِلَخ.

(تعریف اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا پروردگار ہے اور درود و سلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و اہلِ بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر!)

کتنی سچائی ہے خداوندِعالم کے اس ارشاد میں کہ

’آخر جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں ان کا انجام بھی بہت برا ہوا ، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے‘۔ کیوں ، یزید! زمین و آسمان کے تمام راستے ہم پر بند کر کے اور خاندانِ نبوّتؐ کو عام قیدیوں کی طرح ، در بدر پھرا کر تُو نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کی بارگاہ میں ہمارا جو مقام تھا اس میں کوئی کمی آگئی اور تُو خود بڑا عزّت واربن گیا؟ پھر تُو اس خام خیالی کا شکار ہے کہ وہ المیہ جس سے ہمیں تیرے ہاتھوں دو چار ہونا پڑا اس سے

تیری وجاہت میں کچھ اضافہ ہوگیا اور شاید اسی غلط فہمی کے باعث تیری ناک اور چڑھ گئی اور غرور کے مارے تُو اپنے کندھے اچکانے لگا؟

ہاں! یہ سوچ کر تُو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا ہے کہ تیری مستبدانہ حکومت کی حدیں بہت پھیل چکی ہیں اور تیری سلطنت کی نوکرشاہی بڑی مضبوط ہے اور ہو سکتا ہے تُو یہ بھی سمجھ بیٹھا ہو کہ خلاّقِ عالم نے اس مملکت میں تجھے بغیر کسی خطرہ کے پھیل پھیل کر اطمینان سے اپنا حکم چلانے اور من مانی کرنے کا یہ موقع دیا ہے۔

ٹھہر، یزید ٹھہر! ایک دو سانسیں اور لے لے۔ پھر دیکھنا، کیا ہوتا ہے؟ دراصل تُو ربّ ذوالجلال کے اس فیصلہ کو بھلا بیٹھا ہے کہ

"کفر کی راہ اختیار کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی بہتری ہے، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب جی بھر کر گناہ سمیٹ لیں، اس کے بعد ان کے واسطے سخت ذلّت آمیز سزا اور رسوا کرنے والا عذاب ہے☆۔"

☆ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا اِثْماً وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۷۸)
(اور کافر ایسا نہ سمجھیں کہ ہم جو ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے، ہم تو صرف اس لئے ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے)

اے ہمارے آزاد کئے ہوؤں کے جائے! کیا یہی عدل ہے؟ اسی کو انصاف کہتے ہیں؟ کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تک پردہ میں ہوں اور نبیؐ زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں بے پردہ، سربرہنہ ایک شہر سے دوسرے شہر کشاں کشاں لے جایا جائے! ہاں، یزید! تُو نے ہی ہمیں اس حالت میں پہنچایا ہے۔ ہم بے وارثوں کا قافلہ جس جگہ پہنچتا ہے وہاں تماشائیوں کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ ہر قسم کے لوگ، ہر طرح کے آدمی۔ راہ راہ، منزل منزل، جوق در جوق، دور اور نزدیک سے ہمیں دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں! اس کارواں کا نہ کوئی ساتھی ہے! نہ حمایتی، نہ دوست ہے نہ نگہبان۔ ہاں! جس کا تعلق ہمارے بزرگوں کا کلیجہ چبانے والوں سے ہو☆ اس سے کسی رُور عایت کی کیا توقّع ہوسکتی ہے؟ اور جس کا گوشت پوست ہمارے شہیدوں کے لہو سے اگا ہو، بھلا اس کے دل میں ہمارے لئے کوئی نرم گوشہ کہاں پیدا ہوسکتا ہے؟

ہاں! ہاں! جو اہلِ بیتؑ عصمت و طہارت کی دشمنی میں انگاروں پر لوٹ رہا ہو اس سے کب یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ وہ حقیقتوں کے بارے میں کبھی ٹھنڈے دل سے غور بھی کرے گا؟

اے یزید! تُو احساسِ جرم کے بغیر جس ڈھٹائی سے کہتا جا رہا

☆ ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے حضرت حمزہؓ کا غزوۂ احد میں کلیجہ چبایا تھا۔

ہے کہ 'اگر اس وقت میرے اسلاف مجھے دیکھتے تو کتنے شاد ہوتے! وہ مجھے شاباشی دیتے اور کہتے، یزید تیرے دست و بازو کو نظر نہ لگے! تُونے محمدؐ کے گھرانے سے کیا خوب انتقام لیا ہے!'

یزید! تُو جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا چلا جا رہا ہے، وہ تیری کیفیت کا اظہار ہے! ذرا دیکھ تو سہی، بےادب! اپنی چھڑی سے جس ہستی کے مقدس ہونٹوں کے ساتھ تُو گستاخی کر رہا ہے، وہ جوانانِ جنت کا سردار ہے! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: الحسنُ و الحسینُ سیّدا شباب اھلِ الجنّہ۔

تُونے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیاروں کا خون بہا کر اور عبدالمطلب کے چاند تاروں کو خاک میں ملا کر اپنے سوکھے ہوئے زخموں کو پھر سے ہرا اور بھرے ہوئے گھاؤ کو پھر گہرا کر دیا ہے! اور اپنے پُرکھوں کو بھی پکار رہا ہے، اپنے گڑے ہوئے مردوں کو آواز دے رہا ہے اور اس سے بے خبر کہ عنقریب تُو خود بھی اسی گھاٹ☆ اترنے والا ہے، جہاں وہ ہیں، اور جب تُو اپنے سگوں کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر رہ رہ کر تیرا دل یہ چاہے گا کہ کاش نہ زبان میں سکت ہوتی اور نہ ہاتھوں کو جنبش! تاکہ جو کہا ہے وہ نہ کہتا اور جو

☆ یزید کی موت ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں کن حالات میں ہوئی، علامہ راشدالخیری کی کتاب "سیدہ کا لال" ص ۲۸۰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

کیا ہے وہ نہ کرتا!☆

پروردگارا! تُو ان ظالموں سے ہمارا حق دلا دے اور ان ستم گروں سے ہمارے بدلے چکا دے۔ بارِ الٰہی! جن جفاشعاروں نے ہمارا لہو بہایا ہے اور ہمارے طرف داروں کو قتل کیا ہے، ان پر اپنا غضب نازل فرما۔ قسم بخدا! اے یزید! تُو نے خود ہی اپنی کھال نوچی ہے اور اپنے ہاتھوں اپنے گوشت کی تکّہ بوٹی کی ہے! بہت جلدی وہ وقت آنے والا ہے کہ تجھے انتہائی ذلّت و خواری کے عالم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تُونے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرّیت کو خاک و خون میں غلطاں کیا ہے اور ان کی عترت، ان کے پیاروں کو نشانۂ ستم بنا کر ان کی حرمت زائل کی ہے!

یزید! جب تُو اپنے ان سنگین جرائم کا بوجھ اٹھائے قیامت کے دن خدا کی عدالت میں پیش ہوگا تو پھر دیکھنا

☆ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ
(سورۃ الروم ۳۰، آیت ۱۰)
(پھر جنھوں نے برائی کی تھی ان کا انجام بھی برا ہوا، اس لئے کہ انھوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا اور وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے)

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِہٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ. اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ.
(سورۃ المومن ۴۰، آیت ۷۰-۷۱)
(جنھوں نے اس کتاب کی اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اس کی تکذیب کی ہے انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گی، گھسیٹے جا رہے ہوں گے جلتے پانی میں)

کہ داورِ محشر کس عنوان سے ریاضِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بکھرے ہوئے پھولوں کو اکٹھا کر کے ہر برگِ گل کو آماجگاہِ سدا بہار قرار دیتا ہے اور وہ منصفِ حقیقی کس طرح جور و جفا کرنے والے باغیوں سے ہم کو ہمارا حق دلاتا ہے! اس پیدا کرنے والے کا ارشاد ہے:

'جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو درحقیقت زندہ ہیں! اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں'۔☆

سن! یزید سن! تیرے لئے تو بس اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ بہت جلد خدائے ذوالجلال فیصلہ دے گا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مدعی ہوں گے۔ اور جبرائیلِ امین مدد کریں گے! ہاں! اور وہ لوگ بھی اسی ہنگام اپنا انجام دیکھ لیں گے جنہوں نے زمین ہموار کر کے تجھے اس جگہ تک پہنچایا اور پھر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں کی گردنوں پر مُسلط کر دیا!

جب حساب و کتاب کا وقت آئے گا تب ہی پتہ چلے گا کہ جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کو کتنی بڑی سزا ملتی ہے! اور اسی لمحے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ کسے بدترین جگہ دی

☆ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ.
(سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۶۹)
(اور انہیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں، ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے یہاں سے رزق پاتے ہیں)

گئی اور کس کے ساتھی کس درجہ بودے نکلے!

اے یزید! یہ تو زمانہ کا انقلاب ہے کہ مجھے تجھ جیسے آدمی سے بات کرنے پر مجبور ہونا پڑا! تجھے تو میں بہت چھوٹا اور بے وقعت سمجھتی ہوں، البتہ تیری سرزنش کو بڑا کام اور تیری ملامت کو ایک اچھی بات قرار دیتی ہوں!

ہاں! تجھ سے مخاطب ہونے کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو امنڈ رہے ہیں اور کلیجے سے آنچیں نکل رہی ہیں!

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وہ خاصانِ خدا جنہیں اس نے عزّ و شرف دے کر سرفراز فرمایا، وہی فتحِ مکہ کے دن ہمارے آزاد☆ کیے ہوئے، شیطان صفت گروہ کے ہاتھوں تہِ تیغ ہوں۔

آہ! آہ! دشمن کی آستینوں سے ابھی تک ہمارے شہیدوں کا لہو ٹپک رہا ہے اور آج بھی ان کے لب و دنداں پر ہمارا گوشت چبانے کے نشان موجود ہیں! اُف! ان کشتگانِ راہِ تسلیم کے پاک و پاکیزہ اجسام دامنِ صحرا میں بے گور و کفن پڑے ہیں۔

اے یزید! اگر آج ہمیں جنگی قیدی بنا کر تو سمجھ رہا ہے کہ کچھ حاصل کر لیا، تو یاد رکھ کل تجھے اس کے مقابلہ میں

☆ افرادِ بنو امیہ اور دوسرے دشمنانِ اسلام کو کس فراخ دلی سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن معاف فرمایا، تفصیل مصنفِ ہٰذا کی تصنیف "تاریخِ اسلام کا سفر" (حصۂ اوّل) میں ملاحظہ فرمایئے۔

سخت نقصان اٹھانا پڑے گا اور یہ بات نہ بھولنا کہ تو اپنے اعمال کی صورت میں جو بھیجے گا بس وہی پائے گا۔

نیز ربّ العالمین اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ ہم اللہ کے سوا نہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے پاس فریاد لے جاتے ہیں۔ صرف اسی کی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہی ہم سب کا مرکزِ اعتماد ہے۔

اے یزید! تیرے پاس مکرو فریب کا جتنا ذخیرہ ہے اسے جی کھول کر کام میں لے آ۔ ہر طرح کی سعی و کوشش میں بھی کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھنا۔ اپنی سیاسی جدّ و جہد کو مزید تیز کر دے اور ہاں ساری حسرتیں نکال لے، تمام آرزوئیں پوری کر لے، مگر اس کے باوجود تُو، نہ تو ہماری شہرت کو کم کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمیں جو مقبولیت حاصل ہے اسے متاثر کر سکتا ہے! پھر یہ بھی تیرے بس میں نہیں کہ ہماری فکر کو پھیلنے اور ہمارے پروگرام کو نشر ہونے سے روک دے! نیز تُو ہمارے مقصد کی گہرائی تک پہنچنے اور غرض و غایت کی گہرائی کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

یزید! تیری فکر غلط ہے، تیری رائے خام ہے! تیری زندگی کے محض چند دن☆ باقی رہ گئے ہیں۔ تیری بساط الٹنے

☆ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے جو پیش گوئی فرمائی تھی ویسا ہی ہوا۔ یزید کی موت ۱۴/ ربیع الاوّل ۶۴ھ کو ہوئی، اس کے بیٹے معاویہ نے تختِ حکومت پر بیٹھنے سے انکار کیا، نتیجتاً حکومت آلِ ابی سفیان سے نکل کر آلِ مروان میں چلی گئی۔ وہی مروان جس کو حضورؐ نے مدینہ بدر کیا تھا۔

والی ہے اور بہت جلد تیرے ساتھیوں کا شیرازہ بھی بکھرنے والا ہے! اس کے علاوہ وہ دن قریب ہے جب منادی آواز دے گا ہاتفِ غیبی کہے گا کہ ' ظالموں کی قوم پر خدا کی لعنت[1] اور حمد و سپاس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ ربّ الارباب، جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کو انجام کار خیر و سعادت کے خزانۂ عامرہ سے افتخار بخشا اور ہماری آخری شخصیتوں کو شہادت و رحمت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ ارحم الرّاحمین ہمارے شہداء کے ثواب کو کمال آگیں، ان کے اجر کو فراواں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کو اپنے حسنِ کرم سے بہرہ مند فرما۔ یقیناً وہ بڑا مشفق اور حد درجہ مہربان ہے۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے''۔[2]

نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نواسی جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کا خطبہ جاری رہا۔ دربار میں سناٹا چھایا رہا، ایسا سناٹا کہ سوئی گرنے کی آواز سنائی دے۔ حاضرین انتہائی انہماک اور حیرانی سے سنتے اور حقیقتِ حال سے واقف ہوتے رہے۔ حقیقتِ حال پر اب تک جو پردہ پڑا ہوا تھا، جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے بیان سے چاک ہونا شروع ہوا اور خطبہ ختم ہوتے ہوتے حقیقتِ حال کھل کر سامنے آگئی۔

(۱) اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (سورۂ ہود ۱۱، آیت ۱۸)
(خبردار! ظالموں کی قوم پر خدا کی لعنت ہے)

(۲) حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۷۳)
(ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے)

اپنے خطبہ سے خواہرِ حسینؑ نے مقصدِ حسینؑ کی وضاحت کی تو مجمع حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔

یہ ظلم، یہ ستم، یہ قتل و غارت گری اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سوچ سکتا تھا کہ ایسا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو سکتا ہے؟☆ لیکن وہ سب کچھ ہوا جو ایک عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا! اور کن خداترس انسانوں کے ساتھ ہوا۔ یہ وہ محترم و مکرّم ہستیاں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے خیمے لٹے پھر جلائے گئے، ظالموں نے قیدی بنایا لیکن مظلوم اللہ کی راہ پر ڈٹے رہے۔ تمام تر قید و بند کی تکالیف کے ساتھ دربار میں لائے گئے، خاموش رہے اور جب زبان کھولی تو حقیقتِ حال عیاں ہوگئی:

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کا بیان سننا تھا کہ یزید غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا، نشۂ اقتدار اترنے لگا۔ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اہلِ دربار سے پوچھتا ہے ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ نعمان بن بشیر (کوفہ کے سابق گورنر) کھڑے ہوئے اور کہا:

"اے یزید! ان کے ساتھ وہی سلوک کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان کو اس حال میں دیکھ کر) کرتے"۔

اس بدبخت نے نعمان بن بشیر کی رائے کے برعکس عمل کیا اور دربار برخاست کر دیا اور طیش میں آکر یزید نے اسیرانِ کربلا کو قیدخانہ

☆ جن کی خاطر ہے بنائی گئی ساری دنیا   اہلِ دنیا سے وہی گھر نہیں دیکھا جاتا۔

میں بھجوا دیا۔ قیدخانہ کہاں واقع تھا اس بارے میں مورّخین میں اختلاف ہے۔ بعض مورّخین کا بیان ہے کہ قیدخانہ جامع مسجد کے عقب میں ایک قدیم بوسیدہ مکان تھا اور بعض مورّخین کے مطابق اسی مسجد کا ایک بوسیدہ حجرہ تھا۔

اسیرانِ کربلا کی دمشق میں مدّتِ مصائب

اسیرانِ کربلا نے دمشق میں کتنے دن قید و بند کی صعوبتوں میں گزارے اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مورّخین کے مطابق اسیری کی مدّت تین ماہ تک ہے۔

بہرحال جب تک اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دمشق کے قید و بند میں مبتلا رہے، یزید ہر روز امام زین العابدینؑ کو دربار میں طلب کرتا اور بھرے دربار میں آپؑ کی تذلیل کرتا۔ ایک روز خطیبِ مسجد کو تاکید کی کہ وہ منبر پر جا کر اولادِ ابی سفیان کی مدح اور اولادِ علیؑ کی ہجو کرے۔ خطیب خریدا ہوا فرد تھا☆، مرتا کیا نہ کرتا! اس نے وہی کچھ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔ امام زین العابدینؑ سنتے رہے اور خاموش رہے۔ خطیب جب سبّ و شتم کر چکا تو امامؑ نے خطیب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے خطیب! وائے ہو تجھ پر، تو نے ایک مخلوق کی خوشی کو خالق کی نافرمانی کے عوض خریدا، اب آتشِ جہنم میں جلنے کو تیار ہو جا"۔

ایک روز بھری مسجد میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ امام علی زین العابدینؑ نے یزید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

☆ زر برسرِ فولاد نہی نرم شود
(اگر سونے کو فولاد پر رکھو تو وہ بھی نرم ہو جائے گا)
دولت وہ شے ہے جس سے بڑے سے بڑے افراد خریدے جا سکتے ہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔

"اے یزید! مجھے اس قدر موقع دے کہ میں منبر پر جا کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کچھ بیان کرسکوں"۔
یزید نے پہلے تو انکار کیا لیکن حاضرین کے اصرار پر راضی ہوگیا۔

دربارِ یزید میں خطبۂ امام سجادؑ

امام علی زین العابدینؑ منبر پر تشریف لے گئے، پہلے حمدِ باریٔ تعالیٰ پھر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائی اور اس کے بعد نہایت شیریں اور فصیح و بلیغ اور پُراثر انداز میں گویا ہوئے:

"اے اہلِ شام! تم میں سے جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا اسے میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔

میں شہیدِ کربلا حسینؑ کا فرزند ہوں، میں علیٔ مرتضیٰؑ کا پسر ہوں، میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بیٹا ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا پسر ہوں، میں سدرۃ المنتہیٰ کا بیٹا ہوں، میں شجرِ طوبیٰ کا بیٹا ہوں، میں فرزندِ سرورِ اخیار ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے ماتم میں جنّات روئے، میں اس کا فرزند ہوں جس پر پرندوں نے نوحہ کیا، میں فرزندِ سردارِ یثرب و بطحا ہوں، میں فرزندِ شہسوارِ میدانِ ہل اتیٰ ہوں، میں سبطِ رسول حسن مجتبیٰؑ کا بھتیجا ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی

بند کیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہلِ حرم قیدی بنائے گئے، میں اس کا فرزند ہوں جس کے بچے بے جرم و خطا ذبح کیے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے خیموں کو نذرِ آتش کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کا لاشہ تپتے صحرا میں رہ گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کو غسل و کفن نصیب نہیں ہوا، میں اس کا فرزند ہوں جس کی مخدّرات کو سرزمینِ کربلا میں رسوا اور ذلیل کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کا بدن مبارک کہیں پڑا ہے اور سرِ مبارک کہیں اور ہے، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے حرم کو اسیر بنا کر شام تک پھرایا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کا کوئی یار و مددگار نہ رہا تھا"۔

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

"اے لوگو! خدا نے ہمیں پانچ خصلتوں سے نوازا ہے:

(۱) خدا کی قسم! رسالت کی قرارگاہ اور فرشتوں کی آمد و رفت ہمارے ہاں ہی ہے۔

(۲) ہمارے بارے میں ہی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں (آیاتِ قرآنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں دی جاچکی ہیں۔ بہتر ہوگا ایک بار نظر دوڑا لیجیے)۔

(۳) ہم نے ہی دنیا والوں کو راہِ ہدایت دکھلائی۔

(۴) شجاعت و بہادری ہماری میراث ہے اور ہم کسی مشکل سے نہیں گھبراتے۔

(۵) لوگ اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر کریں تو کیا۔ فصاحت و بلاغت کے مالک تو ہم ہیں۔

صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت کرنا ، طلب گارِ علم کو علم کی دولت سے فیض یاب کرنا ہمارا شیوہ ہے۔ مومنین کے دل ہماری ولا و محبت سے پُر ہیں اور زمین و آسمان میں ہمارا مرتبہ سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خداوندِ عالم دنیا کو خلق نہ کرتا[1]۔ ہمارے سوا کسی اور کو فخر زیبا نہیں۔ قیامت کے روز ہمارے دوست سیراب ہوں گے اور ہمارے دشمن اپنی بدبختی کی سزا جھیلیں گے"۔[2]

لوگوں نے حضرت کا یہ کلام سنا تو گریہ کرنے لگے اور چیخ چیخ کر فریاد بلند کرنے لگے۔ یزید نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر مؤذّن کو اذان کا حکم دیا تاکہ امامؑ کا خطبہ منقطع ہو جائے۔

---

(۱) لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔
(اے رسولؐ ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو خلق نہ کرتا)

(۲) نبیِ اکرمؐ کو صدمہ اور اذیت پہنچانا جرمِ عظیم ہے۔ جو کوئی یہ حرکت کرتا ہے اس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔
(سورۃ الاحزاب ۳۳ ، آیت ۵۷)
(بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت فرماتا ہے اور اس نے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے) جن لوگوں نے خانوادۂ رسولؐ کی توہین کی ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب اور ذلت خدائے بزرگ و برتر مقدّر کر دیتا ہے)

مؤذّن نے کھڑے ہو کر آوازِ بلند کہا:

"اللہ اکبرؑ"۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:"تم نے خدائے بزرگ کی بزرگی بیان کی اور عظیم پروردگار کی تعظیم کی اور حق بات کہی"۔

اس کے بعد مؤذّن نے کہا:

"اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"۔

امامؑ نے فرمایا:

"میں گواہی دینے والے کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔ باوجود منکرین کے میں اس گواہی پر قائم ہوں"۔

پھر مؤذّن نے کہا:

"اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔

امامؑ یہ جملہ سن کر رونے لگے اور سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

" اے مؤذّن ! تجھے انہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قسم ، ذرا ٹھہر جا"۔

پھر آپؑ یزید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"اے یزید! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو بتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے جد تھے یا تیرے؟"

یزید نے جواب دیا:

"آپ کے جد تھے"۔

امامؑ نے فرمایا:

"پھر تو نے کس جرم میں ان کے اہلِ بیتؑ کو قتل کیا؟☆ کیوں ان کی مخدّراتِ عصمت و طہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بہ شہر پھرایا؟ کیوں مجھے یتیم کیا؟ اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا؟"

یہ کہہ کر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کہ کیا میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حبیب رہا ہو؟"

حضرت کی یہ تقریر سن کر چاروں طرف چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو یزید فتنہ و فساد کے خوف سے پریشان ہو گیا اور جس شخص نے امام زین العابدینؑ کو منبر پر بھیجا تھا اس سے کہا:

"تجھ پر وائے ہو! انہیں منبر پر بھیجنے سے تیرا مقصد میری حکومت ختم کرنا تھا؟"

اس نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ نوجوان ایسا کلام کر سکتا ہے"۔

یزید بولا:

"تو نہیں جانتا کہ یہ خاندانِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور معدنِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک فرد ہے"۔

وہ بولا:

"اگر یہ معاملہ ہے تو تم نے اس کے باپ کو کیوں قتل کیا؟"

☆ ماخوذ از "مقتل ابی مخنف"، ص ۱۴۹۔۱۵۰۔

یزید(۱) یہ سن کر غضب ناک ہوا اور اس کے قتل کا حکم دیا اور بغیر نماز ادا کئے مسجد سے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ "مجھے نماز سے کوئی سروکار نہیں"۔

یہ حالات دیکھ کر اور سُن کر اہلِ شام جو خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے تھے بیدار ہو گئے۔ امام حسینؑ کے سوگ میں بازار بند کر دیئے گئے اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ تعزیت کا یوں اظہار کرنے لگے:

"خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے تھے کہ نیزہ پر یہ حسینؑ کا سر ہے کیونکہ ہم سے تو یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ ایک (نعوذ باللہ!) خارجی کا سر ہے جس نے سرزمینِ عراق میں بغاوت کی تھی"۔

یزیدِ لعین نے جب یہ باتیں سنیں تو قرآن کے پارے منگوا کر مسجد میں بھجوا دیئے تاکہ لوگ نمازوں سے فارغ ہو کر قرآن کی تلاوت میں مشغول رہیں اور امام حسینؑ کے واقعہ کی یاد ان کے دلوں سے محو ہو جائے لیکن یزید کا کوئی حربہ امام حسینؑ کی یاد کو بھلانے میں کارگر ثابت نہ ہوا۔

حق کی صدائے بازگشت نے ایوانِ کفر و ضلالت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ یزید کا نشۂ غرور ہرن ہو گیا اور وہ سوچنے لگا یہ کیا ہو گیا۔ محمدؐ کا دین تو میں کربلا میں دفن کر چکا تھا لیکن اسلام کا ڈوبتا سورج پھر افقِ زندگی سے ابھر رہا ہے کہیں میری کوششوں پر پانی تو نہ پھر جائے گا۔(۲)

(۱) دربار میں ضمیر کی مٹی پلید ہے
گویا بدی جہاں میں بشکلِ یزید ہے

(۲) سر کچل ڈالا فرعونِ وقت کا
تیرے اک خطبے نے زین العابدینؑ

خطبۂ امامؑ کا اثر

امام علی زین العابدینؑ کے خطبہ کا ایسا اثر ہوا کہ پورے دمشق میں یزید کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور لوگ جو کل تک اظہارِ مودّت کرتے تھے یزید سے نفرت کرنے لگے۔ حقیقت کھل کر جب سامنے آئی تو یزید کے خلاف نفرت کی آگ سلگنا شروع ہوگئی۔

یزید تو اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ تکالیف اور مصائب کی زیادتی آلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوصلوں کو پست کر دے گی اور یہ لوگ شکست تسلیم کر لیں گے۔ اُس نے غلط اندازہ لگایا تھا کیونکہ اس نے یہ نہیں سوچا کہ قیدیوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کنبہ ہے۔ خاندانِ نبیٔ اکرمؐ باطل کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتا۔

نبیؐ کی نواسی عقیلۂ بنی ہاشم باب مدینۃ العلم کی بیٹی جنابِ زینب سلام اللہ علیہا بابا کے لہجہ میں اپنے خطبات کے وار سے یزید کو شکستِ فاش دینے میں کامیاب ہوتی جارہی ہیں۔ اہلِ بیت النبوۃ کے تمام قیدی مصائب کی زیادتی کے باوجود اپنے ارادوں میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں، کیوں نہ ہوں!

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(علامہ اقبالؒ)

اسیرانِ کربلا اور سرہائے شہداء کی تشہیر و نمائش نے یزید کی ساری تدابیر کو پلٹ کر رکھ دیا۔ مسلمان تو بہرحال مسلمان تھے اور غلط فہمی میں

مبتلا تھے لیکن جب واقعات طشت از بام ہوئے تو عیسائی اور یہودی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یزید کی کارروائیوں سے متنفر ہوگئے۔

جس وقت امامؑ حاضرین سے مخاطب تھے اس وقت مجمع میں ایک یہودی عالم بھی موجود تھا اس نے یزید سے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے۔

یزید نے کہا: یہ علی بن حسینؑ ہیں۔

اس نے پوچھا: کون حسینؑ؟

یزید نے کہا: علی ابنِ ابی طالب کے بیٹے۔

اس نے پھر پوچھا: ان کی والدہ کون ہیں؟

یزید نے کہا: دخترِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہودی نے کہا:

''سبحان اللہ! یہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند ہے جسے تم نے قتل کیا ہے؟ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے برے جانشین ہو۔ خدا کی قسم! اگر ہمارے پیغمبر موسیٰ بن عمران کی کوئی اولاد ہوتی تو ہم پرستش کی حد تک اس کا احترام کرتے جبکہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئے ابھی صرف آدھی صدی گزری ہے اور آج تم نے ان کے بیٹے☆ کے خلاف علمِ بغاوت بلند

☆ آیۂ مباہلہ کے نزول کے بعد جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدہ فاطمۃ الزہرا، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو ساتھ لے کر نجران کے پادریوں کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لائے تھے اس وقت آپ نے فرمایا:
اَللّٰھم ھٰؤلاء اھلی: ''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں''۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل)
اقتباس از فلسفۂ شہادتِ امامِ حسینؑ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ص ۹۰۔

کر کے انہیں قتل کر دیا؟ افسوس ہے تمہارے حال پر"۔

یہودی کی اس بات پر یزید کو غصہ آ گیا اور کارندوں سے کہا:

"ذرا اس کی خبر لو"۔

یہودی عالم اٹھا اور کہا:

> "اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے، میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ جو اولادِ رسول کو قتل کرتا ہے اس پر ہمیشہ لعنت ہوتی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

جنابِ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا اور امام علی زین العابدینؑ کے خطبوں نے جلتی پر تیل کا اثر دکھایا اور اب یزید خود از حد پریشان رہنے لگا۔ اثر یہاں تک پہنچا کہ خود اس کے خاندان والوں نے خونِ ناحق اور اسیرانِ کربلا کی مظلومیت کا کھلم کھلا اقرار کرنا شروع کر دیا اور یزید کو بھی جلد ہی اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔

یزید کو یقین ہو گیا کہ اس کے تمام مظالم ناکام ہو گئے۔ مظلومین تو حق الیقین کی منزل پر پہنچے ہوئے تھے ظلم کو ہنستے مسکراتے برداشت کرتے رہے۔ اب یزید سیاسی چال سوچنے لگا کہ کس طرح اس انمٹ گناہ کے داغ کو ہلکا کیا جائے اور سارے مظالم کی ذمہ داری کسی اور پر ڈال دی جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی پالیسی یکسر بدلی اور تمام حادثات کی ذمہ داری عبیداللہ ابنِ زیاد پر ڈال دی جو بصرہ اور کوفہ کا گورنر تھا۔ زیاد بن سمیہ وہ فرد ہے جس کے نسب کا پتہ نہیں اور جسے امیرِ شام نے اپنے خاندان میں بوجوہ شامل کر لیا تھا۔ یزید کی اس اچانک تبدیلی کی بابت تاریخِ کامل میں یوں مرقوم ہے:

"قتل حسینؑ کے تھوڑے ہی دنوں بعد یزید کے پاس وحشت ناک خبریں پہنچنا شروع ہو گئیں کہ لوگ اعلانیہ حسینؑ کے قاتل کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔ یزید ان خبروں سے بہت گھبرایا۔ اس نے سب کے سامنے عبیداللہ ابنِ زیاد کی برائیاں شروع کر دیں اور اس کو اس واقعہ کا واحد مجرم قرار دینے لگا"۔☆

علامہ جلال الدین سیوطی کا بیان

اس سلسلہ میں علامہ جلال الدین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں تحریر فرماتے ہیں:

> "جب حضرت امام حسینؑ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو چکے تو ابنِ زیاد نے ان تمام شہداء کے سروں کو یزید کے پاس دارالسلطنت دمشق بھیج دیا۔ یزید پہلے تو ان سرہائے بریدہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر جب عامۃ المسلمین اس کے اس فعل پر اس سے ناراض ہوئے اور ملامت کی تو اس کو بھی افسوس ہوا اور اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کا یزید کے اس فعل پر ناراضی کا اظہار بالکل بجا تھا۔ ابوالعلی نے اپنی مسند میں ابو عبیدہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ہی عدل و انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنو امیہ میں یزید نامی ایک شخص ہوگا وہ اس عدل میں رخنہ اندازی کرے گا"۔

☆ "تاریخِ کامل"۔

الرّویانی نے اپنی مسند میں ابوالدّردا کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ میری سنت کو تبدیل کرنے والا بنی اُمیہ کا ایک شخص یزید نامی ہوگا''۔[1]

یزید کے سیاسی پینترے

یزید کی پریشانیاں اب عروج پر ہیں، کثرتِ شراب بھی اسے سونے نہیں دیتی، چنانچہ یزید لوگوں کو جمع کرتا ہے اور کہتا ہے:

''اے اہلِ شام! کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا! ایسا ہرگز نہیں۔ حسینؑ کو ابن مرجانہ (عبیداللہ ابن زیاد) نے قتل کیا''۔

یزید نے سنان کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا تو اس نے شمر کا نام بتایا۔ جب شمر سے پوچھا تو اس نے کہا:

''میں سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے؟ سن! حسینؑ کا قاتل وہی ہے جس نے قبائلِ عرب کو جمع کیا، بیت المال کا منہ کھولا اور فوج، گھوڑے، اسلحہ جنگ اور نفقہ و خلعت دے کر روانہ کیا اور کہا کہ جاؤ حسینؑ سے جنگ کرو''۔[2]

(۱) ''تاریخ الخلفاء'': علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۲۲۸۔۲۲۹، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۷ء۔
(۲) ''کربلا اور کربلا کے بعد'': ارتضٰی نوازپوری، ص ۲۳۷۔

یزید کہنے لگا:

''جس نے یہ کام کیا وہ کون تھا؟''

اُس نے کہا:

''خدا کی قسم! اے یزید وہ تُو ہی تھا''۔[1]

یہ سن کر بظاہر یزید شرمندہ ہوا اور اس نے اپنے کلمات سے پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا لیکن اس نے فسق و فجور سے پھر بھی توبہ نہیں کی، نہ قاتلینِ حسینؑ سے کوئی باز پرس کی اور نہ اپنے اعمال و افعال کی اصلاح کی۔ حسبِ سابق قتل و غارت، سفاکی و خونریزی، فسق و فجور کرتا رہا، جس کا اندازہ اس کے ان افعال سے ہوتا ہے جو بعد میں رونما ہوئے یعنی:

(۱) مدینہ کی بے حرمتی اور اہلِ مدینہ کا قتلِ عام یعنی واقعۂ حرّہ (۶۳ھ مطابق ۶۸۳ء)۔[2]

(۲) بیت اللہ پر آگ برسانے کا واقعہ (۶۴ھ مطابق ۶۸۴ء)۔[3]

یزید کے یہ ایسے گھناؤنے کام ہیں جن سے اس کے خونریز، سفاک اور فاسق و فاجر ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ شہادتِ عظمیٰ کا اعجاز ہے کہ شہادتِ حسینؑ تک یزید ابنِ معاویہ،

(۱) ناسخ التواریخ جلد ۶، ص ۳۵۴ پر شمر کے بجائے قیس بن ربیع کا نام لکھا ہے کہ اس نے یزید سے کہا تھا کہ قاتل تُو ہی ہے۔
(۲) حادثۂ حرّہ کے وقت امام زین العابدین مدینہ سے باہر مقیم تھے۔ یزیدی فوج نے نہ تو کوئی نقصان پہنچایا اور نہ بیعت پر اصرار کیا۔
(بحارالانوار، علّامہ مجلسی اور Early Shi'i Thought ,L.B. Tauris, London.)
(۳) تاریخِ طبری، ج ۷، ص ۱۴ اور صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۳۰۔

عبیداللہ ابنِ زیاد، عمر ابنِ سعد، شمر ابنِ ذی الجوشن[1] اور خولی وغیرہم ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ قاتلینِ حسینؑ کی فہرست میں ان کا نام سرِ فہرست ہو لیکن شہادتِ حسینؑ کے چند ماہ بعد ہی امامِ مظلومؑ کے قتل کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ یزید نے ابنِ مرجانہ یعنی عبیداللہ ابنِ زیاد کو حسینؑ کا قاتل قرار دیا۔ ابنِ زیاد نے عمر ابنِ سعد، شمر، خولی اور لشکر والوں کو قاتلِ امامؑ ٹھہرایا اور لشکر والوں نے یزید اور ابنِ زیاد کو اس فعل کا ذمہ دار بتایا۔

حضرتِ منہالؓ بن عمروؓ کی حضرتِ سجادؑ سے ملاقات

دمشق کی قید کا زمانہ اہلِ بیتؑ کے لئے سوہانِ روح کا زمانہ تھا۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ منہال بن عمروؓ نے بیمارِ کربلا سے ملاقات کی اور امامؑ سے دریافت کیا۔ آپ کیسے ہیں؟ امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

"ہم ویسے ہیں جیسے فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل تھے۔ وہ ان کے بچّوں اور مردوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں[2] کو زندہ رکھ چھوڑتا تھا۔ قریش عرب کے مقابلہ میں

(۱) شمر کا نام شرحبیل کنیت ابو سابغہ تعلق بنی کلاب۔ شمر کا باپ ذی الجوشن ایک بہادر شخص تھا۔ بہادری اور جنگجوئی کی بناء پر فارس کے بادشاہ نے ایک سپر اعزازی دی تھی جس کی وجہ سے اسے ذی الجوشن (صاحب سپر) کہا گیا (حوالہ "قیامِ امام حسینؑ کا جغرافیائی جائزہ"، ص ۳۲۶)۔

(۲) اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَھُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۔

(سورۃ القصص ۲۸، آیت ۴)

(بلا شبہ فرعون نے دنیا میں گھمنڈ کیا اور اس کے رہنے والوں کو متفرق جماعتوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک گروہ کو ان میں سے وہ کمزور بناتا تھا، ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھ چھوڑتا تھا، یقیناً وہ خرابی پھیلانے والوں میں سے تھا)

فخر کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریشی تھے۔ ہم اہلِ بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قتل کئے گئے اور در بدر پھرائے گئے۔ ہمارے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ ہمیں اس طرح کھینچا جا رہا ہے کہ جیسے ہم کسی مالِ غنیمت میں لائے گئے ہوں۔ اس طریقہ پر جیسے ہمارا حسب اور عزّت پست ترین ہو اور ہمارا نسب بھی پست ترین ہو۔ گویا ہم کسی شرف و فضیلت پر فائز نہ ہوں اور ہمارا حسنِ عمل روشن اور منزّہ نہ ہو اور حکومت یزید اور اس کے لشکر کے لئے ہی ہو اور جیسے فرزندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا کے ذلیل ترین لوگوں میں سے ہوں"۔

منہال بن عمروؓ نے کا بیان ہے:

"ابھی ہم آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ خرابے سے ایک خاتون نکلیں۔ انہوں نے جناب زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

'اے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آخری نشانی اور اے سریرِ امامت کے تاجدار! آپ کہاں چلے گئے؟'

ان خاتون کی آواز سن کر جناب امام زین العابدینؑ فوراً ان کی طرف چل دیئے۔ میں نے ان خاتون کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ امام کی پھوپھی سیّدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا ہیں"۔

ہند زوجۂ یزید کی جنابِ زینب سلام اللہ علیہا سے گفتگو

(اہلِ بیتِ رسولؐ) کو دمشق لائے جانے کے کچھ دنوں بعد ایک خاتون یزید کی بیوی ہند☆ کے پاس آئی اور کہا:

''اے ہند! ابھی ابھی کچھ قیدی آئے ہیں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں؟ بہتر ہے کہ آپ بھی آئیں اور ہم ان سے مل کر حقیقتِ حال معلوم کریں''۔

ہند اُٹھی اور عمدہ لباس زیبِ تن کیا، چادر اوڑھی اور خادمہ کو حکم دیا کہ اس کے لئے قید خانہ میں کرسی لگا دی جائے تاکہ آرام اور اطمینان سے بیٹھ کر قیدیوں کو دیکھ سکے۔

ہند آئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کی نظر اس پر پڑی۔ جناب زینب علیہا نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اسے پہچان لیا اور اپنی بہن امِ کلثوم سے کہا:

''بہن! کیا آپ نے اس عورت کو پہچانا؟''

حضرت امِ کلثومؑ نے جواب دیا:

''نہیں میں نے اسے نہیں پہچانا''۔

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہانے فرمایا:

''بہن! یہ ہماری کنیز ہند بنتِ عبداللہ ہے جو ہمارے گھر میں کام کاج کیا کرتی تھی''۔

ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کی بات سن کر امِ کلثومؑ نے خاموش ہو کر اپنا

☆ ہند بنتِ عبداللہ یزید سے شادی سے قبل امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کے گھر میں خادمہ تھیں اور گھر کا کام کاج کیا کرتی تھیں۔ ان کا دل اہلِ بیتؑ کی محبت سے سرشار تھا۔
(ماخوذ از ''علی کی بیٹی'' ڈاکٹر علی قائمی، ص ۴۳۲)

سر نیچا کر لیا۔ ثانیٔ زہراؑ نے بھی اپنا سر نیچا کر لیا تاکہ ہند ان کی طرف متوجہ نہ ہو لیکن ہند ان دونوں بیبیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی، چنانچہ ہند نے آگے بڑھ کر پوچھا:

''بہن! آپ دونوں نے آپس میں گفتگو کر کے اپنے سروں کو جھکا لیا، کیا کوئی خاص بات ہے؟''

حضرتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہیں۔

ہند نے پھر پوچھا:

''بہن! آپ کس علاقہ سے ہیں؟''

اب سیّدہ صلواۃ اللہ علیہا خاموش نہ رہ سکیں اور فرمایا:

''ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں''۔

ہند نے مدینہ کا نام سنا تو احترام سے کھڑی ہوگئی اور پوچھنے لگی:

''بہن! کیا آپ مدینہ والوں کو جانتی ہیں؟''

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

''آپ کن مدینہ والوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہیں؟''

ہند نے کہا:

''میں اپنے آقا امام علیؑ کے گھرانے کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہوں''۔

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے دریافت کیا:

''تم علیؑ کے گھرانے کو کیسے جانتی ہو؟''

علیؑ کے گھرانے کا خیال آتے ہی ہند کی آنکھوں سے اشک جاری

ہو گئے اور کہنے لگی:

''میں اس گھر کی خادمہ تھی میں وہاں کام کیا کرتی تھی۔ مجھے اس گھر سے بہت محبت ہے''۔

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے پوچھا:

''تم اس گھر کے کن افراد کو جانتی ہو اور کن کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟''

ہند نے کہا:

''میں امام علیؑ کی اولاد کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں ، میں حسینؑ و اولادِ حسینؑ اور علیؑ کی پاک باز صاحب زادیوں کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں ، خاص طور پر اپنی آقازادیوں جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا اور امِ کلثومؑ کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہوں''۔

یہ جملہ سنتے ہی حضرتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کا دل بھر آیا اور پُردرد انداز میں فرمایا:

''اے ہند! اگر آلِ علیؑ کے متعلّق پوچھتی ہو تو سنو! ہم مدینہ چھوڑ چکے ہیں اورآلِ علیؑ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچانے کے منتظر ہیں اور اگر حسینؑ کی حالت سے باخبر ہونا چاہتی ہو تو سنو! یزید کے سامنے جو سر موجود ہے وہ حسینؑ کا ہے اور اگر عباسؑ اور اولادِ علیؑ کا پوچھتی ہو تو ہم ان کے جسم کے ٹکڑے اور بے سر لاشے کربلا میں چھوڑ آئے ہیں اور اگر زین العابدینؑ کا پوچھتی ہو تو وہ بیماری اور شدّتِ درد کی وجہ سے چلنے پر قادر نہیں اور اگر زینب صلواۃ اللہ علیہا کی خبر پوچھنا چاہتی ہو تو میں زینب بنتِ علیؑ اور یہ امِّ کلثومؑ ہیں''۔

ہند نے یہ جملہ سنتے ہی فریاد بلند کی:

''وااماں ، واسیّدا ، واحسینا۔ کاش میں اندھی ہو جاتی اور بناتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔ پھر شدتِ جذبات سے ایک پتھر اپنے سر پر مارا جس سے خون جاری ہوا اور وہ بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا اُس کے سرہانے تھیں۔ فرمایا:

''اے ہند ! اٹھو اور اپنے گھر جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا شوہر یزید تجھ پر غضب ناک ہو''۔

ہند بولی:

''خدا کی قسم! جب تک ابا عبداللہ الحسینؑ پر ماتم نہ کرلوں آپ اور ہاشمی خواتین کو گھر نہ لے جاؤں واپس نہ جاؤں گی''۔

ہند اٹھی ، لباس چاک کئے ہوئے پا برہنہ یزید کے پاس آئی جو دربار میں دمشق کے سربراہوں کے درمیان بیٹھا تھا ، ہند نے فریاد کی اور کہا:

''اے یزید! کیا تُونے سرِ مقدس حسینؑ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دروازہ کے کنارے نیزہ پر لٹکانے کا حکم دیا ہے ؟''

یزید جو سلطنت کا تاج پہنے ، تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا اچانک اپنی زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے چادر اُڑھاتے ہوئے بولا:

''خدا لعنت کرے ابنِ زیاد پر جس نے جلدبازی کی اور حسینؑ کو قتل کیا''۔

یزید اسے چادر اُڑھا رہا تھا تو ہند بولی:

"اے یزید! وائے ہو تجھ پر! میرے متعلق غیرت سے کام لیتے ہو، بناتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق تمہاری غیرت کہاں گئی؟ تم نے ان کی چادریں چھینیں اور ان کے چہرے آشکار کئے اور ان کو خرابوں میں قید کر کے خود امن و سکون کی نیند سونا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم! جب تک انہیں میرے ساتھ نہیں بھیجو گے، اس وقت تک میں تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی"۔

اس واقعہ کے بعد یزید کا رویّہ قدرے بدلا اور اسیرانِ کربلا کی طرف ملتفت ہونے لگا۔

اہلِ بیتِ رسولِ مقبولؐ کی رہائی

اہلِ بیتؑ رسول اکرمؐ کو کتنے عرصہ تک دمشق میں قید رکھا گیا؟ کافی اختلاف ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہ وہ دور تھا جب لکھنا پڑھنا عام نہیں ہوا تھا، کچھ اہلِ دانش و بینش اور چند اہلِ قلم حضرات نے بڑی تگ و دو کے بعد واقعات جمع کئے اور سپردِ قلم فرمائے۔ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ تاریخی واقعات ہمیں معلوم ہوئے۔ ہم ان کے لئے دعاگو ہیں۔

بہر حال جب یزید کو اپنی سیاہ کاریوں کے بُرے انجام نظر آنے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ اہلِ بیتؑ کو مزید قید رکھنا اس کے اقتدار کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا تو اس نے ایک دن سیّد السجادؑ کو دربار میں طلب کیا، اپنے پہلو میں بٹھایا، بڑی شفقت سے ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"خدا ابنِ زیاد پر لعنت کرے جس نے آپ کے والدِ بزرگوار کے ساتھ یہ سلوک کیا اور ان پر ظلم روا رکھا۔ خدا کی قسم! اگر وہ (امام حسینؑ) اور میں آمنے سامنے آجاتے تو میں ان کی جملہ خواہشات کا مثبت جواب دیتا"۔

اس کے بعد اُس نے کہا:

"میں نے آپ سب کو رہا کیا ، اب آپ کو اختیار ہے خواہ یہاں (دمشق میں) رہیں یا مدینہ چلے جائیں یا جہاں چاہیں تشریف لے جائیں"۔

ہرچہ دانا کند ، کند ناداں لیک بعد از خرابیٔ بسیار

سیّدالسجادؑ نے جنابِ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کی رائے اور مشورہ پر عمل کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ طے پایا کہ قافلۂ اہلِ بیتؑ شام سے مدینہ روانہ ہو جائے۔ یزید اس رائے سے متفق ہوا اور ان کی روانگی کے انتظامات کا حکم دیا۔

شہدائے کربلا کی دمشق میں مجلس

امام زین العابدینؑ نے یزید سے کہا:

"ہماری عورتیں تیرے پہرہ داروں کی سختی کی وجہ سے اب تک اپنے عزیزوں کو دل کھول کر رو بھی نہ سکیں ، اگر تُو اجازت دے تو ہم فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفِ ماتم بچھائیں"۔

یزید نے اجازت دے دی اور ایک مکان محلہ "دارالحجارہ" میں اس مقصد کے لئے خالی کرایا گیا۔ اہلِ بیتؑ اس مکان میں تشریف لے گئے۔ دمشق میں جو قریشی اور ہاشمی خاندان رہتے تھے ان کی عورتیں مجلس ماتم اور تعزیت میں شریک ہوئیں۔ یزید شام میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سوگواری پر رضامند نہ تھا بلکہ جلد از جلد اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ روانہ کرنا چاہتا

تھا لیکن تین روز تک دمشق میں عزاداری ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یزید خود بھی اس میں شریک ہوا تاکہ گناہوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو۔ واللہ الاعلم بالصواب۔

روانگی سے قبل امام زین العابدینؑ نے یزید سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لوٹے ہوئے سامان واپس کئے جائیں۔ یزید نے کہا کہ اس سے کئی گنا مال دے دوں گا۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

"مجھے کسی اضافی مال کی قطعی ضرورت نہیں ہے وہ تمہیں ہی مبارک ہو ، ہمیں تو وہی مال واپس کر دو جو لوٹا گیا ہے۔ اس مال میں میری نانی فاطمہ زہراؑ کا مقنع ، گلوبند ، پیراہن ، ایک چرخہ اور دوسرے تبرکات بھی ہیں۔ یزید نے لوٹا ہوا سامان لوٹانے کا حکم دیا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ دینار کا اضافہ کر دیا لیکن امام زین العابدینؑ نے دیناروں کو فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا"۔

شام سے اہلِ بیتؑ کی روانگی

یزید نے نعمان بن بشیرانصاریؓ☆ کو حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کے سفر کا انتظام کرو اور ایک امین آدمی کے ساتھ مدینہ منوّرہ روانہ کرو۔ چنانچہ نعمان بن بشیر تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ۸ ر صفرالمظفر کو خاندانِ نبوت کے پس ماندگان کو لے کر شام سے مدینہ کی

☆ حضرت مسلم بن عقیلؑ جب کوفہ پہنچے تھے تو اس وقت یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر وہاں کے گورنر تھے۔ یزید نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبیداللہ ابنِ زیاد کو کوفہ کا امیر مقرر کیا، نعمان بن بشیر شام لوٹ آئے تھے۔ (الاستیعاب ، ج ۴ ، ص ۱۴۹۶)

طرف روانہ ہوا۔[1]

روانگی کے وقت یزید نے امام زین العابدینؑ کو بلایا اور ایک بار پھر کہا:

''خدا لعنت کرے مرجانہ کے بیٹے (عبیداللہ ابنِ زیاد) پر اگر آپ کے والدِ محترم سے میری ملاقات ہو جاتی تو ان کی ہر پیش کش قبول کر لیتا اور جیسے بھی ممکن ہوتا انہیں قتل ہونے سے بچا لیتا اگرچہ اس سلسلہ میں میرے بعض بیٹے بھی مارے جاتے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شہادت خدا کا فیصلہ تھا۔[2] جب وطن لوٹنے کے بعد اطمینان سے زندگی بسر ہونے لگے تو مجھے خط لکھئے اور جس چیز کی بھی ضرورت ہو مجھے لکھئے''۔[3]

یزید نے دوبارہ نعمان بن بشیر کو بلایا اور ان سے کہا:

''دیکھو! اہلِ بیتؑ کی آبرو اور ان کی عزّت و عظمت کا خیال رکھنا، راتوں کو راستہ طے کرنا، ان کے آگے آگے خود چلنا اور راستہ میں اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو فراہم کرنا''۔

بہرحال دمشق سے مدینہ تک اہلِ بیتؑ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا گیا اور جن لوگوں کو یزید نے ان کے ہمراہ کیا تھا وہ نگہبانوں کی مانند انہیں اپنے حصار میں لئے رہتے اور جب کسی منزل پر اترتے

(۱) بحارالانوار، ص ۲۹۹۔ قمقام، ص۴۸، ۳۵۲ وغیرہ۔

(۲) اس وقت مجھے واقعۂ مباہلہ ۱۰ھ یاد آ رہا ہے۔ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے لئے چلے تو حسنؑ و حسینؑ رسول اللہ کے ساتھ تھے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول اللہ کے پیچھے چل رہی تھیں اور علی مرتضیٰؑ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پیچھے چل رہے تھے۔ گویا انہیں بتا دیا کہ جب کبھی اسلام پر برا وقت پڑے تو دین کو بچانے کے لئے سب کچھ قربان کر دینا اور اسلام کو بچا لینا۔ چنانچہ ان محترم ہستیوں نے قربانیاں دے کر اسلام کو بچایا اور ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو گئے۔

(۳) تاریخِ طبری ج ۵، ص ۲۳۳۔

تو وہ ان سے دور الگ ہٹ جاتے تھے تاکہ آسانی سے وضو (طہارت) وغیرہ کر لیں۔[1]

کربلا میں شہدائے کربلا کی یادگار مجلس

اہلِ بیتؑ اپنا سفر طے کرتے رہے یہاں تک کہ عراق و مدینہ کے راستے پر پہنچے، یہاں علی زین العابدینؑ نے امیرِ کارواں سے کہا کہ ہمیں کربلا لے چلو، چنانچہ وہ کربلا کی طرف مڑ گئے، جب کربلا پہنچے تو وہاں حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ[2] کو دیکھا جو چند بنی ہاشم اور خاندانِ رسولؐ کے ساتھ امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ سیّدانیوں نے سبطِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفِ ماتم بچھائی، قافلہ ۲۰ صفر ۶۲ھ مطابق ۶۸۲ء کو کربلا دوبارہ پہنچا تھا۔

(۱) صحیفۂ کربلا، تالیف حجۃ الاسلام علی نظری منفرد، ص ۴۷۲۔

(۲) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بن عمرو بن حرام انصاری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تقریباً اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے تھے، پھر حضرت علیؑ کے ساتھ جنگِ صفّین میں رہے، ان سے بہت سی احادیث منقول ہیں، آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ۹۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (الاستیعاب)

کربلا میں شہدا کی ابتدائی مجالس

کربلا میں قافلہ کی آمد کی مختلف روایات کو یکجا کریں تو صورتِ حال کچھ یوں ہوتی ہے:

(۱) اسیرانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہادتِ امام حسینؑ کے بعد ۱۱ر محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۱ء کو کربلا سے کوفہ روانہ ہوئے پھر کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ کئے گئے۔

کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے یہ قافلہ پہلی بار ۲۰ر صفر ۶۱ھ کو کربلا سے گزرا اور وہاں امامؑ کا چہلم بپا کیا۔

(۲) ۱۴ر ربیع الاوّل ۶۱ھ مطابق ۶۸۱ء کو یہ قافلہ دمشق پہنچا تھا۔

(۳) حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب میں ۲۰ر صفر ۶۲ھ مطابق ۶۸۲ء کو کربلا معلّٰی میں زیارتِ امامؑ کے لئے پہنچا تھا تو اسی روز امام زین العابدینؑ بھی مع اہلِ حرم قید سے چھوٹ کر واردِ کربلا ہوئے تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کی موجودگی میں مجلسِ عزاء بپا ہوئی۔

قافلۂ اہلِ بیتؑ (کاش میں اب بھی قافلۂ حسینیؑ کہہ سکتا! کہوں تو کیونکر کہوں؟ اب نہ تو امامؑ عالی مقام ہیں اور نہ وہ بھرا گھر، سب اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے، اب تو مردوں میں صرف سیّدا لسجّاد علی زین العابدینؑ باقی ہیں اور اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی نواسی جنابِ زینب صلواۃاللہ علیہا اور چند سوگوار بیبیاں اور معصوم بچے اور بچیّاں ہیں) بہرحال قافلہ دوبارہ ۲۰ صفر۶۲ھ مطابق ۶۸۲ء کو کربلا پہنچا، چند روز کربلا میں قیام فرمایا، صفِ ماتم بچھائی، حسینؑ کا غم منایااور پھر یہ قافلہ مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

اہلِ بیتِ رسولؐ کا مدینہ میں ورود

اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لٹا ہوا قافلہ جب مضافاتِ مدینہ میں پہنچا توامام زین العابدینؑ نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ مخدّرات کے لئے خیمے نصب ہوئے۔ یوں تو تمام سفر رنج و الم میں گزرا، بھرا گھر لٹا۔ اب ذرا اہلِ دل غور فرمائیں، قافلہ جب مدینہ سے روانہ ہوا تھا تو پورا کنبہ ساتھ تھا۔ امامؑ عالی مقام تھے، عباسِؑ علمدار تھے، علی اکبر تھے، قاسم تھے، عون و محمد تھے، کس کس کا نام لکھوں، آنکھیں آبدیدہ اور آواز گلوگرفتہ ہے، ذرا سوچئے کیونکر لکھوں کہ ایک ماں جب مدینہ سے روانہ ہوئی تھی تو گود میں شیرخوار بچہ بھی تھا جو اب کربلا کے جلتے تپتے میدان میں زیرِ زمین سو رہا ہے۔ ماں کی گود خالی ہو چکی ہے اور بے چارگی کے عالم میں اوھر ادھر تکتی کارواں کے ساتھ چل رہی ہے، اس کیفیت کو اہلِ دل اور صاحبِ اولاد ہی سمجھ سکتے ہیں۔ شقی القلب تو ہر حال میں شقی القلب☆ ہی رہتے ہیں۔

قربِ مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ نے نعمان بن بشیر سے فرمایا:

☆ فِی قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً وَلَهُم عَذَابٌ اَلِيمٌ. بِمَا كَانُوا يَكذِبُونَ.
(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۰)
(ان کے دلوں میں ایک خاص طرح کی بیماری ہے تو اللہ نے اُن کی بیماری اور بڑھا دی اور اُنھیں ایک دردناک عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے)

"تمہارے باپ شاعر تھے، کیا تمہیں بھی شاعری سے دلچسپی ہے؟"

جواب ملا: "جی میں شاعرہوں"۔

امامؑ نے فرمایا: "حسینؑ ابنِ علیؑ کی ثنائی سنا دو"۔

نعمان نے تعمیل کی اور نوحہ سنایا۔ اس کے بعد وہ سربرہنہ، پریشاں حال، مدینۃالرّسولؐ میں داخل ہوئے اور دردناک لہجہ میں بآوازِ بلند قافلہ کی آمد کی اطلاع دی اور اشعار پڑھے:

يَا اَهلَ يَثرَبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ بِهَا   قُتِلَ الْحُسَينُ فَادْمعی مِدْرارَاً
وَالْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلا مُضَرِّجُ   وَالرَّاْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارَ

(مدینہ والو! مدینہ رہنے کی جگہ نہیں رہی، حسینؑ قتل ہوگئے۔ انہیں کے سوگ میں میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ان کی نعش کربلا میں خاک وخون میں غلطاں ہے اور ان کے سر کی نیزہ پر تشہیر کی گئی)

اور بشیر نے یہ بھی کہا کہ "اے مدینہ والو! علی بن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ساتھ تمہارے قریب تشریف لا چکے ہیں میں تمہیں اُن کے آمد کی اطّلاع اورشہادتِ حسینؑ کی خبر دینے آیا ہوں"۔

اہلِ مدینہ نے سنا تو کہرام مچ گیا، عورتیں، بچے اور مرد گھروں سے نکل آئے اور قافلہ کی طرف دوڑ پڑے۔ امّ المومنین حضرت امّ سلمہ سلام اللہ علیہا زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جنابِ امّ البنین زوجۂ علیؑ مرتضیٰؑ (مادرِ عبّاسِؑ علمدار) اور خاندانِ عبدالمطلب کی دیگر خواتین "وا حسینا" کی صدائیں بلند کرتی ہوئی گھروں سے نکلیں اور قافلہ کی طرف بڑھیں۔ امام زین العابدینؑ کو دیکھنا تھا کہ کہرام بپا ہوگیا۔ ہاتھ میں رعشہ ہے، آنکھوں میں آنسو امڈ آئے ہیں، قلب منقلب ہے پھر

کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟ بہرحال امام علی زین العابدینؑ نے جو کچھ فرمایا پیش کیا جا رہا ہے:

"اے لوگو! ہم بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے۔ دیوارِ اسلام میں بہت بڑی دراڑ پڑ گئی۔ ابا عبداللہ الحسینؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ قتل کر دیئے گئے ان کی خواتین اور بچے قیدی بنائے گئے اور لشکر یزید نے شہداء کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں۔ اے لوگو! تم میں سے کون ایسا ہے جو شہادتِ حسینؑ کے بعد خوش رہے، کون سا دل ہے جو غمِ حسینؑ سے متاثر نہ ہو اور کون سی آنکھ ہے جو حسینؑ پر آنسو نہ بہائے۔

اے لوگو سنو! شہادتِ حسینؑ پر ساتوں آسمان روئے، سمندر اور اس کی موجیں روئیں، زمین اور اس کے اطراف روئے، درخت اور اس کی شاخیں روئیں، مچھلیاں اور بحری جانور روئے، ملائکۃ المقربین روئے اور تمام آسمان والے روئے۔ اے لوگو! کون سا دل ہے جو شہادتِ حسینؑ کی خبر سن کر پھٹ نہ جائے، کون سا دل ہے جو محزوں نہ ہو"۔☆

اس ماحول میں کاروانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں داخل ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرمِ مطہر کے آثار نظروں کے

☆ مقتل ابی مخنف، ص ۱۸۸۔ ناسخ التواریخ ج ۴۔

سامنے آئے تو حضرتِ امِّ کلثومؑ نے یہ نوحہ پڑھنا شروع کیا:

"اے ہمارے جد کے مدینہ تُو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم جب آپ سے جدا ہو کر نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل و عیال موجود تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں تو ناامید اور مایوس ہیں، ہم ضائع ہو گئے سوائے باریٔ تعالیٰ کوئی ہمارا کفیل و مددگار نہیں ہے۔ ہم نوحہ کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو در بدر اونٹوں پر پھرائے گئے اور ان اونٹوں پر سوار کئے گئے جو بے کجاوہ تھے۔

ہم دخترانِ آلِ یٰسین و طٰہٰ ہیں۔ ہم لوگ وہ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں پر جو پیشوا تھے، آگاہ ہو اے جدِ بزرگوار کہ لوگوں نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا"۔

واقعات نہایت پُردرد اور طویل ہیں، میں لکھ نہیں سکتا، آپ پڑھ نہیں سکتے۔ اہلِ قافلہ رکے رہے، واقعات سناتے رہے لیکن سیّدالسجادؑ سیدھے روضۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے۔

سیّدالسجادؑ روضۂ رسولؐ پر

تاریخ الخمیس میں روایت ہے:

"جب اہلِ بیتؑ کا قافلہ شہرِ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام زین العابدینؑ سیدھے اپنے جدِّ بزرگوار کے

روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سر رکھ کر فریاد کی:

"اے نانا ! اے افضل المرسلین ! آپ کا محبوب (حسینؑ) شہید کر دیا گیا۔ اے نانا ! آپ کے حسینؑ کو فرات کے کنارے بھوکا پیاسا قتل کیا گیا اور آپ کی ذرّیت تباہ و برباد کر دی گئی۔ اے نانا ! مجھے قید کیا گیا اور آپ کے اہلِ بیتؑ کو سربرہنہ پھرایا گیا ، ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو انگلیوں پر شمار نہیں کئے جا سکتے۔"[1]

جنابِ زینبؑ ، جنابِ امِّ کلثوم بھی روضۂ رسولؐ پر حاضر ہوئیں۔ جنابِ زینب نے مسجدِ نبویؐ کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: "اے جدِّ نامدار میں آپؐ کے پاس بھائی حسینؑ کی خبرِ شہادت لائی ہوں"۔ جنابِ امِّ کلثوم قبرِ رسولؐ کی طرف بڑھیں اور عرض کیا: "اے نانا ! آپ پر درود و سلام ہو ، میں آپؐ کے فرزند حسینؑ کی خبرِ شہادت سنانے آئی ہوں"۔[2]

سیّدہ زینبؑ نانا حضور کے شہر میں

مدینہ پہنچ کر بھی سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کو سکون نصیب نہ ہوا ،

(۱) مقتل ابی مخنف ص ، ۱۴۳۔
(۲) بحار ، ص ۲۳۳۔ ناسخ ، ج ۶ ، ص ۲۵۷۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ اس وقت جنابِ سکینہ بنت الحسینؑ نے بلند آواز سے کہا: "جدِّ بزرگوار جو کچھ ہم پر مصائب و آلام گزرے ہیں تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کرتی ہوں"۔

سکون کیونکر نصیب ہوتا ، دل و جگر کے ٹکڑے کربلا میں بھوکے پیاسے جدا ہو گئے تھے۔ ان کی یاد میں ہر وقت اداس رہتی تھیں۔ کبھی عباسؑ کے کٹے ہوئے بازو یاد آتے تو کبھی اکبرؑ کے سینہ میں پیوست برچھی کا پھل، کبھی قاسمؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑنے کا سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا تو کبھی معصوم علی اصغرؑ کا تبسّم یاد آ جاتا۔ کبھی عونؑ کی جوانی کا تصور دل میں موجزن ہوتا تو کبھی محمدؑ کا ابھرتا ہوا شباب۔ کبھی مسلم بن عقیلؑ کا دارالامارہ کی چھت سے گرایا جانا آنکھوں کے سامنے آ جاتا ، تو کبھی طفلانِ مسلم کی ننھی ننھی نعشیں دریا کی طوفانی موجوں میں بہتی نظر آتیں۔ کبھی مسلم بن عوسجہ یاد آتے تو کبھی حبیب ابن مظاہر۔ کبھی زہیر بن قین یاد آتے تو کبھی عبداللہ ابن عمیر۔ کبھی حسینؑ کا گھوڑے سے نیچے آنا یاد آتا تو کبھی خالی گھوڑے کا خیموں کی طرف واپس آنا۔ کبھی شامِ غریباں یاد آتی تو کبھی معصوم بچوں کی آہیں۔ کبھی ابن زیاد کے دربار میں پیش ہونا یاد آتا تو کبھی یزید کے ایوانِ سلطنت میں گھنٹوں کھڑے رہنا ، کبھی زندان کی تنگ و تاریک کوٹھریاں یاد آتیں تو کبھی خرابۂ شام کی ٹوٹی ہوئی دیواریں اور کبھی مدینہ کا شاد و آباد گھر یاد آتا تو کبھی نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روضہ ، کبھی کربلا کے تپتے صحرا میں شہداء کی بے گور و کفن نعشیں یاد آتیں تو کبھی معصوم سکینہ کا پانی کا کوزہ لے کر مقتل کی طرف دوڑنا۔ یہ سب غم والم اور مصیبت و درد کے وہ اسباب تھے جس نے نبیؐ کی نواسی اور علیؑ کی بیٹی کے دل کو رنج و غم کی آماجگاہ بنا دیا تھا جس کا تصوّر کر کے نیک انسان حزن و ملال کا پیکر بن جاتا ہے۔ عالم یہ تھا کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا ایک بے جان ڈھانچہ بن گئیں ، گویا لگتا تھا جیسے رسولؐ زادی کے جسم میں روح ہی نہیں۔

زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنے گھر یعنی عبد اللہ بن جعفرِ طیّار کے گھر کو غم کدہ بنا لیا اور ہمیشہ گریہ و بکا میں مشغول رہتیں۔ آپ کے ساتھ دوسری بیبیاں بھی سیاہ لباس پہن کر شب و روز نوحہ و ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔ مختصر یہ کہ آلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گھر عزاخانہ بن گیا۔

ہاں ، جب امیرِ مختار نے ۶۶ ,۶۷ھ مطابق ۶۸۵-۶۸۶ء میں عبید اللہ ابنِ زیاد ، عمر ابنِ سعد اور چند دیگر قاتلین کے سر امامِ مظلوم حضرت علی زین العابدینؑ کی خدمت میں بھجوائے تو دشمنانِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہلاکت پر گھر میں قدرے سکون ہوا لیکن اس وقت جنابِ زینب سلام اللہ علیہا دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اتنے مصائب جھیلنے کے بعد اور بے حد کمزور ہونے کی وجہ سے جنابِ زینبؑ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں اور ۱۵ رجب ۶۲ھ مطابق ۶۸۲ء میں آپ انتقال فرما گئیں (تفصیلات کے لئے مصنفِ ہٰذا کی تصنیف ''نبیؐ کی نواسی'' ملاحظہ فرمائیں)۔

سیّد الشہداء حضرتِ امام حسینؑ کے سرِ مبارک کی تدفین

تدفینِ سرِ امامِ مظلوم کے بارے میں مختلف روایات ہیں:

(۱) پہلی روایت کے مطابق قافلۂ اہلِ بیت کو جب مدینہ روانہ کیا گیا تو حضرت علی زین العابدینؑ سرِ مبارک ساتھ لائے اور کربلا میں جسدِ مبارک کے ساتھ ملحق کر کے دفن کیا گیا۔

(۲) ایک طبقہ کہتا ہے کہ سرِ حسینؑ کو یزید نے عمرو بن سعید بن عاص کے پاس بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ ان کی والدۂ گرامی جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر کے پاس دفن کر دیا جائے۔

(۳) بعض کا بیان ہے کہ سرِ امام حسینؑ یزید کے خزانے میں تھا یہاں تک کہ جب منصور بن جمہور اس کے خزانے میں داخل ہوا تو اسے سرخ رنگ کے عطر دان میں پایا جس میں اس وقت تک سیاہ خضاب کا اثر موجود تھا ، چنانچہ سرِ شہید کو دمشق میں باب الفرادیس مسجدِ کوفہ کے پاس دفن کیا گیا۔

(۴) بعض نے کہا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک بن مروان نے سرِ اقدس کو یزید کے خزانے میں دیکھا ، اسے دیبا کے پانچ پارچے پہنائے اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور اسے قبر کھود کر دفن کر دیا۔

(۵) علماء امامیہ کے درمیان مشہور ہے کہ یا تو اسے آپؑ کے جسد شریف کے ساتھ دفن کیا گیا جب علی زین العابدینؑ شام سے کربلا پہنچے تھے یا یہ کہ اسے امیرالمومنینؑ کے روضے کے پاس دفن کیا گیا۔

ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ سیّد مرتضٰی نے بعض مسائل میں فرمایا کہ سرِ حسینؑ شام سے واپس کربلا لایا گیا اور آپؑ کے بدن مبارک کے ساتھ اسے دفن کیا گیا۔

ایک اور مشہور روایت کے مطابق سرِ سید الشہداء مسجد حسینی قاہرہ میں دفن ہے ، مسجد حسینی قاہرہ کی دیوار کا وہ حصہ جہاں حضرت امام حسینؑ کا سر دفن ہے اس پر نبی اخرالزمانؐ کی ایک حدیث کندہ ہے۔ تصویرِ حصہ تصاویر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اب ہم ان چند محترم خواتین کا ذکر کر رہے ہیں جن کا معرکۂ کربلا میں اہم کردار رہا ہے لیکن پچھلے صفحات میں ذکر نہیں ہو سکا:

حضرتِ امّ کلثوم بنتِ علیؑ

آپ کا زینبِ صغریٰ نام اور اُمّ کلثوم کنیت تھی(۱)۔ حضرت علیؑ بن ابی طالب اور جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بنتِ محمد مصطفیٰؐ کی چھوٹی بیٹی تھیں۔ رسول اللہؐ کے زمانہ کے آخر میں متولّد ہوئی تھیں اور تقریباً دو سال کی عمر میں اپنے نانا آنحضرتؐ اور اس کے چند ہی ماہ بعد اپنی والدۂ گرامی کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئیں۔ آپ کا عقد محمد بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ہوا تھا۔

بیوہ ہونے کے بعد سے آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ رہیں اور اسی دوران میں اپنے شفیق باپ کی شہادت سے انتہائی درجہ دل شکستہ ہوئیں۔ آخری رات جس کی صبح کو حضرت علیؑ کے سر پر ابنِ ملجم نے تلوار لگائی حضرت علیؑ اپنی اسی بیٹی کے مہمان تھے۔ اس رات کے تمام حالات جناب امّ کلثوم ہی کی زبانی وارد ہوئے ہیں۔ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے سرِمبارک پر ضربت لگنے کے بعد آپ بیت الشّرف میں لائے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ زہر کی تاثیر بڑھتی رہی اور امّ کلثوم شدّت کے ساتھ گریہ کرتی رہیں(۲)۔

دینوری نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ مدینہ کی سکونت ترک فرما کر مکّہ تشریف لے گئے تھے تو آپ کی دونوں

(۱) ارشاد، ص۱۸۹۔

(۲) ارشاد، ص۸۔۹۔

بہنیں زینب اور امّ کلثوم آپ کے ساتھ تھیں(۱)۔ بازارِ کوفہ میں زینبِ کبریٰ کے خطبہ کے بعد آپ نے بھی بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی۔

حضرتِ رقیّہ بنتِ علیؑ بن ابی طالب

آپ عمر بن علیؑ کی حقیقی بہن بلکہ انہی کے ساتھ توَ اُم پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ امّ حبیب بنتِ ربیعہ تھیں(۲)۔

آپ کا عقد حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ ہوا تھا۔ مدینہ سے اپنے شوہر کی معیت میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ چلی تھیں۔ جب حضرت مسلم مکّہ سے کوفہ کی طرف روانہ کر دیئے گئے تھے تو آپ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ گئیں۔ مکّہ سے روانگی کے بعد راستے میں آپ کو اپنے شوہر کی شہادت کی اطلاع ہوئی اور کربلا پہنچ کر روزِ عاشور آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو امامؑ پر نثار کر دیا تھا۔ پھر اسیری میں اپنی دونوں بہنوں زینب و امّ کلثوم کے ساتھ روح فرسا مصائب و آلام کا مقابلہ کرتی رہیں۔ رہائی کے بعد انہی کے ساتھ مدینہ واپس گئیں۔

حضرتِ لیلیٰ ثقفیہ

آپ حضرت علی اکبر (ابن الحسینؑ) کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ کے نام و نسب اور خاندانی خصوصیات کا تذکرہ حضرت علی اکبر کے حالات میں ہو چکا ہے۔ آپ معرکۂ کربلا میں موجود تھیں اور اسیری میں

(۱) الاخبار الطوال، ص۲۳۰۔

(۲) ارشاد، شیخ مفید، ص۱۸۹۔

دخترانِ علیؑ وفاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھیں۔ مگر اس کے بعد سے آپ کے حالاتِ زندگی کا تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

حضرتِ رباب بنتِ امراء القیس کلبی

آپ علی اصغر اور سکینہ بنت الحسینؑ کی والدۂ گرامی تھیں۔ آپ میدانِ کربلا میں موجود تھیں اور اسیری میں بھی شریک تھیں لیکن رہائی کے بعد آپ نے مدینہ جانے سے انکار کر دیا اور ایک سال تک قبرِ حسینؑ پر خیمہ لگا کر مجاور کی حیثیت سے مقیم رہیں۔ جس میں شب و روز مجلسِ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم میں مصروف رہتی تھیں[1]۔

ایک سال کے بعد مدینہ واپس ہوئیں۔ یہاں بھی آپ نے امام حسینؑ کا ماتم برپا کیا اور عرصۂ دراز تک وہ ،اُن کی کنیزیں اور اُن سے وابستگی رکھنے والی خواتین نوحہ وزاری میں مصروف رہیں[2]۔

حضرتِ فاطمہ بنت الحسینؑ

آپ کی والدہ امّ اسحٰق بنتِ طلحہ بن عبداللہ تیمیہ تھیں[3]۔

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کے فرزند حسن (مثنیٰ) نے اپنے چچا حضرت امام حسینؑ سے آپؑ کی دو صاحبزادیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عقد کی خواستگاری کی۔ حضرت نے فرمایا ''ان دونوں میں سے جس کے ساتھ تم کہو تمہارا عقد کیا جائے''۔ حسن نے شرم سے سر جھکا

---

(۱) اصابہ ، طبع مصر ، ج۱ ، ص۱۱۳۔
(۲) کافی ، ج۱ ، ص۲۹۶۔
(۳) ارشاد ، ص۲۶۹۔

لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا ''اچھا میں خود تمہارے لئے اپنی لڑکی فاطمہ کو منتخب کرتا ہوں کیونکہ وہ میری مادرِ گرامی فاطمہؑ بنتِ رسولؐ سے زیادہ مشابہ ہے''[1]۔

حضرت امام حسینؑ کو اپنی صاحبزادی پر اتنا اعتماد تھا کہ جب آپ میدانِ کربلا میں بعزمِ جہاد تشریف لے جا رہے تھے تو چونکہ آپؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ شدّتِ بیماری سے غش میں تھے آپؑ نے مخصوص تحریری امانتیں اور وصیّت نامہ ایک سر بند لفافہ میں فاطمہ کے سپرد فرمایا، بعد میں فاطمہ نے یہ چیزیں اپنے بھائی کے سپرد کیں[2]۔

آپ واقعۂ کربلا کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ آپ کا راویانِ احادیث میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ المحض آپ کے واسطہ سے نقلِ حدیث کرتے تھے[3]۔

آپ اپنے بھائی حضرت امام زین العابدینؑ کے ساتھ خلوص و محبت رکھتی تھیں اور اپنی اولاد کو حضرت کے پاس بیٹھنے اور استفادہ کرنے کی ہدایت کرتی تھیں[4]۔

آخر میں آپ کو اپنے شوہر حسن بن حسنؑ کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ آپ نے ایک سال تک ان کی قبر پر اپنا خیمہ برپا رکھا[5] اور برابر دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر نمازیں پڑھتی تھیں۔ جب ایک سال کامل ہو چکا تو

---

(۱) ارشاد ، ص۲۰۱۔
(۲) کافی ، ج۱ ، ص۱۷۹ و۱۸۸۔
(۳) کافی ، ج۱ ، ص۲۹۴۔ ابنِ ہشام ، ج۱ ، ص۱۵۳۔
(۴) ارشاد ، ص۲۰۲۔
(۵) بخاری ، ج۱ ، ص۱۴۷۔

خیمہ ہٹایا گیا اور آپ مدینہ واپس گئیں۔☆

حضرتِ سکینہ بنتِ الحسینؑ

آپ رباب مادرِ علی اصغر کے بطن سے تھیں۔ واقعۂ کربلا میں آپ بہت کم سن تھیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد آپ کی زندگی کے جو حالات ملتے ہیں وہ معتبر و مستند طریقہ سے ثابت نہیں ہیں۔

جب کہ خواتینِ اہلِ بیتِ رسالتؐ کا تذکرہ ہو رہا ہے تو بعض ایسی خواتین کا بھی یہاں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو میدانِ کربلا میں خود تو موجود نہ تھیں لیکن کربلا کے واقعات سے اہم تعلّق رکھتی تھیں۔

امّ المومنین حضرت امّ سلمٰی زوجۂ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰؐ

آپ ازواجِ رسالتمآبؐ میں انتہائی نیک نہاد اور مقدّس و محترم بی بی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ہجرت کے دوسرے سال جنگِ بدر کے بعد آپ سے عقد کیا تھا۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد بھی امّ سلمہؓ کو حضرت کے اہلِ بیت یعنی علیؑ بن ابی طالب اور حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ خاص الفت و محبت رہی۔ چنانچہ جنگِ جمل کے موقع پر جب امّ المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؑ کے خلاف صف آرائی کی تھی اور اس کی خبر مدینہ پہنچی تھی تو حضرت اُم المومنین امّ سلمہؓ نے حضرت علیؑ بن ابی طالب سے کہا کہ ”اگر میرے لئے گھر سے نکلنا شرعاً ممنوع نہ ہوتا اور مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ اسے کبھی گوارا نہ کریں گے تو میں خود آپ کے

☆ ارشاد، ص۲۰۳۔

ساتھ جنگ میں چلتی مگر کیا کروں مجبور ہوں کہ نکل نہیں سکتی“۔

بہرحال اپنے فرزند عمر کو جسے میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں آپؑ کے ساتھ بھیجتی ہوں۔ وہ آپؑ کی نصرت میں جنگ کرے گا“۔

چنانچہ یہ برابر حضرت علیؑ بن ابی طالب کے ہمرکاب رہے۔ اس سے قبل حضرت علیؑ نے آپ کو حکومتِ بحرین تفویض فرمائی تھی جس پر وہ ایک عرصہ تک قائم رہے۔☆

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت امّ سلمہؓ نے روزِ عاشور رسول اللہؐ کو خواب میں اس حالت سے دیکھا کہ آپؐ رو رہے تھے اور آپؐ کے سر و ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ امّ سلمہؓ نے سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”ابھی ابھی میرا فرزند حسینؑ قتل کر دیا گیا ہے“۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق حضرت امّ سلمہؓ کا وجود ۶۳ھ تک معلوم ہوتا ہے مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے ماہِ محرم روزِ عاشور ۶۱ھ کو انتقال فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضورؐ نے آپؓ کو ایک مٹھی خاک دی تھی اور فرمایا تھا جس دن یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھنا میرا فرزند شہید ہوگیا۔

حضرتِ امّ البنین زوجۂ امیرالمومنین علیؑ ابنِ ابی طالب

آپ کے نام و نسب اور خاندانی خصوصیات کا تذکرہ حضرت ابوالفضل العباس اور ان کے بھائیوں کے حالات کے ذیل میں آچکا ہے۔

☆ طبری، ج۵، ص۱۶۷۔

جس ماں کے ایسے چار بیٹے ہوں اور وہ سب کے سب ایک دن میں شہید ہو جائیں اس کے تاثرات زبانِ قلم سے کہاں ادا ہو سکتے ہیں۔ شرح کامل میں ابوالحسن اخفش عرب کے ایک بڑے ادیب کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ واقعاتِ کربلا سے مطلع ہونے کے بعد امّ البنین روزانہ جنّت البقیع کی طرف عباس کے کم سن فرزند عبیداللہ کو ساتھ لے کر چلی جاتی تھیں اور وہاں عباس کا مرثیہ پڑھتی تھیں جو اتنا دردناک ہوتا تھا کہ مدینہ کے لوگ وہاں جمع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ مروان بن الحکم کا ساخاندان نبوت کا دشمن بھی اکثر اس مجمع میں دکھائی دیتا تھا۔ آپ کے پُردرد اشعار کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

آپ کے یہ اشعار پُردرد ہی نہیں بلکہ اس قوتِ نفس کے بھی حامل ہوتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ عباس ایسے مجاہدِ راہِ خدا کی ماں ہیں۔ چنانچہ آپ کے اشعار میں سے بعض تاریخ کے اوراق تک پہنچ کر ہماری نظر سے بھی گزرے ہیں جن کا مفہوم درج ذیل ہے:

"کہاں ہیں اس منظر کے دیکھنے والے کہ جب میرا شیر دل عبّاس حملہ آور ہو رہا تھا، بھیڑوں کے گلّے پر اور اس کے پیچھے تھے حیدرِ صفدر (علیؑ بن ابی طالب) کی اولاد میں سے کئی باہمّت شیر۔ ہائے افسوس کہ میرے فرزند کا سر گرزِ گراں سے شگافتہ کیا گیا، اس وقت کہ جب اس کے

دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔ اے عبّاس! مجھے یقین ہے کہ اگر تلوار تیرے ہاتھ میں ہوتی تو کسی کی ہمّت نہ تھی کہ تیرے قریب آسکتا"۔

"اے لوگو! اب مجھے "امّ البنین" (فرزندوں کی ماں) نہ کہو، اس لئے کہ اس سے مجھے میرے شیر یاد آجاتے ہیں۔ میرے کئی بیٹے تھے جن کی طرف نسبت دے کر میں پکاری جاتی تھی۔ اب تو میرے بیٹے ہی نہیں رہ گئے۔ وہ چاروں جو مثلِ باز ہائے شکاری کے تھے موت کے گلے میں بانہیں ڈال چکے۔ نیزوں نے ان کے ٹکڑے کر دیئے اور وہ سب زمین پر بے جان ہو کر گر گئے۔ کیا صحیح ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عبّاس کے ہاتھ بھی قطع کر دیئے گئے تھے"۔

یہاں اصحاب حسینیؑ سے نسبت رکھنے والی ان خواتین کا ذکر بھی مناسب ہوگا جن کا کوئی نہ کوئی کارنامہ واقعات کربلا کی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے تاکہ اس معرکہ میں خواتین کے کردار کا اندازہ ہوسکے۔

دلہم بنتِ عمرو

یہ زہیر بن القین کی زوجہ تھیں۔ ان کا ذکر حضرت امام حسینؑ کے سفرِعراق کے سلسلہ میں منزلِ زرود کے حالات میں آچکا ہے۔

یہ محترم خاتون اپنے شوہر کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کو گئی ہوئی تھیں۔ ان کے شوہر زہیر اب تک خاندانِ رسولؐ سے کوئی خاص ربط ضبط نہ رکھتے تھے بلکہ عام طور سے عثمانی جماعت میں سمجھے جاتے تھے

لیکن جہاں تک دلہم بنتِ عمرو کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس خاتون کے دل میں مخفی طور پر سہی اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ عقیدت موجود تھی۔ اسی بناء پر جب منزلِ زرود میں حضرت امام حسینؑ نے زہیر کے بلانے کو آدمی بھیجا اور زہیر کو جانے میں تامّل ہوا تو اس خاتون نے کہا کہ ''سبحان اللہ فرزندِ رسولؐ تمہارے بلانے کو آدمی بھیجیں اور تم نہ جاؤ، بڑے غضب کی بات ہے۔ ذرا جا کر سنو تو کہ حضرت کیا فرماتے ہیں''۔ اسی بصیرت افروز فقرہ کا اثر تھا کہ زہیر گئے اور واپس آئے تو جان و دل سے امامؑ کی نصرت پر آمادہ ہو کر۔ بے شک اس خاتون کو خود واقعۂ کربلا میں شرکت کا موقع نہیں ملا اس لئے کہ زہیر نے انہیں اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا بلکہ اسی منزل پر انہیں طلاق دے کر ان کے میکے بھجوا دیا اور خود امام حسینؑ کے ساتھیوں میں شامل ہوگئے مگر اس کی محرک یہی خاتون تھیں۔ اس لئے آپ کو واقعۂ کربلا کے تذکرہ میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا''۔

اُمِّ وہب بنتِ معبد

قبیلۂ نمر بن قاسط میں سے عبداللہ بن عمیر کلبی کی زوجہ تھیں۔ کوفہ میں قبیلۂ ہمدان کے مقام ''بئر الجہد'' کے پاس ان کا مکان تھا جو کوفہ کی گنجان آبادی سے باہر نخلیہ کے حدود میں باغاتِ خرما کے قریب تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ابنِ زیاد کو پہنچی اور اس نے اپنا لشکرگاہ نخلیہ میں قرار دیا اور عبداللہ نے اس فوج کشی کا سبب معلوم ہونے پر یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کی مدد کو جائیں گے تو انہوں نے اپنے اس مبارک ارادہ کا ذکر اپنی اسی قابلِ اعتماد اور وفادار

بیوی ام وہب سے کیا۔ اس نے بغیر کسی تردّد اور ہراس کے اپنے شوہر کی ہمّت افزائی کی اور کہا ''تم نے بالکل ٹھیک ارادہ کیا ہے خدا تمہارے ارادہ میں برکت عطا کرے۔ ضرور ایسا ہی کرو اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور انصارِ حسینؑ کے ساتھ کربلا میں جاکر ملحق ہوگئے۔ تفصیل پچھلے صفحات میں لکھی جاچکی ہے۔

زوجۂ مسلم بن عوسجہ

فاضل ساوی نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم کے علاوہ جتنے انصارِ امام حسینؑ تھے وہ کربلا میں اپنے اہل و عیال کو ساتھ نہیں لائے تھے اس لئے کہ جو افراد مدینہ سے ساتھ آئے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت بیعتِ یزید سے انکار کے لئے کیسے غیراطمینانی طریقہ پر تشریف لے جا رہے ہیں ایسے حالات میں اپنے ساتھ متعلّقین کیوں لاتے؟ اور جو لوگ راستے میں پہنچے یا کربلا میں آکر شریک ہوئے وہ دشمنوں کی ناکہ بندی سے بچتے ہوئے خود ہی سخت مشکلوں سے جان بچا کر آئے تھے۔ اسی صورت میں وہ اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کو کیونکر لاسکتے تھے؟

بس صرف تین افراد تھے جو کربلا میں اپنے متعلّقین کے ساتھ آئے تھے:(۱) عبداللہ بن عمیر کلبی (۲) جنادہ بن حارث سلمانی (۳) مسلم بن عوسجہ۔ ان حضرات نے اصحاب حسینؑ کے خیام کے ساتھ اپنا خیمہ لگایا اور عورتوں کو خیامِ حسینؑ میں اہلِ حرم کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ جنگِ مغلوبہ میں قبلِ ظہر جب مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے تو ان کی ایک کنیز نے بلند آواز سے روتے ہوئے کہا:

"واسیداہ وامسلم بن عوسجاہ"

(ہائے میرے آقا، ہائے مسلم بن عوسجہ)

اسی آواز سے فوجِ شام کو یہ علم ہوسکا کہ مسلم شہید ہوگئے ہیں۔[1]

بحریہ بنتِ مسعود

یہ جنادہ بن کعب انصاری کی زوجہ تھیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ امام حسینؑ کے قافلہ میں آئی تھیں۔ جنادہ بن کعب کی شہادت کے بعد انہوں نے نو عمر فرزند عمرو بن جنادہ کو امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کرنے کو بھیجا۔ جب امام حسینؑ نے اس کی نو عمری کے پیشِ نظر اجازت دینے میں تعامل فرمایا تو بچہ نے کہا میری ماں ہی نے تو مجھے جنگ کا لباس پہنا کر بھیجا ہے۔ یہ خاتون بچہ کو میدان میں جنگ کرتے ہوئے خیمہ کے دروازے پر کھڑی دیکھتی رہیں۔ بے رحم دشمنوں نے بچہ کا سر کاٹ کر فوجِ حسینی کی طرف پھینکا تو بہادر ماں نے اس سر کو اٹھا کر کہا :شاباش بیٹا! شاباش تونے میرے دل کو خوش کر دیا اور آنکھوں میں ٹھنڈک ڈال دی پھر اس سر کو فوجِ لعین کی طرف پھینک دیا اور خود بھی ایک آہنی گرز لیکر حملہ آور ہوئیں لیکن امامؑ نے حکمِ اسلامی یاد دلایا کہ عورتوں پر تلوار لے کر جہاد کرنا ساقط ہے تو آپ اہلِ حرم کے پاس واپس چلی آئیں۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ اور زوجۂ مسلم بن عوسجہ کوفہ تک حرم حسینی کے ساتھ اسیری میں شریک رہیں لیکن کوفہ میں آپ دونوں کو آپ کے اعزاء رہا کراکے اپنے ساتھ لے گئے۔[2]

(۱) ابصار العین، ص ۱۲۸۔

(۲) ابصار العین، ص ۱۳۲۔

سلام ہو ان خواتین پر جنہوں نے مظلوم کی نصرت میں اپنے گھر بار، اپنے سہاگ اور پھر اپنی جان کو بھی نثار کر دیا۔

آخر میں چند دانشورانِ عالم کے بیانات اور شعرائے کرام کے کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

حسینؑ فخرِ انسانیت ومظہرِ صفاتِ الوہیت

(استاد حسن احمد البیرونی)

فی بیت النّبوۃ المشرفۃ الانسانیۃ المثلی والمتصلہ بالسماء بوشائج الوحی الالٰھی من اب ھو علی ابنِ ابی طالب الذی کان عنوان المروۃ والرجولۃ لیس فی التّاریخ العربی وحدہ بل فی التّاریخ الانسانیۃ جمعاومن ام ھی فاطمۃ الزّھراء بنتِ محمدبن عبداللہ التی تحمل قبامن روحہ وفیضامن نورہ ولدفی احدی لیالیٰ شعبان من السنۃ الرابعۃ الھجرۃ طفل لاکاالاطفال تطل الانسانیۃ من وجودہ وکالھامن معانی الوھیۃ وقدعی ذلک الطفل حسینا

(دارالہلال، ص ۱۸، بحوالہ بلاغۃ الحسینؑ)

(نبوتؐ کے ایسے گھر میں جہاں انسانیت کے صفات روشن تھے اور جہاں آسمان سے وحیَ الٰہی کا سلسلہ جاری رہا۔ باپ حضرت علیؑ ابن ابی طالب جو نہ صرف تاریخِ عرب میں بلکہ تمام تاریخِ انسانیت میں سرنامۂ شجاعت و جوانمردی تھے اور ماں حضرت فاطمہؑ بنتِ محمد مصطفیٰؐ جو روحِ محمد مصطفیٰؐ کا اور نورِ رسالتؐ کی ایک روشن جزو تھیں (انھیں دونوں ماں باپ سے) شعبان ۴ھ کی ایک رات کو ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ معمولی بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ انسانیت کو عزت بخشنے والا اور معنی الوہیت کو ظاہر کرنے والا تھا۔ یہی بچہ حسینؑ کے نام سے مشہور ہوا)

اسلام کا دوسرا بانی

(علامہ عائلی)

ومن ثم كان عليه السّلام جديرا بان يسمى البناء الثّانى فى الا سلام بعدجده المصطفىٰ صلواة الله عليه وباله المجددلبناية التّوحيد كما يقول شاعرالهندى معين الدين اجميرى رحمة الله

(سموالمعنی فی سموالذات ص ۱۱۲)

(حضرت امام حسینؑ نے ایک عظیم الشان قربانی پیش کرکے دینِ اسلام کو بچایا، اسی لئے آپ اس بات کے حقدار ہیں کہ آپؑ کو آپؑ کے نانا محمد مصطفیٰؐ کے بعد اسلام کا دوسرا بانی کہا جائے۔ بے شک آپؑ توحید کی بنیادوں کے مضبوط کرنے والے اور اس کے مجدد ہیں۔ جیسا کہ شاعرِ ہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اپنی رباعی میں کہا ہے:

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

(حسینؑ شاہ ہیں۔حسینؑ بادشاہ ہیں۔حسینؑ دین ہیں۔حسینؑ دین کے پناہ دینے والے ہیں۔ حسینؑ نے راہِ خدا میں اپنا سر دے دیا مگر یزید ایسے بدکار کی بیعت نہ کی۔ حق یہ ہے کہ حسینؑ لا الٰہ (الا اللہ) کی بنیاد ہیں)

حسینؑ کی شہادت رسولؐ کی شہادت ہے

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

الحكم رحمك اللّٰه ان الكمالات التى افترقت فى الانبياء عليهم السّلام قداجتمعت فى نبينا وقدزيدت له كمالات اخرى ولكن بقى له كمال لم يحصل له بنفسه وهى الشّهادة فاقتضت حكمة اللّٰه ان يلحق هذاالكمال العظيم لسائر كمالاته بعدوفاته وانقضاء ايّام خلافته الّتى تنافى المغلوبية والمظلومية برجالِ

من اهل بيته بل باقرب اقاربه واعز اولاده ومن يكون فى حكم ابنائه حتى تلحق حالهم بحاله ويندرج كمالهم فى كماله فتوجهت عناية اللّٰه بعد انقضاء ايّام الخلافة الى هذاالالحاق فاستابت الحسنينؑ عليهماالسّلام مناقب جد هماو جعلهمامرأتين لملاحظته وخدين لجماله.

(سرّ الشہادتین طبع بمبئی ص ۱ تا ۶)

"(اے خوانندہ) جان لے، اللہ تجھ پر رحم کرے، وہ کمالات جو انبیاء کرامؑ میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے تھے وہ سب کے سب ہمارے نبی حضرت محمدؐ کی ایک ذات میں موجود تھے بلکہ آپؐ میں کچھ مزید ایسے کمالات بھی تھے (جو کسی نبیؑ یا رسولؑ میں نہیں پائے گئے) لیکن ایک کمال آپؐ کی ذات میں نہ تھا اور وہ تھی شہادت، چونکہ مغلوبیت اور مظلومیت آپؐ کی شان کے خلاف تھی (جو درجۂ شہادت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے) اس لئے حکمتِ خدا کا تقاضا ہوا کہ صفتِ شہادت کا الحاق آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے تمام کمالات کے ساتھ کیا جائے (وہ اس طرح ممکن تھا کہ) آپؐ کے اہلِ بیتؑ میں سے بلکہ آپؐ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کچھ نفوس اور آپؐ کی وہ نہایت عزیز اولاد جو آپؐ کے بیٹوں کے حکم میں ہو، شہید ہوں تاکہ ان کا کارنامہ آپؐ کا کارنامہ سمجھا جائے اور ان کا کمال آپؐ کے کمالات میں شمار کیا جائے۔ اس لئے خدا نے چاہا کہ حضرت محمدؐ کے زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد صفتِ شہادت کا آپؐ کے صفات کے ساتھ الحاق کیا جائے۔ لہٰذا خدا نے حسنؑ اور حسینؑ کو ان کے نانا کے مقام پر آپؐ کا نائب قرار دیا (اور ان دونوں (نواسوں کو) آپؐ کے کمال و جمال کا آئینہ قرار دیا)"۔(سرّ الشہادتین)

حضرتِ امام حسینؑ شہید شہید کے فرزند اور شہداء کے باپ ہیں

(عباس محمود العقاد)

"فليس فى العالم اسرة انجبت من الشّهداء من انجبتهم اسرة الحسينؑ عدّة وقدرة وذكرة حسبه انّه وحده فى تاريخ هذه الدنيا الشّهيد بن الشّهيدابوالشّهداء فى معات السّنين"

(ابوالشہداء، ص ۲۳۰ بحوالہ بلاغۃ الحسین)

اسلام کا دوسرا بانی

(علاّمہ عائلی)

ومن لم کان علیہ السّلام جدیرا بان یسمی البناء الثّانی فی الا سلام بعدجدہ المصطفےٰ صلواۃ اللّٰہ علیہ وبانّہ المجددلبنایۃ التّوحید کما یقول شاعر الھندی معین الدین اجمیری رحمۃ اللّٰہ

(سموالمعنی فی سموالذات ص ۱۱۲)

(حضرت امام حسینؑ نے ایک عظیم الشان قربانی پیش کرکے دینِ اسلام کو بچایا، اس لئے آپ اس بات کے حقدار ہیں کہ آپؑ کو آپؑ کے نانا محمد مصطفےؐ کے بعد اسلام کا دوسرا بانی کہا جائے۔ بے شک آپؑ توحید کی بنیادوں کے مضبوط کرنے والے اور اس کے مجدد ہیں۔ جیسا کہ شاعرِ ہند خواجہ معین الدّین چشتی اجمیریؒ نے اپنی رباعی میں کہا ہے:

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

(حسینؑ شاہ ہیں۔ حسینؑ بادشاہ ہیں۔ حسینؑ دین ہیں۔ حسینؑ دین کے پناہ دینے والے ہیں۔ حسینؑ نے راہِ خدا میں اپنا سر دے دیا مگر یزید ایسے بدکار کی بیعت نہ کی۔ حق یہ ہے کہ حسینؑ لا الٰہ (الا اللہ) کی بنیاد ہیں)

حسینؑ کی شہادت رسولؐ کی شہادت ہے

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

الحکم رحمک اللّٰہان الکمالات التی افترقت فی الانبیاء علیھم السّلام قداجتمعت فی نبیناوقدزیدت لہ کمالات اخری ولکن بقی لہ کمال لم یحصل لہ بنفسہ وھی الشّھادۃ فاقتضت حکمۃ اللّٰہ ان یلحق ھذالکمال العظیم لبماثر کمالاتہ بعدوفاتہ وانقضاء ایّام خلافتہ الّتی تنافی المغلوبیۃ والمظلومیۃ برجالِ

من اھل بیتہ بل بالقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابناءہ حتی تلحق حالھم بحالہ ویندرج کمالھم فی کمالہ فتوجھت عنایۃ اللّٰہ بعد انقضاء ایّام الخلافۃ الی ھذاالالحاق فاستنابت الحسنینؑ علیھماالسّلام مناقب جد ھماو جعلھمامرأتین لملاحظتہ وخدین لجمالہ.

(سرّ الشّہادتین طبع بمبئی ص ۱ تا ۶)

"(اے خوانندہ) جان لے، اللہ تجھ پر رحم کرے، وہ کمالات جو انبیاء کرامؑ میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے تھے وہ سب کے سب ہمارے نبی حضرت محمدؐ کی ایک ذات میں موجود تھے بلکہ آپؐ میں کچھ مزید ایسے کمالات بھی تھے (جو کسی نبیؑ یارسولؑ میں نہیں پائے گئے) لیکن ایک کمال آپؐ کی ذات میں نہ تھا اور وہ تھی شہادت، چونکہ مغلوبیت اور مظلومیت آپؐ کی شان کے خلاف تھی (جو درجۂ شہادت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے) اس لئے حکمتِ خدا کا تقاضا ہوا کہ صفتِ شہادت کا الحاق آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے تمام کمالات کے ساتھ کیا جائے (وہ اس طرح ممکن تھا کہ) آپؐ کے اہلِ بیتؑ میں سے بلکہ آپؐ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کچھ نفوس اور آپؐ کی وہ نہایت عزیز اولاد جو آپؐ کے بیٹوں کے حکم میں ہو، شہید ہوں تاکہ ان کا کارنامہ آپؐ کا کارنامہ سمجھا جائے اور ان کا کمال آپؐ کے کمالات میں شمار کیا جائے۔ اس لئے خدا نے چاہا کہ حضرت محمدؐ کے زمانۂ نبوّت کے ختم ہونے کے بعد صفتِ شہادت کا آپؐ کے صفات کے ساتھ الحاق کیا جائے۔ لہٰذا خدا نے حسنؑ اور حسینؑ کو ان کے نانا کے مقام پر آپؐ کا نائب قرار دیا (اور ان دونوں (نواسوں کو) آپؐ کے کمال وجمال کا آئینہ قرار دیا)"۔ (سرّ الشّہادتین)

حضرتِ امام حسینؑ شہید، شہید کے فرزند اور شہداءؑ کے باپ ہیں

(عباس محمود العقّاد)

"فلیس فی العالم اسرۃ انجبت من الشّھداء من انجبتھم اسرۃ الحسینؑ عدۃ وقدرۃ وذکرۃ حسبہ انّہ وحدہ فی تاریخ ھذہ الدنیا الشّھید بن الشّھیدابوالشّھداء فی معات السّنین"

(ابوالشہداء، ص ۲۳۰ بحوالہ بلاغۃ الحسین)

عصرِ حاضر کے مشہور مورّخ اور ادیب عبّاس محمود العقاد ، حضرت امام حسینؑ (سیّدالشہداء) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"شرافت ، تعداد ، قدر و منزلت اور ذکر و تذکرہ کے اعتبار سے ساری دنیا میں شہیدوں کا کوئی خاندان (اورگروہ) حضرت امام حسینؑ (شہیدِ کربلا) کے خاندان (اور ان کے اصحاب) کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حضرت امام حسینؑ کی فضیلت جاننے کے لئے اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اس دنیا کی تاریخ میں وہ فردِ واحد ہیں جو خود شہید ، شہید کے فرزند اور صدہا سالوں کے دوران شہید ہونے والوں کے باپ ہیں"۔

مسٹر واشنگٹن اروِنگ

(مشہور مغربی مفکّر و مورّخ)

"۱۰ رمحرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء ایک لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔ کئی ہزار افواج کے ساتھ لڑنے میں بہتر آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا۔ زندگی تلف ہو جانے کا یقین کامل تھا۔ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام حسینؑ یزید سے اس کی تمنا کے موافق بیعت کرکے اپنی جان بچا لیتے مگر اس ذمّہ داری کے خیال نے جو مذہبی مصلح کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف کے باوجود ایک بے مثل صبر استقلال کے ساتھ قائم رکھا۔ اولاد کا سامنے قتل ہونا ، چھوٹے چھوٹے معصوم بچّوں کا مارا جانا، زخموں کی تکلیف ، عرب کی دھوپ ، پھر اس دھوپ

میں زخمی کی پیاس۔ یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو کسی شخص کو اپنے ارادے پر قائم و دائم رہنے دیتیں"۔ (امام حسینؑ دمِ آخر تک اپنے ارادے پر قائم رہے"۔

شہادتِ حسینؑ سے کیا سبق ملتا ہے

(ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ کے مصنف مسٹر کارلائل)

"آؤ ہم دیکھیں کہ ہم کو واقعۂ کربلا سے کیا سبق ملتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ شہدائے کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ قومی غیرت اور محبت کا بہترین سبق ملتا ہے جو اور کسی واقعہ سے نہیں ملتا۔ اور ایک نتیجہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب دنیا میں مصیبت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے۔ اس کے بعد تمام راہیں صاف ہوجاتی ہیں"۔

صبحِ عاشور

(اڈورڈ گبن)

"He pressed his friends to consult their safety by a timely flight; they unanimously refused to desert or survive their beloved master, and their courage was fortified by a fervent prayer and the assurrance of Paradise.

On the morning of fatal day he mounted on the horse back with his sword in one hand the Quran in the othe. His generous band of martyrs consisted only of thirty two horse and forty foot." (Gibbon: Decline and Fall of Roman Empire, p. 228.)

"حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب پر زور دیا کہ وہ (میدانِ کربلا) سے فوراً ہٹ کر اپنی (جانوں) کی حفاظت کریں۔ لیکن تمام (اعزّاء اور اصحاب) نے

اپنے پیارے امام کو تنہا چھوڑنے اور ان کے بعد زندہ رہنے سے انکار کر دیا۔
حضرت امام حسینؑ نے دعا کرکے اور جنّت کا یقین دلا کر ان کی ہمت افزائی کی۔
روزِ عاشور کی ہولناک صبح کو حضرت امام حسینؑ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپؑ کے
ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔ آپؑ کے ساتھی شہداء کا
بہادر اور سخی گروہ صرف بتّیس سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھا''۔
(گبن۔ ڈکلائن اینڈ فال آف رومن ایمپائر، ص۲۸۷)

اڈورڈ گبن دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''حضرت امام حسینؑ کا پُردرد واقعہ ایک دور دراز ملک میں رونما ہوا جو بے رحم اور سنگ دل کو بھی متاثر کر دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بے رحم ہو مگر حضرت امام حسینؑ کا نام سنتے ہی اس کے دل میں ایک جوشِ ہمدردی پیدا ہوجائے گا''۔

شہادتِ حسینؑ کے اثرات

"The glory of martyrdom superseded the right of primogeniture, and the twelve Imams or pontiffs are Ali, Hassan ,Hussain and the line of descendants of Hussain to the ninth generation. Without arms or treasures,or subjects, they successively enjoyed the veneration of the people and provoked the jealousy of the reigning caliph. Their names were often the pretence of sedition and civilwar.But these royal saints despised pomp of the world, submitted to the will of God and the in- justice of man and devoted their innocent lives to the study and practice of religion"

(Gibbon: Decline and Fall of Roman Empire p. 289)

''حضرت امام حسین علیہ السّلام) کی شاندار شہادت نے (منصبِ امامت) کے حق کو مستحکم بنا دیا اور بارہ امام یا (مذہبِ اسلام کے) برگزیدہ پیشوا ہیں یعنی حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ اور نو امام حضرت حسینؑ کی ذرّیّت میں۔ بغیر فوج، خزانے اور رعیت کے یہ بارہ امام (اپنی روحانیت کے سبب) عوام کی تعظیم کو اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے (اپنے زمانے

کے) حکمراں خلفاء میں آتشِ حسد پیدا کردی۔ ان کے ناموں کو اکثر ہنگاموں اور ملک میں خانہ جنگی کے الزام تراشی کا ہدف بنایا گیا لیکن یہ ملک آسا پیشوایانِ مذہب خود دنیاوی شان و شوکت سے متنفر رہے۔ انہوں نے ہمیشہ خدا کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور انسانی ناانصافیوں پر صبر کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی تمام معصومانہ زندگی مذہب (اسلام) کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے میں صرف کردی''۔
(گبن، ڈکلائن اینڈ فال آف رومن ایمپائر، ص۲۸۷)

مقصدِ حسینؑ
(ڈاکٹر شلڈریک)

ڈاکٹر شلڈریک ایک مشہور مفکرِ مغرب واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

Hussain marched with his little company not to the glory,not to power or wealth,but to a supreme sacrifice and every member of that gallnat band,male and female, knew that the foes around were implacable,were not only ready to fight, but to kill.Denied even water for the children,they remain parched under a burning sun,amid scorching sands,yet no one faltered for a moment, but bravely faced the geatest odds without flinching." (Dr.K Sheldrake)

''حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپؑ کا مقصد شان و شوکت اور طاقت اور دولت کا حاصل کرنا نہ تھا۔ آپؑ ایک بلند عدیم المثال قربانی پیش کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ کے بہادر گروہ کا ہر فرد، مرد ہو یا عورت (ہر ایک) جانتا تھا کہ ان کے چاروں طرف دشمن ہیں جن کا مقابلہ کرنا (ان کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے) بہت دشوار ہے اور یہ کہ وہ صرف ان سے لڑنے ہی کے لئے نہیں بلکہ ان کو شہید کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ (حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے) بچوں پر پانی تک بند کر دیا گیا اور دہکتے ہوئے آفتاب کے نیچے تپتے ہوئے ریگستان میں ان کے منہ پیاس سے سوکھ گئے تھے لیکن ان میں سے کسی کا بھی پائے استقلال ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل نہیں ہوا بلکہ ہر ایک نہایت بہادری سے سخت اور شدید مصیبتوں کا بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مقابلہ کرتا رہا''۔

شہادتِ حسینؑ کے اثرات

عن نصرة الازدیه انها قالت "لما قتل الحسینؑ بن علیؑ امطرت السّماء دما فاصبحنا وجبابنا و جراء نا مملوة دماً.

(نصرۃ ازدیہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں" جب حسینؑ بن علیؑ شہید کر دیے گئے تو آسمان سے خون برسا اور ہم لوگوں نے صبح کو دیکھا تو ہمارے مٹکے اور برتن خون سے بھرے ہوئے تھے)

حکی ابن عینیة "انّ السّماء احمرّت لقتله والنکسفت الشّمس حتی بدت الکواکب نصف النّهار وظن النّاس انّ القیامة قدقامت ولم یر فع حجر فی الشّام الاروی تحته دم عبیط".

(صواعقِ محرقہ، ص۱۹۲)

(ابن عینیہ نے روایت کی ہے کہ"حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو گیا اور سورج کو گہن لگ گیا۔یہاں تک کہ ستارے دوپہر کو دکھائی دینے لگے۔ لوگوں نے سمجھا قیامت آگئی اور ملکِ شام میں جہاں کہیں بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے سے تازہ خون ابلتا ہوا دکھائی دیا)

(صواعقِ محرقہ، ص۱۹۲)

جنوں کا نوحہ

عن ام سلمه قالت "لماقتل الحسینؑ ناحت علیه الجن و مطرنا دما" (اخرجه ابن السری)ومنها "سمعت الجن تنوح علی الحسینؑ".

(اخرجه ابن الضحاک):

ومنها "ماسمعت نوح الجن بعدرسول اللهؐ الالیلة قتل الحسینؑ "فقالت للجاریة"اخرجی فوالله ماارى ابنی الاقدمات اخرجی فاسئلی"فخرجت قالت فقیل"انه قتل".(اخرجه الملائی فی سیرة) (ذخائرِ عقبیٰ، ص۱۵۰)

ام المومنین حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں:

"جب (حضرت امام) حسینؑ شہید کیے گئے تو جنوں نے ان پر نوحہ کیا اور ہمارے اوپر خون کی بارش ہوئی"۔ (اس روایت کو ابن سری نے بیان کیا ہے)

ابنِ ضحاک نے روایت کی ہے کہ حضرت امِ سلمہؓ نے فرمایا:

"میں نے جنوں کو حضرت امام حسینؑ پر نوحہ کرتے ہوئے سنا"۔

حضرت امِ سلمہؓ مزید فرماتی ہیں:

"رسولؐ کی وفات کے بعد ہم نے جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ سوائے اس رات کے جو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی رات تھی"۔ حضرت امِ سلمہؓ نے گھبرا کر اپنی کنیز سے کہا "باہر جا کر دریافت کر بخدا مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند (حسینؑ) شہید کر دیا گیا"۔ کنیز باہر آئی دریافت کیا ، واپس آ کر کنیز نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں وہ (حضرت امام حسینؑ) شہید کر دیئے گئے۔

(ملائی نے اس روایت کو اپنی کتاب سیرۃ میں نقل کیا ہے)

یزید پر خدا کی لعنت

قوله تعالی:

"فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الّذین لعنهم اللّٰه فاصمهم واعمیٰ ابصارهم"۔

(سورۂ محمد ۴۷، آیت ۲۱، ۲۲)

شہادتِ حسینؑ کے اثرات

عن نصرۃ الازدیہ انھا قالت ''لما قتل الحسینؑ بن علیؑ امطرت السّماء دما فاصبحنا وجابنا و جراء نا مملوۃ دماً.

(نصرۃ ازدیہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں'' جب حسینؑ بن علیؑ شہید کر دیئے گئے تو آسمان سے خون برسا اور ہم لوگوں نے صبح کو دیکھا تو ہمارے مٹکے اور برتن خون سے بھرے ہوئے تھے)

حکی ابن عیینۃ ''انّ السّماء احمرّت لقتلہ والکسفت الشّمس حتی بدت الکواکب نصف النّھار وظن النّاس انّ القیامۃ قدقامت ولم یر فع حجر فی الشّام الاروی تحتہ دم عبیط''۔

(صواعق محرقہ، ص۱۹۲)

(ابن عیینہ نے روایت کی ہے کہ''حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو گیا اور سورج کو گہن لگ گیا۔ یہاں تک کہ ستارے دوپہر کو دکھائی دینے لگے۔ لوگوں نے سمجھا قیامت آگئی اور ملکِ شام میں جہاں کہیں بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے سے تازہ خون ابلتا ہوا دکھائی دیا)

(صواعقِ محرقہ، ص۱۹۲)

جنوں کا نوحہ

عن ام سلمہ قالت ''لماقتل الحسینؑ ناحت علیہ الجن و مطرنا دما'' (اخرجہ ابن السری)ومنھا ''سمعت الجن تنوح علی الحسینؑ''.

(اخرجہ ابن الضحاک):

ومنھا ''ماسمعت نوح الجن بعدرسول اللہؐ الالیلۃ قتل الحسینؑ ''فقالت للجاریۃ''اخرجی فواللہ ماری ابنی الاقلمات اخرجی فاسئلی''فخرجت قالت فقیل''انہ قتل''.(اخرجہ الملائی فی سیرۃ)

(ذخائرِ عقبیٰ، ص۱۵۰)

امّ المومنین حضرتِ امِّ سلمہؓ فرماتی ہیں:

''جب (حضرت امام) حسینؑ شہید کئے گئے تو جنوں نے ان پر نوحہ کیا اور ہمارے اوپر خون کی بارش ہوئی''۔ (اس روایت کو ابن سری نے بیان کیا ہے)

ابنِ ضحاک نے روایت کی ہے کہ حضرت امِّ سلمہؓ نے فرمایا:

''میں نے جنوں کو حضرت امام حسینؑ پر نوحہ کرتے ہوئے سنا''۔

حضرت امِّ سلمہؓ مزید فرماتی ہیں:

''رسولؐ کی وفات کے بعد ہم نے جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ سوائے اس رات کے جو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی رات تھی''۔ حضرت امِّ سلمہؓ نے گھبرا کر اپنی کنیز سے کہا ''باہر جا کر دریافت کر بخدا مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند (حسینؑ) شہید کر دیا گیا''۔ کنیز باہر آئی دریافت کیا، واپس آ کر کنیز نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں وہ (حضرت امام حسینؑ) شہید کر دیئے گئے۔

(ملائی نے اس روایت کو اپنی کتاب سیرۃ میں نقل کیا ہے)

یزید پر خدا کی لعنت

قولہ تعالیٰ:

''فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الّذین لعنھم اللّٰہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم''۔

(سورۂ محمد ۴۷، آیت ۲۱، ۲۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کو والی (یعنی حاکم) بناؤ گے جو زمین پر فساد کریں گے اور قطع رحم کریں گے۔ انہیں لوگوں پر خدا کی لعنت ہے پس اللہ نے ان کو بہرا اور اندھا بنا دیا ہے''۔

صالح بن احمد بن حنبل قال:

''قلت لابی ان قوما ینسبونا الی تولی یزید فقال ''یابنّی وهل ویتولی یزید احد یومن باللّٰہ ولم لایلعن من لعنه اللّٰه فی کتابه فقلت واین لعن اللّٰه یزید فی کتابه فقال فی قوله تعالی ''فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الّذین لعنهم اللّٰه فاصمهم واعمیٰ ابصارهم''. فهل یکون فسادا اعظم من هذا القتل''۔

(صواعق محرقہ، ص۲۲۰۔ الشہید، ص۲۳۲/۲۳۳)

صالح بن امام احمد بن حنبل کہتے ہیں:

''(ایک روز) میں نے اپنے باپ سے کہا، کچھ لوگ ہم کو محبتِ یزید کی طرف منسوب کرتے ہیں''۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا ''اے میرے بیٹے کیا وہ شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہے یزید سے بھی محبت کرسکتا ہے اور کیوں نہ کوئی اس شخص پر لعنت کرے جس پر خدا نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں لعنت کی ہے''۔ (صالح کہتے ہیں) میں نے پوچھا ''خدا نے قرآن میں کس مقام پر یزید پر لعنت کی ہے؟'' جواب دیا:

''خدا فرماتا ہے عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کو والی (یعنی حاکم) بناؤ گے جو زمین پر فساد کریں گے اور قطع رحم کریں گے۔ وہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے پس ان کو بہرا اور اندھا بنا دیا ہے''۔ اس (قتلِ حسینؑ) سے بڑا کون سا فساد ہوسکتا ہے۔

رسولؐ اللہ کی یزید پر لعنت

روی ابن نمالی مشیر الاحزان عن ابن عبّاس قال ''لما اشعد برسول الله مرضه الذی مات فیه ضم الحسینؑ الی صدره یسیل من عرقه علیه ویقول ''مالی ولیزید لابارک الله فیه اللّهم العن یزید ثم غشی علیه طویلا وافاق واجعل یقبل الحسینؑ وعیناه تذرفان ویقول ''اماان لی و لقاتلک مقاما بین یدالله عزوجل''۔

(بحار جلد ۱۰، ص ۱۶۱)

''ابن نمانے مشیر الاحزان میں حضرت ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ جب پیغمبرؐ کے مرض میں جس مرض میں آپؐ کا وصال ہوا شدت ہوئی تو آپؐ نے حضرت امام حسینؑ کو سینہ سے لگایا۔ آپؐ کا پسینہ ان کے اوپر گر رہا تھا اور آپؐ فرما رہے تھے: ''افسوس میرا اور یزید کا معاملہ، خدا یزید کو برکت نہ دے۔ اے خدا تُو یزید پر لعنت کر''۔ بہت دیر تک آپؐ پر غشی کا عالم طاری رہا۔ پھر (غش سے) افاقہ ہوا۔ آپؐ نے حضرت امام حسینؑ کو بوسہ دینا شروع کیا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرماتے جاتے تھے ''(اے حسینؑ) میرے اور تمہارے قاتل کے درمیان خدا کی بارگاہ میں فیصلہ ہوگا''۔

The Night of Martyrdo n

By the Late Shrimati Sarojini Naidu

Black-Robed,bara footed,with dim eyes that rain
Wild tears in memory of thy woeful plight
And hands that in blind,rhythmic anguish smite
Their blood-stained bosoms to a sad refrain
From the old,haunting legend of thy pain
Thy votaries mourn thee thro the tragic night
With mystic dirge and melancholy rite
Crying to thee Hussain! Ya Hussain!
Why do thy myraid lovers so lament,Sweet Saint?
Is not thy matchless martyrhood The living benner and brave covenant
Of the high creed,thy Prophet did proclaim
Bequeathing for the wolrld's beatitude
Thy' enduring loveliness of Allah's name?
(Published in Nizami Jantri, 1950, Lucknow)

شبِ شہادتِ عظمیٰ

(زمزمہ سروجنی نائیڈو)

اردو منظوم ترجمہ از مولانا صفی

برہنہ پا ، سیاہ پوش ، چشمِ سفید ، اشکبار تیری
مصیبتوں پہ آہ ، روتی ہے خلق زار زار
سینہ زنی کی دھن میں سب ، سوز کے ساتھ سازِ غم
سینۂ خونچکاں پہ ہاتھ ، درد بھرا وہ تال سَم
پیشِ نگاہِ مومناں ، قتل کی رات کا سماں
جوشِ دلی و بیخودی ، تابہ سحر بھی فغاں
ہائے حسینؑ بے وطن ، وائے حسینؑ بے کفن
پیارے ولی حق نما ، تیرے محبّ باصفا
روتے جو ہیں ہزارہا اس کا سبب نہیں کھلا
تیری وہ سرفروشیاں ، تیری بہادرانہ شاں
جس کی نہیں کوئی مثال ، گاڑ گیا وہ اک نشاں
جد سے دراشتا ملی ، دولتِ دینِ بے زوال
مایۂ ابتہاجِ خلق ، عشقِ خدائے لایزال
عاشقِ ربِّ مشرقین ، کشتۂ تشنہ لب حسینؑ

سلام بحضورِ شہدائے کربلا

وقتِ نمازِ عصر ہے ، خم ہے سرِ نیازِ عشق
خاک ہے سجدہ گاہِ عشق ، دشت ہے جا نمازِ عشق!
خوف سے اہلِ ظلم کے خانۂ حسن چھوڑ کر
منزلِ عشق کو چلا ، قافلۂ حجازِ عشق!
بڑھ کے زمینِ عشق نے لے لئے ناخدا کے پاؤں
آ کے فرات کے قریب رک گیا خود جہازِ عشق!
بارشِ ناوکِ ستم ، اور وہ پشتِ مقتدی
اہلِ نظر پھڑک اٹھے ، دیکھ کے یہ نمازِ عشق
گیسوئے شہؑ کا سلسلہ دیکھ کہاں تلک گیا
سلسلۂ رسولؐ ہے ، سلسلۂ درازِ عشق!

دوشِ نبیؐ پہ خود کبھی ، نوکِ سناں پہ سر کبھی
عشق کی بارگاہ میں ، یوں ہوا سرفرازِ عشق!
لُوٹ رہے تھے پہلوان ، حشر بپا تھا فوج میں
حُسن کا کام بھی کیا ، واہ رے یکّہ تازِ عشق!
خاکِ شہیدِ عشق سے ہوتے ہیں دفع کُل مرض
دیکھئے خاک کا اثر ! دیکھئے امتیازِ عشق!
پاؤں میں بیڑیاں ہیں اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار
عشق کی راہ طے کئے جاتے ہیں یکّہ تازِ عشق!
تیر کھنچے نہ ہو خبر ، سن لے فقیر کی مگر
فرق ہے جسم و روح کا ، ایک ہے گو نمازِ عشق!
تُو ہے گدائے حیدریؑ ، حشر کے دن کا خوف کیا
تجھ کو کرے گا سرفراز تیرا گدا نوائے عشق!
سن کے جمیلؔ کا سلام ، شوروغا کا کیوں نہ ہو!
کس کا ہے دل ، سنے گا کون نوحۂ جاں گدازِ عشق!

(جمیل مظہریؔ)

سلام بحضورِ حضرتِ امامِ حسینؑ

محرم کا چاند آسمان پر جو چمکا
تو یاد آگیا واقعہ رنج و غم کا
مصیبت کا بیداد کا بیکسی کا
غضب کا جفا کا بلا کا ستم کا
وطن سے جدا دشتِ غربت میں جاکر
ہوا قتل کنبہ شفیع الامم کا
یہ شیرانِ حق اور یہ دنیا کے کتے
لعینوں نے کاٹا سر اہلِ کرم کا
کیا ظلم بے وجہ سلطانِ دین پر
یہ لالچ تھا دنیا کے جاہ وحشم کا

شہیدوں کی ہے تشنگی یاد آتی
نہ ہو چشمہ لبریز کیوں چشمِ نم کا
رضا اور تسلیم صبر و توکّل
مصیبت میں شیوہ تھا اہلِ کرم کا
یہ وہ دن ہے جس دن میں ڈھایا گیا ہے
جو کعبہ عرب کا تو قبلہ عجم کا
برستی ہے دیوار و در سے اداسی
ہے چھایا ہوا ابر رنج والم کا
تڑپتی ہے بجلی تو روتے ہیں بادل
کہ ہے آج کا دن شہیدوں کے غم کا
کرے کوئی تحریر و تقریر کیونکر
نہ جرأت زباں کی نہ یارا قلم کا

(مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی)

السّلام اے کہ بنائے لاالٰہ

سلامِ عقیدت بحضورِ سرکارِ شہادت

السّلام اے بادشاہ کربلا
السّلام اے مالکِ صبر و رضا
السّلام اے کشتۂ جور و جفا
السّلام اے فدیۂ راہِ خدا
السّلام اے سبطِ محبوبِ خدا
السّلام اے نورِ عین مرتضیٰؑ
السّلام اے راکبِ دوشِ رسولؐ
السّلام اے قرۃ العین بتولؑ
السّلام اے معنیٔ ذبحِ عظیم
السّلام اے قاسمِ خلد و جحیم

السّلام اے خاصۂ خاصانِ حق
السّلام اے ہادیٔ مردانِ حق
السّلام اے مردِ میدانِ نبرد
دینِ حق را زندۂ جاوید کرد
السّلام اے کہ بنائے لاالہٰ
پیشِ خدمت دیدہ و دل فرشِ راہ
السّلام اے سیّد سالارِ عشق
السّلام اے مالک بازار عشق
السّلام اے پیشوائے انس و جان
السّلام اے سیّدِ اہلِ جنان
السّلام اے معنیٔ صوم و صلوٰۃ
السّلام اے فاتحِ مرگ و حیات
السّلام اے قامع شرک و نفاق
السّلام اے قاطع کفر و شقاق
ایں سلام را پذیرائی بہ بخش
بے نوارا شوکتِ شاہی بہ بخش

قصیدہ در مدحِ اہلبیتؑ

باغِ جنّت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہلبیتؑ
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلبیتؑ
کس زباں سے ہو بیاں اب عزّ وشانِ اہلبیتؑ
مدح گوئے مصطفےٰؐ ہے مدح خوانِ اہلبیتؑ
آپؐ کی پاکی خدائے پاک کرتا ہے بیان
آیۂ تطہیر☆ سے ظاہر ہے شانِ اہلبیتؑ

☆ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً۔
(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)
(اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے
اے (محمد رسول اللہ کے) گھر والو! اور اللہ تمہیں پاک رکھے
جو پاک رکھنے کا حق ہے)

مصطفیٰؐ عزت بڑھانے کے لئے تعظیم دیں
ہے بلند اقبال تیرا دُودمانِ اہلبیتؑ

ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلبیتؑ

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حُسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلبیتؑ

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہلبیتؑ

حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگار
خوب رُو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہلبیتؑ

ہوگئی تحقیق عیدِدید آبِ تیغ سے
اپنے روزے کھولتے ہیں صائمانِ اہلبیتؑ

جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلبیتؑ

اے شبابِ فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہلبیتؑ

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلبیتؑ

خشک ہو جا ، خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر، دیکھ تو سوکھی زبانِ اہلبیتؑ

خاک پر عبّاس و عثمان علم بردار ہیں
بے کسی اب کون اٹھائے گا نشانِ اہلبیتؑ

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدّت میں تڑپے بے زبانِ اہلبیتؑ

قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارثِ بے وارثاں کو کاروانِ اہلبیتؑ

فاطمہؑ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلبیتؑ

وقت رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا ہے سوگ
لو سلامِ آخری اے بیوگانِ اہلبیتؑ

ابر فوجِ دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہؑ کا چاند مہرِ آسمانِ اہلبیتؑ

کس مزے کی لذتیں ہیں آبِ تیغِ یار میں
خاک و خون میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہلبیتؑ

باغِ جنّت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلبیتؑ

حوریں بے پردہ نکل آئی ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر ہے یا رب میانِ اہلبیتؑ

کوئی کیوں پوچھے کسی کو کیا غرض اے بیکسی
آج کیسا ہے مریضِ نیم جانِ اہلبیتؑ

گھر لٹانا ، جان دینا ، کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدائے خاندانِ اہلبیتؑ

سر شہیدانِ محبّت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہلبیتؑ

دولتِ دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دکانِ اہلبیتؑ

زخم کھانے کو تو آبِ تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہلبیتؑ

اپنا سودا بیچ کر بازار سُونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہلبیتؑ

اہلِ بیتؑ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ دشمنانِ اہلبیتؑ

بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سنّی داستانِ اہلبیتؑ

(اقتباس: "صلۂ آخرت" ص ۳۴، مطبوعہ: اہلسنت والجماعت بریلی)

نواسۂ نبیؐ حسینؑ ابنِ علیؑ — سیّد علی اکبر رضوی

نذرانۂ عقیدت

بحضورِ شہدائے کربلا

گھر خوشی سے رہِ خالق میں لٹانے والے
چند صابر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

اُن کے پیرو جو ہوئے وہ سرِ منزل پہنچے
رہ گئے وہ جو نہ تھے راہ پہ آنے والے

لکھ گئے اپنی کتابوں میں نبوّت کے نشاں
علماء موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے زمانے والے

گنجِ پرویز کی جانب جو ہوا شہ کا گزر
کنجیاں لائے پئے نذر خزانے والے

کربلا میں جو ہوئے کور دل اک جا لاکھوں
یہ دلاور تھے کوئی آنکھ چرانے والے

بھوک میں پیاس میں ایک ایک ہزاروں سے لڑا
کیا بہادر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

حیف صد حیف رہے خود لب دریا پیاسے
حشر میں چشمۂ کوثر کے لٹانے والے

کیسے پچھتائیں گے دوزخ میں جلیں گے جس دم
خیمۂ آلِ محمدؐ کے جلانے والے

آج تک نقشِ شریعت نہ مٹا پر نہ مٹا
مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

(امیر احمد امیرؔ مینائی)

سلام بحضورِ شاہِ شہیداں

جو کربلا میں شاہِ شہیداں سے پھر گئے
کعبہ سے منحرف ہوئے قرآں سے پھر گئے

نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کی دغا
گویا یہود موسیٰؑ عمراں سے پھر گئے

کافر ہوئے کہ کعبۂ دیں کو کیا خراب
مرتد ہوئے کہ قبلۂ ایماں سے پھر گئے

ہر چند تھا مقابلہ لاکھوں کا ایک سے
منہ سب کے تیغِ شاہِ شہیداں سے پھر گئے

آئے مدد کے واسطے جن و ملک مگر
انکار بادشاہ غریباں سے پھر گئے

دیں دار تھے جو لوگ وہ شبہ پر ہوئے فدا
بے دیں جو تھے وہ دینِ مسلماں سے پھر گئے
حجّت تمام شاہ نے کی لاکھ اے امیؔر
کچھ بھی سنا نہ ایسے وہ ایماں سے پھر گئے

اجل بھی روئی شہیدانِ بے وطن کے لئے
خزاں اداس ہوئی ، مجرئی چمن کے لئے
دکھائی اصغرِ معصوم نے جو خشک زباں
اجل نے پیار سے بوسے لب و دہن کے لئے
غضب ہے چادرِ تطہیر کے جو مالک ہوں
شہید ہو کے وہ محتاج ہوں کفن کے لئے
عیاں ہیں سالِ وفات اس سے پنجتن کے امیؔر
شرف عجیب یہ حاصل ہے "یامن"☆ کے لئے

امیؔر اپنا دلِ پُر داغ سوئے کربلا لے چل
یہ گلدستہ ہے نذرِ روضۂ شہید کے قابل
کیا عجب میں بھی شہیدوں میں ہوں محسوب امیؔر
اُنس رکھتا ہوں بہت حضرتِ شبّیرؑ کے ساتھ

☆ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلواۃ والتسلیم اور حضرت خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا سالِ وفات ۱۱ھ ہے جو "یا" سے نکلتا ہے ، حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور حرف "م" کے چالیس عدد ہوتے ہیں ، حضرت امام حسنؑ ۵۰ ھ میں شہید ہوئے ، اُس کی تاریخ "ن" سے نکلتی ہے اور حضرت امام حسینؑ نے ۶۰ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور حرف "س" کے ۶۰ عدد ہوتے ہیں۔ "یامن" سے پنجتنِ پاک کے سالہائے وفات کی تاریخ کا نکلنا خود فنِ تاریخ گوئی کا ایک معجزہ ہے۔ امیر احمد مینائی

حضرت امیؔر مینائی اپنے بچّوں کی فرمائش پر پہیلیاں بھی کہا کرتے تھے ، بعض پہیلیاں اپنی اہمیت اور معنویت اور انوکھے پن کی وجہ سے زبان زدخاص وعام ہو جاتی تھیں اور اُس دور کے رسائل اور اخبارات میں بھی اُن کا چرچہ ہوتا تھا ، سلسلۂ کلام کی مناسبت سے ایک منظوم پہیلی ملاحظہ ہو:

اک نخل ہے چمن میں جو پاتا نہیں ہے چین
تن پر غمِ حسنؑ ہے ، تو جاں پر غمِ حسینؑ

مہندی کے پتّے ہرے ہوتے ہیں ، یہ اشارہ ہے حضرت امام حسنؑ کے زہر دینے کی روایت کی طرف جس زہر کے اثر سے جسمِ مبارک ہرا ہو گیا تھا اور جب مہندی کے پتّے پیسے جاتے ہیں تو اُن سے سرخ رنگ ابھرتا ہے ، جو امام عالی مقام کے خونِ شہادت کی طرف اشارہ ہے۔

(اسرائیل احمد مینائی ، نبیرۂ حضرتِ امیؔر مینائی)

تحفۂ سلام بحضورِ سیّدالشہداء

شہیدِ اعظم و فخرِ امم سلام علیک
غریبِ کشتۂ تیغِ ستم سلام علیک

فروغِ دودۂ ختمی مآب نور اللہ
خجستہ شاہِ جمیل الشّیم سلام علیک

رہِ خدا میں سروتن سے کام آیا تو
کریم و رہبرِ اہلِ کرم سلام علیک

مسیحِ دینِ محمدؐ مجدّدِ اسلام
ضیافروزِ شبستانِ غم سلام علیک

فرازِ نوکِ سناں تیرے واسطے معراج
بلند مرتبہ عالی ہمم سلام علیک

شہیدِ آلِ محمدؐ خلاصۂ ایجاد
نوادۂ نبیؐ محترم سلام علیک

ابوالائمۃ الاطہار سیّدالشّہداء
صحیفۂ شرفِ مختتم سلام علیک

طواف کرتے ہیں جس کا ملائکہ شب و روز
وہ تیرا کعبہ نقشِ قدم سلام علیک

ہراک زخم میں فردوس معرفت پنہاں
بہار دین کی سر تا قدم سلام علیک

ہر اک مصیبتِ عظمٰی کا خاتمہ تجھ پر
فدائے لذّتِ ذوقِ ستم سلام علیک

عزیزؔ بھی ہے طلب گار تیری نصرت کا
انیس و مونسِ اربابِ غم سلام علیک

(عزیزؔ لکھنوی)

امامِ انقلاب

اے شہیدِ کربلا ، اے کشتۂ جور و جفا
واقفِ سرِّ خفی ، دانائے ذاتِ کبریا
نورِ عرفاں کی تجلی ، پیکرِ صبر و رضا
تیری ہستی فخرِ عالم ، نازشِ ارض و سما
بجھ گیا قربانیوں سے تیری ، باطل کا چراغ
اور روشن ہو گیا ہر خانۂ دل کا چراغ
کر دیا باطل زمانہ سے امارت کا سرور
کفر کی ظلمت مٹا کر بھر دیا ایماں کا نور
خون کی دھاروں سے توڑا خودپرستی کا غرور
زیرِ خنجر بھی یہ کوشش تھی کہ محکومی ہو دور

آج بھی الٹی ہوئی ہے آستینِ کائنات
لالہ رخ ہے خون سے تیرے جبینِ کائنات
اب نہ وہ دورِ یزید و شمرِ کینہ ساز ہے
ہر طرف دنیا میں تیرے خون کا اعجاز ہے
اے شہیدِ ظلم ! گو رازِ شہادت راز ہے
پھر بھی تجھ پر عالمِ انسانیت کو ناز ہے
چہرۂ زیبائے ایماں کو نمایاں کر دیا
نوعِ انساں کو برنگِ نوعِ انساں کر دیا
توڑ ڈالا بادۂ رنگیں کا جامِ فتنہ گر
ریزہ ریزہ کر دیا شاہنشہِ باطل کا سر
پھونک ڈالا خرمنِ سرمایہ داری کا جگر
موت میں تیری چھپا تھا انقلاباتی اثر
مردۂ اسلام کو رشکِ مسیحا کر دیا
مرنے والے! تُو نے دنیا بھر کو زندہ کر دیا

(کمالؔ عظیم آبادی)

نفسِ مطمئنّہ

عبرت سے دیکھ صفحۂ صحرائے کربلا
ہے دفترِ مکارمِ اخلاقِ مصطفےٰ
وہ کربلا کہ جس کے ہر اک ذرّہ سے عزیز
تاباں ہوئی ہے حکمتِ اشراق کی ضیا
تکمیلِ علمِ نفس جو منظور ہے تجھے
اُس نفسِ مطمئنّہ پہ کر غور اک ذرا
اعراض جس کے معجزہ اعمال جس کے کشف
تقریر جس کی وحیٔ خداوندِ کبریا
ہر فعل جس کا ہے سبق آموز معرفت
ہر کام جس کا باعثِ خوشنودیٔ خدا

کروبیوں کی عقل بھی حیران ہوگئی
روحانیوں سے بھی نہ ہوا کام وہ کیا
اے مستِ ذوقِ فلسفۂ عشقِ سرمدی!
ہوتے ہیں اس کی راہ میں دیکھ اس طرح فنا
ایسا سنا ہے تُو نے کہیں جذبۂ باطنی؟
دیکھے ہیں اس طرح کے کہیں صادق الولا؟
اللہ رے اُن کا نورِ مجرّد سے اتصال
قلب و دماغ عالمِ انوار بن گیا
دیکھ اس کا نام صبر ہے کہتے ہیں اس کو ضبط
جبر ایسے اختیار پہ کرنا محال تھا
گیتی تمام قبضۂ قدرت میں جس کے ہو
وہ اور تشنہ لب، ستم، اے چرخِ پُردغا
دنیا میں دیکھ قطعِ علائق ہے اس کا نام
کرتے ہیں دور قلب سے یوں حبِّ ماسوا
ہے جستجوئے ماہیتِ عشق گر تجھے
کر شرح ذرّہ ہائے بیابانِ نینوا
وقفِ بلائے عشق کرے اپنے دل کو جو
جانے وہی حقائقِ علوی کی انتہا
اللہ رے تابِ ضبط و توانائی شکیب
جزوِ ضعیف ایک بہ دل اُس پہ یہ بلا

جو معرضِ وقوع میں آیا حسینؑ سے
ہرگز نہ تھا یہ فطرتِ انساں کا مقتضا
مافوقِ طاقتِ بشری تھا ہر ایک فعل
اللہ یہ متابعتِ حکمِ کبریا
گر شہوت و غضب کو کرے عقل کا مطیع
بہتر ملائکہ سے ہے وہ نفسِ با صفا
تکلیف تیرے نفس پہ ہے سعی و اجتہاد
لیکن ملائکہ کو یہ زحمت نہیں ذرا
تجھ کو قسم ہے خلقِ محمدؐ کی اس طرح
کون امتحانِ نفس پہ ثابت قدم رہا؟
گزرے ہیں گو بہت سے حوادث جہان میں
جب سے ہوئی ہے عالم و آدم کی ابتدا
پھر ہوگا لطف سیرِ شبستانِ معرفتؔ
مصباحِ نفسِ ناطقہ روشن تو کر ذرا
دیکھے گا تو حقیقتِ حقّہ کا حال پھر
آنکھوں میں اپنی سرمۂ خاکِ شفا لگا
معلوم ہوگا پھر تجھے پوچھیں گے تجھ سے ہم
دیکھے ہیں اس طرح کے کہیں عبدِ حق نما
مجبوریٔ حسینؑ وہ سربستہ راز ہے
عارف جو ذات کا ہے وہی کچھ ہے جانتا

ظاہر ہوئی ہے جس کے کمالاتِ نفس سے
تفسیرِ خرقِ عادت و اعجازِ انبیاءؑ
وہ نفسِ مطمئنہ کہ جس پر جہان میں
جتنی مصیبتیں تھیں ہوا سب کا خاتمہ
کیا پوچھتا ہے علمِ سیاست کا اس کی حال
عاجز ہے جس کے درک سے یہ عقلِ نارسا
کی ہے اُسی نے تو عملی درسگاہ میں
اخلاق کے تمام مطالب کی ابتداء
اُس کی شجاعت اُس کی سخاوت پہ کر نظر
نوشیروان و حاتم طائی کا ذکر کیا
کیا پوچھتا ہے اُس کی شجاعت کے معرکے
رستم کا تذکرہ ہے جہاں ننگ و ناروا
اس طرح جو جہاں میں کسی کے لئے مٹے
ایسے بشر کی ذات کو کیونکر نہ ہو بقا
ہوتے نہ کیوں خلافتِ باری کو مستحق
تھی اُن کی ذات مظہرِ انوارِ کبریا
ہر زخم کو سمجھتے ہیں گلزارِ معرفت
ہر داغِ دل کو جانتے ہیں گلشنِ وفا
کیا کم ہے اُن کے مشہد و تربت کا یہ شرف
ہے منزلِ ملائکہ عرشِ کبریا

نفسِ حسینؑ کھینچ رہا ہے دلوں کو یوں
کرتا ہے جذب کاہ کو جس طرح کہربا

عاشور کو وہ چہرے پہ آثارِ انبساط
اللہ رے شوقِ وصلِ خداوندِ کبریا

اُس کی ضریح کعبۂ وجدانِ شرع ہے
کیونکر کریں طواف نہ ارواحِ انبیاءؑ

ہاں اے شریکِ مجلسِ ماتم بتا مجھے
ہوتا ہے کون دوسرے پر اس طرح فدا

غافل ذرا تصور ساذج سے کام لے
آنکھوں کو بند کرکے ذرا دیکھ ماجرا

ہرایک ذرّہ دشت کا کیسا ہے مضطرب
ابلا ہے خونِ ناحقِ مظلومِ کربلا

اس سرزمین کو غور سے دیکھ اے فناپذیر
ہے تجھ کو کارنامۂ عبرت جو دیکھنا

لاشوں کے ڈھیر کشتوں کے انبار ہر طرف
وہ جلتی جلتی ریت وہ میدان کی ہوا

بے سر پڑے ہیں جس میں جوانانِ ہاشمی
رگ رگ میں جوش زن جو لہو تھا وہ بہہ گیا

ہر موجۂ سموم سے اِس دشت پُرمحن میں
آواز آ رہی ہے کہ یا دافع البلا

اللہ میرے ہے یہ سماں کون سا سماں؟
دل خون ہو کے دیدۂ تر سے نکل پڑا

وہ سر جو اک خزینۂ اسرارِ وحی ہے
ہے پیش تختِ سلطنت زادۂ زنا

ناگفتنی ہیں واقعے جو دیکھتا ہوں میں
یہ کیا دکھا رہا ہے مجھے اے مرے خدا

جل جائے یہ زبان اگر کچھ بیاں کروں
ہو خونچکاں دہن جو کروں شرحِ ماجرا

صورتگرِ خیال کے ساماں پہ تھی نظر
ناگاہ آئی گوشِ تصوّر میں یہ صدا

یہ سب ہے رستگاریٔ امّت کا سازو برگ
یہ سب ہے کیا نمائشِ اخلاقِ مصطفیٰؐ

اپنے ستونِ قامت و اعجازِ نفس سے
مضبوط کی ترقیٔ اسلام کی بنا

ناقص تھی بس تمدّنِ اسلام کی کتاب
ہوتا اگر نہ واقعۂ ارضِ کربلا

تُو نے کیا ہے امّتِ احمدؐ کو رستگار
یاسیّدالبریۃ روحی لک الفدا

(عزیز لکھنوی)

سلام بحضورِ شہدائے کربلا

سلام اسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

نہ بادشاہ، نہ سلطاں، یہ کیا ستائش ہے؟
کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی؟
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اس کو

خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اس کو؟

فروغِ جوہرِ ایماں، حسینؑ ابنِ علیؑ
کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اس کو

کفیلِ بخششِ امت ہے، بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو

مسیح جس سے کرے اخذ فیضِ جاں بخشی
ستم ہے، کشتۂ تیغِ جفا کہیں اس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل، سبیل
شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اس کو

عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن و انس و مَلک سب بجا کہیں اس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسینؑ بلند
بقدرِ فہم ہے، گر کیمیا کہیں اس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک، ہر ایک ذرّۂ خاک
کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اس کو

ہمارے درد کی یارب، کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اس کے حسنِ صبر کی داد؟
مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اس کو

زمامِ ناقہ، کف اس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسینؑ، علیؑ پیشوا کہیں اس کو

وہ ریگِ تفتہ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبانِ خدا رہ نما کہیں اس کو

امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد
پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اس کو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
برا نہ مانئے ، گر ہم برا کہیں اس کو
علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو ان سے برائی ، بھلا کہیں اس کو؟
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد ، کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض ، کیا کہیں اس کو؟
بھرا ہے غالبِؔ دلِ خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اس کو

(غالبؔ)

خاتمہ

یہ بات اب بالکل واضح ہوگئی کہ حضرت امام حسینؑ کا اپنے اور اپنے اقرباء اور دوستوں کی شہادت پیش کرنے کا اصل مقصد کیا تھا۔ آپؑ کا مقصد یزید سے جنگ کر کے سلطنت حاصل کرنا نہیں تھا اور نہ ہی براہِ راست اس کی سلطنت کو ختم کرنا تھا بلکہ حضرت امام حسینؑ مسلم قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو وہ پیغام پہنچانا چاہتے تھے جو اِن کے نانا نے انسانیت کو ظلم و استبداد اور غلامی سے نجات پانے اور توحید ، انصاف ، آزادی اور انسانی مساوات کے عظیم اصولوں پر عمل کے بارے میں بتایا تھا۔ یزید نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی تمام اصولِ شریعت اور شعائرِ اسلامی کی دھجیاں بکھیرنا شروع کر دی تھیں۔علاّمہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

چوں خلافت رشتہ اَز قرآن گسیخت
حرّیت را زھر اندر کام ریخت

سلطنتِ بنو امیّہ ''خلافتِ'' اسلامی ہونے کا دعویٰ تو کرتی تھی لیکن اپنا تعلّق قرآن اور اسلامی شریعت سے توڑ لیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ

ظلم و جور اور غلامی کا زہر نوعِ انسانی کی آزادی کے جسم میں گھول دیا تھا۔

یزید خلافتِ اسلامی کا دعوے دار تھا اور خود کو ''امیرالمومنین'' کہلاتا تھا لیکن اسلامی شعائر کو مٹانے کے درپے تھا۔ وہ عیش و عشرت میں غرق تھا اور حضرت امام حسینؑ سے بیعت کا طالب بھی تھا، تاکہ اپنی تمام بداعمالیوں پر اسلامی اصول کے مطابق ہونے کی مہر ثبت کرسکے۔ حضرت امام حسینؑ کو اپنے نانا کے دین کو بچانا تھا (جس کی حفاظت کی خاطر آپؑ کے والدِ محترم اور برادرِ بزرگ نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا) خواہ اِس راہ میں اپنی اور اپنے عزیز ترین اہلِ خاندان اور احباب کی جانیں ہی کیوں نہ قربان کرنا پڑیں۔ حضرت امام حسینؑ کو پوری طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ اس وقت ملّتِ اسلامی کی اکثریت کو بنو امیّہ کے حکّام کے ذریعہ یزید نے مال و دولت کے لالچ میں پھنسا کر انہیں دینی حمیّت سے محروم کر دیا ہے۔ ان لوگوں میں بنو امیّہ کے جاہ و حشم اور رعب و دبدبہ کے سبب ظلم و ستم اور اخلاق سوز حرکات کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت باقی نہیں رہی تھی۔ ہر طرف بے حسی اور احساسِ زیاں کے فقدان کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں یزید کے خلاف کسی بڑے لشکر کی تیاری خارج از امکان تھی جو دینِ اسلام کی خاطر قربانیاں پیش کرسکے۔ لہٰذا حضرت امام حسینؑ نے اس کا ایک نفسیاتی حل تلاش کیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی بے مثال شہادت کے ذریعہ قوم کے خوابیدہ اور بے حس ذہنوں کو جھنجھوڑ کر اِن میں ہلچل پیدا کردیں گے تاکہ وہ جبر و استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت

پیدا کرسکیں۔

اس حق و باطل کی جنگ میں آپؑ حقّانیت کے تحفّظ کی خاطر ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنے کو تیار ہوگئے تاکہ ظلم و جور کے دست و بازو بالکل شل ہو جائیں اور خلقِ خدا ان کے شکنجہ سے آزاد ہو جائے۔

راہِ حق میں یہ قربانی کا جذبہ ان کے ہر بوڑھے، جوان اور بچّے میں موجود تھا۔ اسی وجہ سے امامؑ فخر یہ فرماتے تھے کہ جیسے وفادار اور جاں نثار ساتھی مجھے ملے ہیں ایسے کسی کے نہ تھے۔ اگرچہ ہر ایک کو بخوبی معلوم تھا کہ کسی کے زندہ بچنے کا امکان نہیں ہے پھر بھی ہر ایک کی خواہش تھی کہ جب تک زندہ ہیں دوسروں پر آنچ نہ آنے پائے۔

قرآن مجید میں مومنین کی ایک مثالی آزمائش کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ.

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۵۵ ـ ۱۵۷)

(اور یقیناً ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ شے سے (از قسم) خوف اور بھوک سے اور اموال، جانوں اور میووں کے نقصان سے۔ اور بشارت دے دو صبر کرنے والوں کو، جو جس وقت ان پر مصیبت پڑے تو وہ کہیں کہ یقیناً ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر صلوات ہے ان کے پروردگار کی اور رحمت، وہی ہیں ہدایت پائے ہوئے)

تاریخ گواہ ہے کہ ان آیات میں مذکور آزمائش کا مصداق حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی قربانی سے بہتر اور جامع تر مثال اسلامی دور کیا تاریخ انسانی میں بھی نہیں ملتی۔ جہاں نہ صرف ہر قسم کا خوف تھا، بچّوں ، جوانوں اور بوڑھوں ، مردوں ، عورتوں اور تمام ساتھیوں کی بھوک اور پیاس تھی ، اموال اور جانوں کا نقصان اور اولاد کی قربانی تھی جو انسان کی زندگی کے عزیز ترین پھل ہوتے ہیں۔ واقعاتِ کربلا میں یہ بھی واضح الفاظ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس وقت امامؑ کے تمام اعزہ اور احباب شہید ہوگئے اور آپؑ تنہا رہ گئے جو یقیناً بڑی مصیبت کا لمحہ تھا لیکن حضرت امام حسینؑ نے تمام مصائب دینِ حق کی خاطر بخوشی قبول فرمائے۔ علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

بہر حق درخاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

ہیچ کس را تا نگردد او فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

آپؑ نے اتمامِ حجّت کے طور پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ ''انّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَیْـهِ رَاجِعُونَ'' کے الفاظ ہی سے شروع فرمایا۔ لہٰذا ان آیات کی رو سے امامِ مظلومؑ اور ان کے ساتھی پروردگار کی صلوات اور رحمت کے مستحق اور

''مھتدون'' کے عظیم لقب سے ملقب قرار پائے۔

یاد رہے کہ امامؑ کی یہ بے مثال قربانی ایک اتّفاقیہ واقعہ نہیں تھا جس کا کسی کو سان وگمان نہ ہو۔ رسولِ اکرمؐ کی متعدد احادیث ہیں جن میں امامؑ کے فضائل ، آپؑ کی شہادت اور شہادت کے بعد کے معجزات اور ان کے دشمنوں اور قاتلوں کے عبرتناک انجام بیان کئے گئے ہیں۔ ان احادیث کے راویوں میں امّہات المومنین حضرت عائشہؓ ، حضرت امّ سلمہؓ اورحضرت امّ الفضلؓ ، حضرت جابربن عبداللہ انصاریؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت انسؓ بن حارث جیسے عظیم المرتبت صحابہ شامل ہیں۔ یہ روایات ترمذی ، طبرانی ، بیہقی ، کامل ابنِ اثیر ، صواعقِ محرقہ اور ابونعیم کی جیسی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔☆

واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بہت ہی سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ، ابتداء ہے اسماعیلؑ

اسی طرح ''رموزِ بے خودی'' میں ''درمعنئ حرّیتِ اسلامیہ وسّرِ حادثۂ کربلا'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر
سرّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

☆تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مقالاتِ قدرت نقوی'' مطبوعہ ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ کراچی ۲۰۰۲ء، میں شامل مضمون بہ عنوان ''حسینؑ شہید'' صفحات ۱۷،۲۹۔

اس اجمال کی تفصیل وہ آیات ہیں جو قرآنِ مجید میں آئی ہیں:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ. رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ. فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ. فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی. قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ. فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ. وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ. اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ. وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ. وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ. سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ. کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ. اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ.

(سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیت ۹۹ تا ۱۱۱)

(حضرت ابراہیم نے) فرمایا: میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف، وہ میری ہدایت فرمائے گا۔ (آپؑ نے دعا فرمائی) اے میرے پروردگار مجھے بخش نیک لوگوں میں سے (فرزند)۔ پس ہم نے اسے ایک بردبار فرزند کی بشارت دی۔ پس جب وہ فرزند اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کے ساتھ دوڑ بھاگ سکے تو (ابراہیم) نے کہا: اے میرے بیٹے، بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تو غور کر کہ تیری رائے کیا ہے۔ اس (فرزند) نے عرض کی: اے بابا، آپ وہی کیجئے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پس جب دونوں نے (اللہ کے حکم کے سامنے) سرِ تسلیم خم کیا اور (باپ نے بیٹے کو) پیشانی کے بل لٹایا، تو ہم نے اس کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے بے شک خواب سچا کر دیا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہ یقیناً کھلی آزمائش ہے اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی قرار دی اور اس کو آئندہ آنے والوں میں باقی رکھا۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ وہ بے شک ہمارے مومن بندوں میں سے ہے)

علّامہ اقبالؒ نے حضرت امام حسینؑ کو معنیٔ ذبحِ عظیم کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے حضرت امام حسینؑ کی قربانی کو عظیم قربانی کیوں قرار دیا ہے؟ اس کا بظاہر سبب یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی تنہا ان کی ذات کی قربانی تھی، جب کہ حضرت امام حسینؑ کی قربانی ان کی تنہا ذات ہی کی قربانی نہیں تھی بلکہ آپؑ نے اپنے علاوہ بہتّر سے زیادہ قربانیاں پیش کیں (تفصیل پچھلے صفحات میں لکھی جا چکی ہے) جن میں چھوٹے بڑے، نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے حتیٰ کہ ایک ششماہہ بھی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی آزمائش صرف ان کی استقامتِ نفس سے لی گئی، جب کہ امامؑ اور ان کے رفقاء کی آزمائش صرف استقامتِ نفس ہی سے نہیں لی گئی بلکہ جان و مال کے نقصان، بھوک، پیاس اور غیر معمولی شدائد اور مصائب سے بھی لی گئی جس میں ان کا ہر فرد پورا اترا۔ اس کے علاوہ امامؑ اور ان کے رفقاء کی شہادت کے بعد ان کے خاندان والوں کو شہر بہ شہر تشہیر کیا گیا۔ ان لوگوں نے جو مصائب و آلام برداشت کئے ان کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔

اس کے علاوہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا مقصد صرف رضائے الٰہی تھا جب کہ حضرت امام حسینؑ کی قربانی کا مقصد رضائے الٰہی کے حصول کے علاوہ کلمۂ حق کا اعلان اور دینِ اسلام کا تحفّظ تھا۔ جب آپؑ نے یزید کو شریعتِ اسلام میں من مانی تبدیلیاں کر کے اسے مسخ کرتے دیکھا تو آپؑ نے اس کو چیلنج کر کے اپنا دینی فریضہ انجام دیا، ورنہ اسلام کی وہ مسخ شدہ شکل تا قیامِ قیامت باقی رہتی جو یزید پیش کر رہا تھا۔ آپؑ نے قیامت تک کے لئے حق و باطل میں تمیز پیدا کر دی۔ اسی لئے آپؑ کی قربانی ذبحِ عظیم قرار پائی:

نقشِ الاّ اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنواں نجاتِ ما نوشت
(علامہ اقبالؒ)

حقیقت یہ ہے کہ یزید کا حضرت امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ شخصی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ اس کا مطالبہ آپؑ سے پیغمبرِ اسلامؐ کے روحانی ورثہ دار کی حیثیت سے تھا تاکہ وہ اپنے خلافِ اسلام اعمال کے لئے اسلامی شریعت کی تائید حاصل کر سکے۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے آخری سانس تک اس کی بیعت نہیں کی ، بلکہ اُن کی شہادت کے بعد بھی یزید کو امام حسینؑ کے روحانی وارث حضرت علی (زین العابدینؑ) بن حسینؑ سے بھی بیعت کا مطالبہ کرنے کی ہمّت نہیں ہوئی کیونکہ اس کو بخوبی معلوم ہوگیا تھا کہ اگر ان سے بیعت طلب کی تو دمشق کا دربار بھی میدانِ کربلا بن جائے گا۔

یہ حضرت امام حسینؑ کی فتح اور یزید کی شکست کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور یہی دینِ اسلام کی فتح ہے۔

دوسرے یہ کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ قتلِ حضرت امام حسینؑ یزید کی منشاء اور اسی کے حکم سے عمل میں آیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے ان کی شہادت پر بڑی خوشی منائی تھی لیکن جب اس نے اس شہادت کے ردِّ العمل کے طور پر اپنے خلاف لوگوں میں عام نفرت پھیلتے دیکھی اور اس کو عوامی انقلاب کے قوی آثار نظر آئے تو وہ گھبرا گیا ، جلد ہی فتح کا نشۂ ہرن ہوگیا اور طبری (ج ۷ ، ص ۱۹) کی روایت کے مطابق وہ اس فعلِ شنیع پر اظہارِ افسوس کر کے کہنے لگا:

''ہائے حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر کے ابنِ زیاد نے مسلمانوں

کی نظروں میں مجھے ذلیل و خوار اور قابلِ نفرت بنا دیا اور ان کے دلوں میں میری طرف سے کینہ و عداوت کے بیج بو دیئے۔ ہائے ابنِ مرجانہ (عبیداللہ ابنِ زیاد) نے یہ کیا کیا خدا اس پر لعنت کرے''۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ظاہری انفعال اور پشیمانی اور ابنِ زیاد کو قتلِ حضرت امام حسینؑ کا ذمّہ دار ٹھہرانے کے باوجود یزید کی طرف سے ابنِ زیاد پر کوئی عتاب نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس یزید کے آخری سانس تک ابنِ زیاد کوفہ کے تختِ حکومت پر متمکن رہا اور یزید کی نوازشیں نہ صرف اس پر بلکہ اس کے خاندان کے دوسرے افراد پر بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئیں۔ چنانچہ اس کا ایک بھائی عبدالرحمٰن بن زیاد جو ۵۸ھ (۶۷۸ء) سے خراسان کا گورنر تھا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دمشق گیا اور خراسان میں جو دو کروڑ درہم جمع تھے وہ اس نے (طبری کی روایت کے مطابق) اپنے نام کرالئے۔ پھر خراسان کی گورنری اس کے بعد اس کے بھائی مسلم بن زیاد کے سپرد کی گئی۔

کیا حضرت امام حسینؑ کی شہادت رائیگاں گئی؟ حاشا و کلّا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس وقت کی اسلامی مملکت کے اطراف و اکناف میں جیسے جیسے شہادتِ حضرت امام حسینؑ کی خبریں پہنچتی رہیں لوگوں میں غم و غصّہ کا طوفان برپا ہوتا رہا۔ اس زمانہ میں رسل و رسائل کی کمی کے سبب اور حکومتِ وقت کے خوف اور اس کے ظلم وستم کی خبروں پر قدغن کی وجہ سے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک اس ہولناک خبر کو پہنچنے میں کئی مہینے بلکہ کئی سال

لگ گئے۔

اس المناک واقعہ کی خبر ملتے ہی اہلِ مدینہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ ۶۲ھ مطابق ۶۸۱ء میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ وغیرہ شرفائے مدینہ کے وفد نے شام جا کر یزید کے حالات کا مطالعہ کیا۔ ان لوگوں کو رام کرنے کے لیے بڑی بڑی رقمیں دی گئیں لیکن واپسی پر انہوں نے یزید کے بارے میں کہا:

"وہ ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جو کوئی مذہب نہیں رکھتا بلکہ شراب پیتا ہے، طنبورہ بجاتا ہے، گانے والیوں سے گانا سنتا ہے اور کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہے اور رندوں بدمستوں کے ساتھ قصہ گوئی میں اوقات صرف کرتا ہے۔ چنانچہ ہم سب اس کی بیعت کا قلاوہ اپنی اپنی گردن سے اتار ڈالتے ہیں☆۔"

علاّمہ جلال الدّین سیوطی نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ اس وفد کے ارکان نے کہا:

"ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت اختیار کی جب ہمیں اندیشہ پیدا ہو گیا کہ ہم پر عذابِ الٰہی کے طور پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔ اس لئے کہ وہ (یزید) ایسا شخص ہے جو اپنے باپ کی تصرّف کردہ کنیزوں (یعنی اپنی سوتیلی ماؤں) بیٹیوں اور بہنوں تک کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔ شراب پیتا

☆ تاریخِ کامل، ج ۴، ص ۵۲۔

ہے اور نماز کو ترک کرتا ہے"۔

۶۳ھ مطابق ۶۸۲ء کے آغاز میں اہلِ مدینہ نے بالاتّفاق یزید کے چچازاد بھائی عثمان بن ابی سفیان گورنر مدینہ کو، مدینہ سے نکال دیا اور بنی امیّہ کا جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی محاصرہ کرلیا۔ اس کے ردِعمل کے طور پر یزید نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں جو فوج بھیجی اس کو حکم دیا کہ فتح پانے کے بعد تین دن تک مدینہ کو مباح سمجھ لینا یعنی بے محابا قتل و غارت کرنا اور جو مال، ہتھیار یا قیدی ہاتھ آئے وہ سب فوج کی ملکیت ہوں گے۔ چنانچہ ۲۸ر ذی الحجہ ۶۳ھ مطابق ۶۸۲ء کو مدینہ میں قتل و غارت کر کے مکمل طور پر اس حکم کی تعمیل کی گئی[۱] اور تین دن رات مسلسل اہلِ شام مدینہ کو لوٹتے رہے[۲]۔ یزید نے ان واقعات پر خوشی کا اظہار کیا اور جو اشعار پڑھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ سے یہ سلوک بھی پیغمبرِ اسلامؐ سے بدلہ کے طور پر تھا (یزید اپنے اشعار میں کہہ چکا تھا "نہ کوئی خبر آئی اور نہ وحی، بنی ہاشم نے اقتدار کے لئے کھیل کھیلا تھا)۔

واقعۂ کربلا کے بعد مکّہ والوں کی طرف سے عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں یزید اور بنو امیّہ کے خلاف نفرت اور بیزاری کے قومی جذبہ کے زیرِ اثر بغاوت اور اس کے جواب میں حصین بن نمیر کی سرداری میں لشکرِ یزید کا مکّہ پر حملہ اور تین ربیع الاوّل ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء کو منجنیق سے کعبہ پر سنگباری اور آتشباری کی گئی جس سے کعبہ میں آگ لگ گئی،

(۱) طبری، ج ۶، ص ۱۷۳، ۱۷۴۔ ج ۷، ص ۶ تا ۸۔

(۲) اخبارالطوال، ص ۲۶۱۔

تاریخ کے صفحات پر مرتسم ہیں۔ ۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء کو یزید اپنا سیاہ نامۂ اعمال لے کر دنیا سے رخصت ہوگیا[1] اور فوجِ یزید مکّہ سے واپس چلی گئی[2]۔

۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں اہلِ عراق کے جذبات عبداللہ بن زیاد کے خلاف ایسے مشتعل ہوئے کہ اس کو بصرہ سے فرار ہونا پڑا۔ جب تعاقب کرنے پر وہ خود نہ مل سکا تو لوگوں نے دارالامارہ پر حملہ کرکے اس کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا[3]۔

یزید کی موت کے بعد جب اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کو اس کا جانشین تسلیم کیا گیا تو اس نے منبر پر جا کر یہ تقریر کی:

”اے لوگو! یہ امرِ خلافت اللہ کی ایک مستحکم رسّی تھی مگر میرے دادا معاویہ بن ابی سفیان نے اس کے متعلق حقیقی معنی میں مستحقِ خلافت شخص علیؑ بن ابی طالب سے جھگڑا کیا اور وہ مذموم طریقہ اختیار کیا جس سے سب ہی واقف ہیں۔ بہرحال وہ اپنے گناہوں میں چاروں طرف سے گھر کر قبر میں پہنچ گئے تو یہ منصب میرے باپ یزید کو پہنچا اور وہ بھی کسی طرح اس کے مستحق نہ تھے۔ انہوں نے رسولؐ کے نواسے حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ بالآخر ان کی بھی عمر ختم ہو گئی اور وہ بھی اپنے گناہوں میں گرفتار قبر میں جا پہنچے“۔

(۱) طبری، ج ۷، ص ۱۵۔
(۲) اخبارالطوال، ص ۲۶۳
(۳) طبری، ج ۷، ص ۲۸۔

اِس کے بعد وہ رویا اور کہنے لگا :

”سب سے بڑی مصیبت ہمارے لئے اس امر کا احساس ہے کہ ان کا انجام برا ہوا کیونکہ انہوں نے اولادِ رسولؐ کو قتل کیا، شراب کو مباح اور حرمتِ خانۂ کعبہ کو برباد کیا۔ پس اب میں جو اس وقت تک خلافت کی شیرینی سے ناواقف ہوں، تو اس کی تلخی کا مزہ کیوں چکھوں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ مجھے خلافت سے کوئی سروکار نہیں۔ بالفرض دنیا اگر کوئی اچھی نعمت ہے تو بھی ہم اس سے بہت کافی حصہ پا چکے اور حقیقتاً اگر کوئی بری چیز ہے تو جتنا اس وقت تک ہم کو اس سے ملتا رہا وہی بہت زیادہ ہے“۔

اس کے بعد وہ محل میں چلا گیا اور چالیس دن گزارنے کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا[1]۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا[2]۔

اس کے بعد خراسان سے بھی وہاں کے لوگوں نے اپنے یہاں کے گورنروں کو نکال کر جنگ و جدال شروع کر دیا[3]۔ خلافت ہمیشہ کے لئے اولادِ ابوسفیان سے نکل گئی۔ شام میں بوڑھے مروان بن حکم کی بیعت کی گئی اور خلافت عرصہ تک اس کی اولاد میں برقرار رہی۔ (یہ وہی مرون

(۱) طبری، ج ۷، ص ۳۰۔ صواعقِ محرقہ، ص ۱۳۴۔
(۲) طبری، ج ۷، ص ۳۴۔
(۳) طبری، ج ۷، ص ۴۴۔

بن حکم ہے جس کو رسولِ اکرمؐ نے شہر بدر کر دیا تھا اور جو خلیفۂ اوّل و دوم کے زمانہ میں بھی مدینہ میں داخل نہ ہوسکا)۔

۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء میں قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لینے کی پہلی کوشش جماعتِ توّابین کی طرف سے ہوئی۔ اپنی قلیل تعداد کے باوجود براہِ راست حکومتِ بنوامیّہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کی وجہ سے ناکام ہوئی۔☆

اس کے بعد ۶۶ھ مطابق ۶۸۵ء میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کے لئے مختار ثقفی نے حضرت علیؑ کے معروف سردارِ لشکر مالکِ اشتر کے فرزند ابراہیم کے تعاون سے عبداللہ بن زبیرؓ کے حاکم کو شکست دے کر کوفہ میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ مختار کو حکومتِ شام جو قتلِ حسینؑ کی اصل ذمّہ دار تھی اور ابنِ زبیرؓ کی حکومت جو کوفہ میں اپنا تسلّط قائم کرنا چاہتی تھی دونوں کے غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات اہلِ حکومت کی طرف سے لگائے گئے، لیکن مختار نے اپنے نصب العین پر عمل جاری رکھا اور چن چن کر قاتلانِ حسینؑ کو کوفہ میں قتل کیا جن میں شمر، عمر بن سعد، حرملہ، اور قیس بن اشعث کے نام سرِفہرست تھے۔ اس کے بعد مختار نے ابراہیم کو عبداللہ بن زیاد سے جنگ کرنے موصل کے قریب خازر بھیجا۔ ابراہیم نے ابنِ زیاد کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور اس کا سرکاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا اور مختار نے اسے محمد حنفیہ بن حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے علاوہ اس جنگ میں شام کے دو مشہور سردار حصین بن نمیر اور شرحبیل بن ذی الکلاع بھی مارے گئے۔

☆تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، ج ۷، ص ۴۷ تا ۵۲، ۶۷ تا ۸۰۔

کوفہ سے کچھ قاتلانِ حسینؑ محمد بن اشعث وغیرہ جو مختار کے ہاتھوں سے بچ نکلے تھے بصرہ میں مصعب بن زبیر سے جا ملے جس کو عبداللہ بن زبیر نے بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

اسی دوران میں عبداللہ بن زبیر نے مکّہ میں محمد حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو قید کر لیا اور ان کو دھمکی دی کہ اگر ایک مقررہ مدّت تک انہوں نے ابن زبیر کی بیعت نہ کی تو ان سب کو جلا دیا جائے گا۔ مختار نے اطلاع پا کر کوفہ سے ایک فوج روانہ کی جس نے مکّہ جا کر محمد حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر کے ابنِ زبیر کو ختم کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن محمد حنفیہ نے حرم میں خونریزی سے سختی سے منع کیا تو یہ فوج ان کو ایک محفوظ جگہ پہنچا کر کوفہ واپس آگئی☆۔

مختار کے خلاف عجمیوں کو عربوں پر مسلّط کرنے کے الزام کے ذریعہ عربوں کو بھڑکا دیا گیا۔ ان دِنوں ابراہیم موصل کو فتح کر کے نصیبین میں قیام پذیر تھے اور مختار کوفہ میں تنہا تھے۔ مصعب نے ایک بڑا لشکر لے کر ان پر حملہ کر دیا۔ مختار کے تمام باوفا ساتھی شہید ہوگئے اور خود وہ بھی بڑی پامردی سے جنگ کرتے ہوئے ۱۴ رمضان ۶۷ھ مطابق ۶۸۶ء کو شہید ہوگئے۔ ظلم اور قساوت کہ قاتلوں نے ان کی زوجہ کو بھی مجمعِ عام میں قتل کر دیا۔ دوسری طرف اس جنگ میں محمد بن اشعث جو بڑا دشمنِ اہلِ بیت تھا، مارا گیا۔ بہرحال مختار اپنے مقصدِ حیات یعنی قاتلانِ حسینؑ کا قلع قمع کرنے کے مشن کو پورا کر چکے تھے۔ اپنے عظیم مشن کی تکمیل

☆طبری، ج ۷، ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

کے صلہ میں یقیناً انہیں حیاتِ جاودانی عطا ہوگئی، کیونکہ بقول حافظ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس کے بعد شہادتِ امام حسینؑ کے انتقام کے نام پر متعدد تحریکیں وجود میں آئیں۔ ۱۱۸ھ مطابق ۷۳۶ء میں زید بن علیؑ بن حسینؑ شہید کر دیئے گئے لیکن ظالم حکومت کے خلاف ایک مستقل جماعت تشکیل کرگئے۔ ان میں سے بعض تحریکوں کا اصلی مقصد سیاسی تھا۔ مرو میں ابومسلم خراسانی نے جو بعد میں امینِ آلِ محمدؐ کے نام سے مشہور ہوا، ہزاروں آدمی اپنے سیاہ جھنڈے تلے جمع کر لئے۔ بالآخر بنی امیہ کا آخری بادشاہ مروان بن محمد جنگِ زاب میں مارا گیا اور اس طرح بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے قتل کے بعد کوفہ کی مسجدِ جامع میں ۱۰رمحرم ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۳ء یعنی عاشورہ کے روز جو شہادتِ امامؑ کی تاریخ ہے، بنوعبّاس کا سیاہ پوش اجتماع ہوا اور اس میں اہلِ بیتؑ کے فضائل و حقوق بیان کرکے لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی جو پہلی بار ۱۲۹ھ مطابق ۷۴۶ء میں شروع ہوئی تھی۔

۱۱رمحرم ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۳ء کو عراق میں ہاشمی یعنی بنو عبّاس کی سلطنت کا اعلان کیا گیا۔ ابوسلمہ حفص بن سلیمان کو جو محبانِ اہلِ بیت میں سے تھے، وزیر مقرر کیا گیا۔ وہ ''وزیرِ آلِ محمدؐ'' کے نام سے مشہور ہوئے لیکن بانیانِ تحریک نے ان کو دھوکہ دیا۔ چنانچہ جب حضرت امام جعفرصادقؑ کو خلافت کی پیشکش پر مشتمل خط بھیجا گیا تو آپؑ نے

قاصد کے سامنے ہی اس خط کو چراغ کے شعلہ کے نذر کر دیا اور فرمایا کہ ''اہلِ خراسان شیعہ علیؑ نہیں ہیں اور ابوسلمہ کو فریب دیا گیا ہے اور اسے بالآخر قتل کر دیا جائے گا۔''[1]

چنانچہ جیسے ہی ابوالعباس سفّاح عبداللہ بن محمد...... بن عبّاس کی خلافت کا اعلان ہوا، اس کے چند دن بعد ابوسلمہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔[2] اگرچہ بنوعبّاس کا دور بنوامیّہ کے دور کی طرح شیعیانِ علیؑ کے ابتلا اور مصائب کا دور تھا لیکن ان کی سلطنت اس نفرت کی بنا پر وجود میں آئی جو بنوامیّہ کے خلاف شہادتِ حضرت امام حسینؑ کے سبب سے مسلمانوں میں پیدا ہوئی تھی۔

مختصر یہ کہ حسینؑ ایک فرد کا نام نہیں بلکہ حسینیت جو ان کے نام سے وجود میں آئی، ایک مدرسۂ فکر کا نام ہے۔ یہ نام یزیدیت یعنی ظلم و استبداد کے خلاف، عدل و مساوات کے دفاع کے لئے ایک دائمی مثال بن گیا ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں ہر نازک موقع پر ظلم اور بے انصافی کے خلاف جہاد کرنے والوں کے دلوں کو گرماتا رہا ہے اور ان میں پامردی اور استقلال کو فروغ دیتا رہا ہے۔

حضرت امام حسینؑ کی قربانی کا سبق کسی ایک گروہ یا مذہب و ملّت کے لئے مخصوص نہیں۔ ان کا پیغام حقیقت میں عالمِ انسانیت کے ہر فرد و ملّت کے لئے ہے جو آپؑ سے حق کی راہ میں ایثار اور جاں نثاری اور باطل کے سامنے عزم و استقلال اور صبر و ثباتِ قدم کا سبق لینا چاہتے ہوں۔

(۱) الوزراء والکتاب، ص ۵۷۔
(۲) الوزراء والکتاب، ص ۶۰۔

حضرت امام حسینؑ بلاشبہ امّتِ مسلمہ کے نجات دہندہ ہیں، ان معنوں میں کہ آپؑ نے تمام مسلمانوں کو جو اپنی زندگی کو عملاً حسینی سیرت و کردار کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، نجات کا راستہ دکھایا ہے۔

واقعۂ کربلا تمام دنیائے بشریت کے لئے ایک تربیت گاہ ہے، جہاں ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کو اخلاق، فرض شناسی، فعالیت، ہمّت، صبر و استقلال اور کوششِ پیہم کے درخشاں اصول سکھائے جاتے ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد جیسے جیسے لوگوں میں درسِ حسینی سے واقفیت بڑھے گی، ان کے درمیان حسینی پیغام کے ان زرّیں اصولوں کی مقبولیت کو عمومیت اور استحکام حاصل ہوگا۔ بقول جوشؔ:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

صاحبانِ محراب و منبر سے التماس

مجھے کبھی کبھی سخت حیرت ہوتی ہے اور دل گرفتہ ہوتا ہوں جب صاحبانِ محراب و منبر کو یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے سنتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ اکثر خود متاثر نظر نہیں آتے لیکن سامعین کو متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی تقریر میں یوں تو بہت کچھ ہوتا ہے، جوش ہوتا ہے، جذبہ ہوتا ہے، خطابت ہوتی ہے، نعرے ہوتے ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن اثر نہیں ہوتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں تقریر ہونٹوں سے ادا (DELIVER) کی جاتی ہے اُس میں ان کا دل شامل نہیں ہوتا۔ اور نہ خونِ جگر۔ دل شامل نہ ہو اور خلوصِ نیّت نہ ہو تو اثر کہاں سے ہو! کاش خطباء عظام اس امر کا احساس کریں اور خطابت کو اصلاحِ حال اور تبلیغِ دین کے لئے استعمال کریں، حصولِ نام و نمود اور دنیاوی افادہ☆ سے پرہیز کریں۔ تقریر ہو یا تحریر پُر اثر وہی ہوتی ہے جو دل سے نکلتی ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

☆ علم را برتن زنی مارے بود — علم را بر دل زنی یارے بود
(مثنوی مولانا روم)
(علم کو اگر تن پروری کا ذریعہ بناؤگے تو وہ سانپ کی طرح تمہیں نقصان پہنچائے گی اور اگر علم سے اپنے دل کو روشن کروگے تو وہ ہمیشہ تمہارا مددگار ثابت ہوگا)

شہدائے کربلا کی یاد منانا نیک عمل ہے اسے قائم[۱] رہنا چاہئے تاکہ ملتِ اسلام واقعات فراموش نہ کر بیٹھے لیکن ہر حال میں ہر لحہ ''مقصدِ حسینؑ'' پیشِ نظر رہنا چاہئے۔ مظلومِ کربلا ، بیمارِ کربلا اور اسیرانِ کربلا نے کربلا اور کربلا کے بعد جس دینی جذبے سے راہِ حق میں قربانیاں دیں اور صبر و شکر کے ساتھ مصائب برداشت کئے ، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان مجلسوں میں دیانتِ اقتصاد ، اجتماع ، حمیّت ، احترامِ بشر ، حمایتِ مظلوم ، ظالمین سے نفرت ، استقامت اور ایثار و قربانی کی دولت تقسیم ہو۔ شہدائے کربلا اور اسیرانِ کربلا کی قربانیوں کا صحیح اعتراف بھی ہے کہ ان مجلسوں سے ذہنی تعمیر کا کام لیا جائے اور ہر قسم کے دکھاوے[۲] سے پرہیز کیا جائے۔

نرمی سے مطیع ، سنگدل ہو تے ہیں
دندان ، صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد سیّدالشہداء کے بارے میں فرماتے ہیں:

(ہو سکے تو ''مضامینِ ابوالکلام آزاد'' داتا پبلیشرز لاہور کا مطالعہ فرمائیے)۔

---

(۱) قرآن مجید نے بھی تاریخ کو بہت اہمیت دی ہے:

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ
(سورۃ النور ۲۴، آیت ۳۴)

(اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی جانب کھلی ہوئی نشانیاں بھیجی ہیں اور مثالیں ان لوگوں کی جو تمھارے پہلے گزر گئے اور نصیحت پرہیز گاروں کے لئے)

مولانا روم نے فرمایا: ہست قرآں حالہائے انبیاءؑ
ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا

قرآن کیا ہے پیغمبروں کے حالات کا بیان جو اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ سمندر میں غوطہ زن مچھلیاں ہیں۔ (حضرت یونسؑ کا پورا واقعہ قرآن میں موجود ہے)

(۲) ممکن ہے کچھ حضرات کو ناگوار گزرے ، میں ان سے معذرت خواہ ہوں لیکن:

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

میں مندرجۂ بالا چند سطور مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں ، خطباء اور مقررین سے معذرت خواہ ہوں ، علماء کرام اور دانشورانِ عظام کی بات جدا ہے ان کا ازحد احترام کرتا ہوں۔ ان حضرات کا تو ایک ایک لفظ دل نشین ہوتا ہے اور ان کے بیان سے علم و حلم کی روشنی نمایاں ہوتی ہے۔ کاش تمام صاحبانِ محراب و منبر خلوصِ نیت سے خود عمل پیرا ہو جائیں تاکہ سامعین بھی متاثر ہو کر اس طرف متوجہ ہوں:

طوفانِ نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

خطاب تین اہم اصولوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ پہلا یہ کہ حسینؑ ابن علیؑ اور اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مودّت میں اضافہ ہو اور احساس و جذبات کے بندھن کو مضبوط سے مضبوط تر کرے۔ دوسرے یہ کہ واقعاتِ کربلا جو بالکل درست ہوں ، نہایت واضح اور سلیس زبان میں بار بار بیان کئے جائیں تاکہ سامعین مستفیض اور مثاب ہوں۔ تیسرے یہ کہ معرفتِ دین میں اضافہ اور پختگی پیدا ہو اور سامعین عمل نیک پر راغب ہوں۔ تقریر میں بہرصورت سلاست ، روانی اور رواداری برتی جائے:

''سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے''۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی

بنیاد جبر و شخصی اقتدار پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اسلام کی روحِ حرّیت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجماعِ امّت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اورمکرو خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظامِ حکومت شریعتِ الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراضِ نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ تھا، ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلے کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حرّیت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سیّد الشّہداءؑ نے اپنی قربانیوں کی مثال قائم کر کے مظالمِ بنی امیّہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعتِ وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حرّیت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکامِ مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم ہو۔

مقابلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوت و شوکتِ مادّی کا تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ چند ضعیفوں اور نوجوان کی جمعیتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پروا ہے نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں یہ اس قوتِ قاہرۂ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمتِ دنیوی کے ذلیل و خوار کرتی ہے:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ

(سورہ البقرہ ۲، آیت ۲۴۹)

(کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکمِ الٰہی سے غالب آگئیں)

عرضِ مدّعا

یہ میری نویں تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر تصانیف سے منسلک رہا ہوں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ میرے دو سفرنامے علی گڑھ بھارت سے بھی شائع ہوچکے ہیں۔ ''تاریخِ اسلام کا سفر، حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک'' علی گڑھ سے انگریزی میں شائع ہو رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر کراچی سے بھی شائع ہوگا۔ میری ایک اور کتاب ''نبیؐ کی نواسی زینب سلام اللہ علیہا'' کا ترجمہ بزبانِ انگریزی علی گڑھ، بھارت سے شائع ہو رہا ہے جس کا سہرا مولانا سیّد علی محمد نقوی صاحب فرزندِ ارجمند سیّد العلماء سیّد علی نقی نقوی اعلی اللہ مقامہ کے سر ہے۔ امید ہے انگریزی ایڈیشن کراچی سے بھی جلد شائع ہوگا۔ اللہ کرم فرما رہے۔ ''نبیؐ کی نواسی حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' کا بنگالی زبان میں ترجمہ کلکتہ سے شائع ہو رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے بعد میری تمنّا ہے کہ خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پر بھی ایک کتاب لکھوں اور اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ نہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خاتونِ اوّل ہیں بلکہ محسنۂ اسلام ہیں۔ ان بزرگ و محترم محسنہ نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ انھیں کی بیٹی

خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں اور ان کے نواسے شہیدِ اعظم حسینؑ ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کے حالاتِ زندگی ولادت سے شہادت تک پچھلے صفحات میں لکھے جا چکے ہیں۔

بحمداللہ اس وقت تک زندگی کے اکیاسی سال پورے کرچکا ہوں ، مشکی بال کافوری ہو چکے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عناصر میں اعتدال باقی ہے اور امید ہے ابھی باقی رہے گا تاکہ دیگر کتابیں لکھنے کی تمنا پوری ہو جائے اور مجھے غالبؔ کا شعر پڑھنے کی ضرورت نہ پڑے:

مضمحل ہوگئے قویٰ غالبؔ
اب عناصر میں اعتدال کہاں

جن حضرات نے میری پچھلی کتابیں پڑھی ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ میں نے ۹۲ء میں قلم اس وقت سنبھالا جب بچّوں نے کاروبار سنبھالا اور بحمداللہ بحسن و خوبی سنبھالے ہوئے ہیں خداوندِ متعال انہیں ہمیشہ خوش و خرّم رکھے اور زندگی میں اضافہ فرمائے ، آمین ثم آمین۔

اس مختصر سے ذاتی تعارف کے بعد مستدعی ہوں کہ کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور ہوسکے تو اظہارِ خیال فرمائیں۔ میں نے اپنی تحریر میں ہمیشہ "فعّالیت" کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے "انفعالیت" کا جذبہ پیدا کرنا میرا طریقہ نہیں۔ صاحبانِ محراب و منبرکیا کرتے ہیں یہ ان کا کام ہے۔

قرآنِ کریم ہر انسان کو خصوصاً ہر مسلمان کو زندہ رہنے اور زندہ رہنے دینے (LIVE & LET LIVE) کا گر سکھاتا ہے ہمیں اسی پر عمل پیرا رہنا چاہئے برائیوں سے دوری اور نیکیوں کی تپش قائم رہنی چاہئے:

اصلِ دیں آمد کلام اللہ معظّم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰؐ برجاں مسلّم داشتن

اب میں اپنی تحریر کو چند دعاؤں کے ساتھ ختم کرتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَۃِ.

(اے اللہ! تو ہمارے ہر کام کا انجام بہتر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے)

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ.

(اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور صحت و عافیت طلب کرتا ہوں ، تو عطا فرما دے)

جب دم واپسی ہو یا اللہ
لب پہ ہو لا الٰہ الا اللہ

☆

اے خدا سینۂ مسلم کو عطا ہو وہ گداز
تھا کبھی حمزہؓ و حیدرؑ کا جو سرمایۂ ناز
پھر فضاء میں تری تکبیر کی گونجے آواز
پھر اس انجام کو دے گرمیٔ روحِ آغاز

☆

نقشِ اسلام ابھر جائے ، جلی ہو جائے
ہر مسلمان حسینؑ ابنِ علیؑ ہو جائے

خداوندِ متعال یہ بندۂ عاجز و عاصی تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ اے خدائے بزرگ و برتر کہ تُو نے پتّھر میں تپش اور شعلہ عطا فرمایا، شعلہ میں چمک اور رنگ بھرا، زمین کو قوتِ نمو اور پانی میں قوتِ بالیدگی عطا فرمائی، بادلوں نے سمندر کے نمکین پانی کو اس طرح اٹھایا کہ نمک سمندر میں رہ گیا اور خالص پانی ہوا کے دوش پر اڑتا پھرا، پہاڑوں سے ٹکرایا، جگہ جگہ برسا اور خشک بنجر زمین کو سبزہ زار بنا دیا آبِ نیساں کا قطرہ صدف کے دہن میں پہنچا اور موتی بن گیا اور پھر کسی کے گلے کا ہار۔

خداوندا! ہمارے گناہوں کو اس طرح زائل کر دے جس طرح آتش خشک لکڑی کو جلا دیتی ہے، مجھے اور میرے خاندان کو دینِ اسلام پر قائم رکھ، دنیا میں نیک کاموں کے لئے راہ ہموار کر، عالم برزخ میں سکون اور روزِ محشر ہم پر کرم فرما اور ختمی مرتبتؐ اور اس کی آل کے سامنے رسوا نہ فرما۔ خداوندا:

گلستانے ز خاکِ من بر انگیز
نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایان نیم تیغِ علی را
نگاہے دہ چو شمشیرِ علی تیز

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ
وَمَا توفیقی اِلّا بِاللّٰہ۔

احقر العباد
سیّد علی اکبر رضوی عفی عنہ

درخواست سورۂ فاتحہ برائے سید علی اکبر رضوی
طالب دعا

سیّد علی اکبر رضوی کی تصنیفات

رعایتی قیمتوں کے ساتھ

کوہ قاف کے اس پار: رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ دلچسپ و حیرت انگیز واقعات سے مملو ☆ ۱۳۸ صفحات پر مشتمل
قیمت: ۱۵۰ روپے

سرزمین انقلاب: ایران کے مقدس اور معروف مقامات کی ۳۱ رنگین تصاویر ☆ ۲۲۶ صفحات ☆ نفیس کاغذ
قیمت: ۲۰۰ روپے

ارضِ جلال و جمال: رواں، سادہ، دلچسپ اور دلنشین اندازِ بیان مقاماتِ مقدسہ کی ۸۰ رنگین تصاویر ☆ ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ☆ نفیس کاغذ ☆ **قیمت: ۳۰۰ روپے**

حدیثِ عشق: رضوی صاحب کا چوتھا سفرنامہ ☆ ۷۰ رنگین تصاویر سے مزین ☆ ۲۶۲ صفحات پر مشتمل ☆ قیمت: ۲۵۰ روپے

بھارت میں چار ھفتے: لکھنؤ، بنارس، اعظم گڑھ، علی گڑھ، کلکتہ اور دہلی کے سفر کی نہایت دلچسپ داستان ☆ رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ ۲۶۲ صفحات ☆ **قیمت: ۳۰۰ روپے**

بھارت یاترا: کلکتہ، لکھنؤ اور علی گڑھ کا سفر دلپذیر ☆ ۶۳ رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل
قیمت: ۱۵۰ روپے

مقالاتِ قدرت نقوی: قدرت نقوی کے غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ صفحات: ۲۰۵ ☆ نادر و نایاب موضوعات
قیمت: ۱۵۰ روپے

تاریخ اسلام کا سفر: (حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک) ۷۴ رنگین تصاویر ☆ صفحات: ۶۷۰
قیمت: ۶۵۰ روپے

سید احتشام حسین۔ فکر و فن صفحات: ۶۷۰ ☆ **قیمت: ۹۳۰ روپے**

فاضل لکھنوی۔ احوال و آثار صفحات: ۱۰۱ ☆ **قیمت: ۱۰۰ روپے**

نبی کی نواسی حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا ۸ رنگین تصاویر ☆ صفحات: ۲۱۶
قیمت: ۱۷۵ روپے

زیرِ طباعت

- **تاریخ اسلام کا سفر**۔ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک (بزبانِ انگریزی)
- **نبی کی نواسی**۔ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا (بزبانِ بنگالی)
- **نبی کی نواسی**۔ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا (بزبانِ انگریزی)
- **نبی کی نورِ نظر**۔ حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا
- **نواسۂ نبی امام حسین** علیہ السلام۔ تاریخ کے آئینے میں
- **نبی کی نورِ نظر**۔ حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا
- **نبی کی خاتونِ اول**۔ حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا
- **سیرت حضرت علیؑ**
- **تفسیر فصل الخطاب**۔ سید العلماء سید علی نقی نقوی
- **مقدمۂ تفسیر قرآن مجید**۔ مولانا محسن نجفی، اسلام آباد
- **موازنۂ انیس و دبیر**۔ ادارۂ ہٰذا کے تعاون سے دارالمصنفین شبلی اکیڈمی (اعظم گڑھ انڈیا) نے شائع کیا۔